ج

محمد مصطفےٰ کمال پاشا

از

میجر جنرل محمد اکبر خاں

زنگروٹ

ناشر

مکتبہ ارتقائے ادب کراچی

جملہ حقوق محفوظ

بار اوّل :- ——— فروری ۱۹۶۶ء
تعداد :- ——— ۱۲ سو
لیتھو پرنٹنگ :- ——— ڈیسنٹ پریس
بلاک پرنٹنگ :- ——— عاصی پرنٹرز
قیمت :- ——— چار پے پچاس پیسے

میں اپنی اس تالیف کو ترکوں کی اس بے بہا روح جہاد کے
نام پر معنون کرتا ہوں جس نے بر و بحر میں باطل کی قوتوں کو
شکست دی ہے۔

محمد اکبر خاں

دیباچہ

میجر جنرل محمد اکبر خاں ان صاحبانِ سیف وقلم میں ہیں جنھیں آفرینندۂ روزگار کسی ملک یا قوم کی تقدیر بدلنے کیلئے پیدا کرتا ہے جنرل صاحب کو اسلام اور عالم اسلام سے عشق ہے۔ اس عشق کو وہ نہ صاحب سیف کی حیثیت سے فراموش کر سکے نہ صاحب قلم کی حیثیت سے۔ اپنی طویل مثالی اور عظیم فوجی خدمات سے سبکدوشی کے بعد آپ نے فنون حرب و دفاع پر متعدد اہم کتابیں لکھنے کے ساتھ ساتھ تمام اہم مسلمان جرنیلوں اور فاتحوں کی سوانح عمریاں رقم فرمائیں۔ آپ کی تمام تصانیف پاکستان کی مسلح افواج کے نصاب تعلیم میں داخل ہیں۔

جنرل محمد اکبر خاں نے پاکستانی مسلمانوں میں روحِ عسکریت بیدار کرنے کے لئے، اسلامک ملٹری سائنس ایسوسی ایشن قائم کرنے کے علاوہ اسلامک آئیڈیالوجی آن وار سیریز کے عنوان سے اشاعتِ کتب کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ کتابیں مکتبہ ارتقائے ادب کراچی کے زیرِ اہتمام اشاعت پذیر ہوتی ہیں۔ مکتبہ ارتقائے ادب نے تین جلدوں میں ترکوں کے جہاد آزادی کی مکمل تاریخ کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے تینوں کتابیں علی الترتیب "ترکوں کی جدوجہد آزادی"، "محمد مصطفےٰ کمال پاشا" اور "بیسویں صدی کا مجاہد" ہیں، جنھیں جنرل صاحب نے بڑی تحقیق اور علمی کاوش سے مرتب فرمایا ہے۔

پیش نظر کتاب "محمد مصطفےٰ کمال پاشا، ملت ترکیہ کے جہاد آزادی کی تاریخ کی دوسری جلد ہے۔ مجھے امید ہے کہ قارئین اتاترک کی حریت

آموز زندگی سے سبق حاصل کر کے اس روحِ جہاد سے سرشار ہو جائیں گے جس کے بغیر مسلمان خلافت ارض کے منصبِ جلیلہ کے سزاوار نہیں ہو سکتے۔

شکیل احمد ضیا
فروری ۱۹۶۶ء

تُرکوں کی جدّوجہد کا آخری منظر

بیسویں صدی اور یرموک

۲۰ ستمبر ۱۹۱۸ء کو برطانوی فوجوں نے عثمانی حکومت کی فوجوں کو دریائے یرموک کی وادی میں شکست دی۔ یہی وہ وادی تھی جہاں خالد بن ولیدؓ نے سلطنت روما کو جو کہ عیسائیت کا زبردست مستقر تھی کاری زخم لگا کر ہلاکت کے درجہ پر پہنچا دیا تھا۔ مگر بیسویں صدی میں اسی یرموک کی وادی میں دُنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت کو نہایت ہی کاری زخم لگا تھا۔ اتحادی فوجیں اسلام بول (استنبول) کی طرف بلا مزاحمت بڑھتی چلی گئیں۔ عیسائی حکومتوں نے خوشی کے شادیانے بجائے۔ کہ اسلامی حکومت اب ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ کیونکہ عثمانی ترکی حکومت نے نہایت بزدلی سے

انتہائی ذلیل صلح کی شرائط کو مان کر دنیا کے اس گمان کو یقین کے درجہ پر پہنچا دیا تھا۔

اس کی وجہ کیا تھی اور ایسا کیوں ہوا؟

عثمانی حکومت جو کبھی بہت باحشمت، طاقتور اور پُر جلال تھی۔ اب بہت ہی معذور تھی۔ ماضی کے ایام یعنی نماز کے ایام میں یہ حکومت بہت غریب اور اسلحہ کی قلت سے دوچار تھی۔ مگر اس حکومت کی عظمت کے محافظین باعزم، جاں نثار، وفادار، دیانتدار اور باغیرت مسلم مجاہد تھے۔ اس لئے فتح مندی ہر میدان جنگ میں ترکوں کے قدم چومتی رہی۔ دشمن خوف اور احترام کے باعث اس حکومت کے سامنے اپنی آنکھیں زمین کی طرف رکھتے ہوئے عثمانی التفات کی درخواست کرتے تھے۔ مگر اب اس حکومت کے محافظین یہ لوگ تھے:۔

خلیفۃ المسلمین:۔ یہ بے ریڑھ کی ہڈی کا پتلا تھا۔ جسے صرف اپنے آرام اور عیش کی فکر تھی۔ اسلامی جذبہ اس سے چھو کر بھی نہ گیا تھا۔ وہ عرصۂ دراز سے مغربی عیسائی حکومتوں کے روپیہ کا زرخرید غلام بن چکا تھا اور زبان حال سے یہ شعر پڑھتا تھا ؎

اب تو آرام سے گزرتی ہے ۔۔۔ عاقبت کی خبر خدا جانے

اس کے اعزا اور حکام اس کے ہم خیال تھے۔ گو ان سب کا وطن ترکی تھا مگر یہ کاماں اور خزانہ مغربی ممالک کے بینکوں میں جمع تھا۔

۲۔ ترکی کی سیاسی جماعتیں :۔ ترکی سیاسی اور قومی گروہوں کے نمائندے گو ظاہری طور سے قومی نعروں سے زمین و آسمان کو ہلا دیتے تھے۔ مگر سوائے چند اشخاص کے باقی لیڈر ذاتی اور شخصی مفاد کے غلام تھے۔ ملک اور قوم کا مفاد اُن کے ذاتی مفاد کے مقابلے میں ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ ایسے ہی ایک سیاسی گروہ کا سرکردہ لیڈر غازی انور پاشا تھا۔ اُس پر یہ مثل صادق آتی تھی "کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی گیا بھول" انور پاشا مغربی اثرات کا غلام بن چکا تھا۔ انور پاشا کے نامور معاون جمال پاشا، طلعت پاشا۔ رؤف بے کردوں کا سردار شیخ سعید، شیخ الاسلام وغیرہ جیسے لوگ تھے۔

انور پاشا کی ترکی ینگ پارٹی میں کچھ ایسے ممبر تھے جن سے انور اور اُس کے ساتھی خوف کھاتے تھے۔ مگر انور وغیرہ نہ تو اُن کو اپنی پارٹی میں شامل کر کے خوش تھے اور نہ ہی اُن کو نکالنے کی اُن میں ہمت تھی۔ یہ باعث خلش لوگ مصطفےٰ کمال۔ فیوضی پاشا۔ عصمت پاشا اور جاوید پاشا وغیرہ تھے، یہ وہ لوگ تھے جن کے جذبۂ وطن پرستی، دیانتداری اور قابلیت کے سامنے اکثریت یعنی طاقتور پارٹی خم کھاتی تھی بہرحال اکثریت نے اس اقلیت پارٹی کو ترکی ینگ پارٹی کا رکن نہ بننے دیا۔ بالفاظ دیگر بہت عرصہ تک یہ اقلیت پارٹی ملک کی رہنمائی یا ٹھوس خدمت نہ کر سکی۔

۳۔ مغربی طاقتیں :۔ (۱) اتحادی یعنی انگریز۔ فرانسیسی۔ اٹلی۔

یونان، ریاستہائے بلقان اور روس تھے پہلی جنگ عظیم سے قبل ان حکومتوں کے مختلف گروہ تھے جن میں اختلاف تھا۔ مگر اس جنگ کے دوران میں یہ حکومتیں یکجہتی سے لڑتی رہیں۔ ہاں یہ ضرور تھا۔ کہ سب اتحادیوں کی نظریں اس بات پر لگی ہوئی تھیں۔ کہ جنگ کے بعد انہیں کیا کرنا ہوگا اور اس کے حصول کے لئے دوران جنگ میں کیا کرنا ضروری ہے۔ جنگ عظیم سے قبل فرانسیسی اور انگریز ترکی کے گندم نما جو فروش دوست تھے اور دوستی کے پردے میں فرانس اور برطانوی حکومتوں نے عثمانی حکومت کو بار بار ایسے کاری زخم لگائے۔ کہ آخر کار ترک چلا اٹھے لہٰذا ترکوں نے نئے دوست تلاش کرنے شروع کئے۔ اس دوستی کے دوران میں برطانیہ نے اپنا فوجی مشن بھیج کر ترکی حکومت کے سارے ملک کے سیاسی و معاشی حالات کے متعلق بہت صحیح معلومات حاصل کرلیں اور ان معلومات کی بنا پر برطانیہ نے ایسا صائب دفاعی منصوبہ بنایا جس کی مدد سے اس عظیم جنگ میں انہوں نے ترکی کو شکست پر شکست دے کر آخر کار اس حکومت کا شیرازہ بکھیر دیا۔

اس دوستی کے زمانے میں برطانیہ کے مشہور منصوبہ بازوں مثلاً جان فلبی۔ لارنس۔ کاکس وغیرہ نے ترکوں اور عربوں میں زبردست تفرقہ ڈال کر ایک دوسرے کا جانی دشمن بنا دیا۔

(ب) جرمنی:۔ جرمنی نے اسلامی حکومتوں کے خلاف صلیبی جنگوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اور اسی حکومت نے ۱۸۷۱ء میں برلن کے

منحوس معاہدے کی بنیاد ڈالی تھی۔ مگر اب سیاسی ضروریات کی بنا پر جرمنی نے سیاسی قلابازی کھائی اور بظاہر جرمنی اسلامی حکومت کا خیر خواہ اور دوست بن گیا۔ مگر پسِ پردہ ریاستہائے بلقان اور اٹلی کی مدد کرتا رہا۔

آخر کار جب جرمنی کو یقین ہو گیا۔ کہ برطانیہ اور فرانس اس کے حلق سے نوالہ چھیننا چاہتے ہیں۔ تو اس نے ترکی حور کو یقین دلا دیا۔ کہ صرف وہی اس کا جاں نثار عاشق ہے اور اس طرح سے جرمنی نے انگریزوں اور باقی مغربی حکومتوں کو نکال باہر کیا۔

جب جرمنی اس سیاسی چال میں کامیاب ہو گیا۔ تو اس نے دوبارہ اپنا فوجی مشن ترکی میں بھیجا۔ مگر جرمنی نے اپنے نمائندے جو ترکی میں بھیجے وہ صحیح نہ تھے۔ کیونکہ انہوں نے نہ تو ترکی کے احساسات کو صحیح طور سے سمجھا اور نہ ہی جرمنی کے مفاد کی صحیح ترجمانی کی۔ کیونکہ جرمنی کی سفارت اور جرمنی فوجی مشن میں یکجہتی معدوم تھی۔

اُدھر ترکی میں دو طاقتور سیاسی جماعتیں تھیں۔ اول خلیفہ اور اس کے اُمراء و وزراء جو ابھی تک انگریزوں کے خفیہ طور پر وظیفہ خوار تھے اور دوسری ترکی ینگ پارٹی جو جرمنی کے ہوا خواہ اور رفیق تھے۔ ان دونوں پارٹیوں میں بہت جد و جہد رہی۔ اس لئے ترکی مفاد پس پردہ پڑا رہا۔

آخر کار انور پاشا کو جرمنی کے نمائندوں نے رام کر کے جنگ عظیم میں جھونک دیا۔ یہ کیسے ہوا اس کو ہم مناسب جگہ پر بیان کریں گے۔ البتہ

یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ جرمنی چونکہ "جی حضور" (YES SIR) معاون چاہتا تھا۔ لہٰذا اُنہوں نے انور پاشا کو پسند کیا اور مصطفےٰ کمال اور اُس کے ساتھیوں کو اُن کی قابلیت کی وجہ سے اہم عہدوں سے دُور رکھا۔

یہ جرمنی کی بدقسمتی تھی۔ کہ نہ تو جرمنی کے فوجی مشن اور نہ ہی جرمنی وزارت خارجہ کے نمائندے سفیر نے یا جرمن کے امپیریل جرنل سٹاف نے ترکی الفاظ "محمدؐ" اور "فاطمہ" کو سمجھنے کی کوشش کی۔ گو ان دونوں نمائندوں سے کئی صدیوں سے کئی بار جرمن لشکر میدانِ جنگ میں مُنہ کی کھا چکے تھے۔ اُن کو یہ معلوم نہ تھا کہ ترکی عوام کو ان الفاظ پر کیوں فخر و ناز ہے۔ وہ ان الفاظ کو کیوں احترام سے دیکھتے رہے ہیں اور فی زمانہ ان کی اہمیت کیا ہے؟ انور، جمال، طلعت، رؤف وغیرہ بھی مغربی رنگ میں رنگے جانے کی وجہ سے ان ترکی الفاظ کی صحیح اہمیت سے نابلد و ناآشنا تھے۔ ہاں مصطفےٰ کمال اور اُس کے ساتھی ان الفاظ کے شیدائی تھے۔ مگر اس نقار خانے میں طوطی کی آواز کو کون سنتا ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ برطانوی دفاعی مبصرین جرنل ٹاونسنڈ، جرنل ناڈ، جرنل ایلنبی۔ لارنس وغیرہ اس ترکی فلسفہ کی اہمیت و ماہیت سے خُوب واقف تھے۔ گو برطانیہ ڈپلومیٹک میدان میں جرمنی سے مات کھا چکا تھا۔ مگر اُس نے ہمت نہ ہاری۔ اور اب اُس نے یہودیوں کی مدد سے ترکوں کی مسلم اقوام اور مخصوص ترک اور عرب کو الگ الگ کرنے کی ٹھان لی۔

ان مذکورہ بالا جماعتوں کے علاوہ مشرق میں ایک اور جماعت تھی۔

جو مسلمانوں کی نمائندہ کہلاتی تھی۔ ان میں سر آغا خان اور سید امیر علی وغیرہ پیش پیش تھے۔ ان راہنماؤں کے معاون مہاتما گاندھی، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام جیسے لوگ تھے۔

برطانوی اقتدار اور دباؤ کی وجہ سے یہ جماعت اعلانیہ طور پر نہ تو سچ کہنے کی استطاعت رکھتی تھی اور نہ ہی اپنی بات منوانے کی طاقت رکھتی تھی۔ لہٰذا اس معذوری کے باعث مجبوراً (BARGAINING) جسے تکلف سے میانہ روی کا طرز کہہ سکتے ہیں۔ اختیار کرنی پڑی اور انہوں نے شکست خوردہ ترکوں کو بھی اسی طرزِ عمل کا مشورہ دیا۔ خلیفہ اور اُس کے مددگاروں کو تو یہ بات بہت پسند آئی۔ مگر مصطفےٰ کمال اور اُس کے ساتھیوں نے اس مشورہ کو ٹھکرا دیا۔ غرض اس جنگ کے دوران میں اور جنگ کے اختتام پر دنیائے اسلام عجیب کس مپرسی اور بے بسی کے عالم میں تھی۔ دُنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت شکستوں سے چونکہ جاں بلب تھی۔ اس لئے اسلامی راہنما جنہوں نے دوران جنگ میں اتحادیوں کا ساتھ دیا تھا۔ اب اپنے اُمیدافزا خوابوں یعنی اتحادیوں کی وعدہ ایفائی کے منتظر تھے۔ مگر اب اتحادی فاتح تھے۔ لہٰذا اتحادیوں نے وعدہ ایفائی تو درکنار فتح کے نشے میں سرشار ہو کر اُن وعدوں پر غور کرنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

اس وقت اسلامی دُنیا بے بسی۔ معذوری کے عالم میں ہونے کے باعث اپنی اسلامی روایات کو بھی بھول چکی تھی۔ مگر اللہ تعالےٰ کو اسلامی

دُنیا کو زندہ رکھنا مقصود تھا۔ اس لئے مٹھی بھر مجاہدوں کے ذریعے سے دُنیا کی متحدہ طاقتوں کو فاتح بنانے کے بعد مفتوح بنا دیا۔ یا یوں کہیئے۔ جس طرح اُحد کی جنگ میں پہلے مسلمانوں کو فتح ہوئی اور پھر زبردست شکست ہوئی تھی۔ مگر آخر کار دائمی فتح نصیب ہوئی۔ اسی طرح سے اس جنگِ عظیم میں عثمانی حکومت کو پہلے فتوحات نصیب ہوئیں پھر شکست اور آخر کار فتح مبین۔ یہ کیسے ہُوا اور کیونکر؟ اس کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے ہم مصطفےٰ کمال کی زندگی کے حالات کے ساتھ ساتھ جنگِ عظیم کے میدانوں سے بھی آپ کا تعارف کرائیں گے۔

گدڑی کا لعل

مقدونیہ اس علاقے کو عثمانی ترکی حکومت نے چودھویں صدی میں فتح کیا اور اس علاقے میں بہت سے مجاہد آباد ہو گئے۔

علی رضا:۔ سالونیکا کا شہر تقریباً چھ سو برس تک ترکی حکومت کے ماتحت رہا۔ اس شہر میں ۱۸۸۰ء میں چونگی محکمہ کے ایک محرر کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔ یہ محرر جس کا نام علی رضا آفندی تھا۔ بہت غریب اور شکستہ حال تھا۔ اس کی بیوی بھی ترکی نژاد تھی اور وہ بھی متوسط گھرانے کی لڑکی تھی۔ اس کا نام زبیدہ تھا۔ لڑکے کا نام مصطفےٰ رکھا گیا۔

زبیدہ کی اپنی تعلیم بہت معمولی سی تھی اور اس درجے کے لوگوں کے اعتقادات بھی اس خاتون میں موجود تھے۔ یعنی وہ خلیفہ وقت کو حضرت محمدؐ کا صحیح جانشین سمجھتی تھی۔ جو کہ کئی ولیوں کی قوت و برکت رکھتا تھا۔

چونکہ اُس وقت تک دیہاتوں میں مسجد اور مدرسہ ایک ہی چیز ہوتی تھی۔ اس لئے جب مصطفےٰ ہونہار ہو گیا۔ تو علی رضا نے اپنے لڑکے مصطفےٰ کو ایک مسجد کے مُلّا کے سپرد کیا۔ تاکہ وہ اس لڑکے کو حافظِ قرآن بنائے اور اس مدرسہ سے بہترین قاری بن کر نکلے۔

علی رضا نحیف اور ضعیف جسم کا تھا۔ اس لئے اُس نے چونگی کی نوکری چھوڑ دی۔ تاکہ اپنے فراہم کردہ اثاثے سے کچھ تجارت کرکے اپنی بیوی اور بچے کا پیٹ پالے۔ علی رضا کو تجارت میں گھاٹا پڑا۔ افلاس کے ڈر نے اُسے بیمار کر دیا۔ فکر اور ناداری کے باعث اُس کی بیماری بڑھتی گئی۔ اور جلد ہی دُنیائے فانی سے رُخصت ہو گیا۔

زبیدہ چونکہ شہر میں رہ کر خرچ برداشت نہ کر سکتی تھی۔ اس لئے اپنی بہن کے پاس گاؤں میں چلی گئی۔ وہاں مصطفےٰ کو بکریاں چرانے کا کام سُپرد ہوا۔ اس کام سے جب فراغت ملتی تو وہ گاؤں کے بچوں کے ساتھ مل کر کھیلتا کُودتا تھا۔

مصطفےٰ کی خالہ کو اس بچے سے بہت پیار ہو گیا اور اُس نے مصطفےٰ کی تعلیم کے اخراجات برداشت کرنے کا وعدہ کرکے مصطفےٰ کو سالونیکا کی مسجد میں حصول تعلیم کے لئے بھیج دیا۔ مصطفےٰ کا دل مسجد میں نہیں لگتا تھا۔ اس شہر میں اُس نے ترکی سپاہی جسے (محمد) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جب دیکھے تو اُسے فوجی مجاہد بننے کا شوق چرایا۔ لہٰذا وہ مسجد سے بھاگ کر اپنی ماں اور خالہ کے پاس آ گیا۔ اور یہ ضد کی کہ اُسے سرکاری فوجی سکول میں داخل کیا جائے۔ اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو وہ بخوشی بکریاں چرا کر اپنی زندگی گذار دے گا۔

چرواہا مصطفےٰ کی خالہ نے چند یوم سزا کے طور پر اُسے بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ کر دیا۔ مگر بعد ازاں مصطفےٰ کو سالونیکا کے فوجی سکول

میں داخل کرادیا۔ جہاں وہ سترہ برس کی عمر تک تعلیم پاتا رہا۔ چونکہ یہاں اُس نے بہت شوق سے تعلیم حاصل کی۔ اس لئے اُسے مناستر (MONASTIR) کے بڑے فوجی سکول میں داخلے کی اجازت مل گئی۔ اس کالج میں اُسے یہ محسوس کرایا گیا کہ فوجی تعلیم کو اعلیٰ معیار پر پہنچانے کے لئے فرانسیسی زبان کا جاننا لازمی ہے۔ کیونکہ نپولین کی دفاعی تاریخ اس زبان میں لکھی گئی ہے۔ لہٰذا مصطفےٰ جب گرمیوں کی تعطیلات میں گھر آتا تو اپنے شہر کی لائبریری سے فرانسیسی ادب کی کتابیں ہمراہ لاتا۔ اور اس طرح سے اُس نے فرانسیسی زبان کے مشہور اکابر ادب کی کتابیں پڑھیں۔ اس مہارت کے بعد اُس نے دفاعی تاریخوں کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔

ادیب اور شاعر تعطیلات میں وہ فرانسیسی جمہوری اثرات کے تحت مقالات لکھتا جس میں موجودہ حکومت کی کمزوریوں اور بدعنوانیوں کو آشکار کرنا مقصود تھا۔ تاکہ ترکی عوام میں اُخوت اسلامی، مساوات اور حُریّت پھر سے پیدا ہو جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے خیالات کی ترجمانی نظموں میں بھی کرتا تھا۔

سٹاف کالج مناستر کے کالج میں چونکہ مصطفےٰ نے اپنی قابلیت کا سکّہ بٹھا دیا۔ لہٰذا اُسے استنبول کے ملٹری کالج میں بھیج دیا گیا تاکہ وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ ایک افسر بنا دیا جائے۔ ۱۹۰۵ء میں اُس نے یہ تعلیم بہت کامیابی سے مکمل کر لی۔ اس ملٹری کالج کے پرنسپل کی سفارش پر اسے اب ملٹری سٹاف کالج میں تعلیم حاصل کرنے

کے لئے بھیجا گیا۔ اس طرح سے مصطفےٰ دفاعی تعلیم میں برابر ترقی کرتا گیا۔

اسمٰعیل حقی پاشا اور کمال

ترکی سٹاف کالج کا مہتمم (پرنسپل) اسمٰعیل حقی پاشا تھا۔ وہ خلیفہ کے جاں نثار افسروں میں سے تھا۔ مگر ان نوجوان افسروں میں زیادہ تعداد اُن افسروں کی تھی۔ جو سلطان عبدالحمید کی بار بار سیاسی غلطیوں اور تشدد سے نالاں تھے۔ مصطفےٰ کمال گو اُن میں سے ایک تھا مگر یہاں بھی وہ اپنی قابلیت کے باعث سب کا سردار تھا۔ کالج کے باغی خیالات کے تمام افسر ایک دن جمع ہوئے۔ اور ایک باغی جمعیت بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس کا نام اُنہوں نے "جمعیتِ وطن" رکھا اور مصطفےٰ جسے اس کے ہمراہیوں نے کمال کا لقب اس لئے دے دیا تھا۔ کہ وہ ہر فن میں اُن کے نظریہ میں کمال کا درجہ رکھتا تھا۔ اب اس جمعیت کا صدر چُنا گیا۔

جمعیتِ وطن

کچھ عرصہ تو یہ جمعیت ہفتہ وار اپنی مجلسیں خفیہ طور سے کرتی رہی۔ مگر جلد ہی سلطان کے جاسوسوں کو اس جمعیت کا پتہ چل گیا اور اُنہوں نے خلیفہ کی بارگاہ میں ایک بروقت مراسلہ بھیجا اور خلیفہ کو اس جمعیت کے تمام کارکنوں کے خلاف سخت ترین کارروائی کا مؤدبانہ مشورہ دیا۔

خلیفہ کو اس خبر نے سخت برہم کر دیا۔ کیونکہ یہ افسر اُس کے تنخواہ یافتہ اور سلطان کی فوج کے چیدہ چیدہ افسر تھے۔ لہٰذا باغیانہ خیالات کے لئے اُن کو سخت ترین سزا دینا لازمی تھا۔

حقی پاشا نے اپنے کالج کو بدنامی سے بچانے کے لئے انتہائی کوشش کی۔ کہ کسی طرح سے یہ افسر مجلس منعقد نہ کریں اور اس کے ساتھ ہی تمام افسروں کو یہ حکم دے دیا۔ کہ "اس مجلس کو توڑ دیا گیا ہے"۔ علاوہ ازیں اُس نے بہت کوشش کی۔ کہ کسی ایک یا دو افسروں کو اس جُرم کا قصوروار ٹھہرا کر اس معاملے کو ختم کر دیا جائے۔ مگر کسی افسر نے اُس کی مدد نہ کی اور یہ نہ بتایا۔ کہ فلاں فلاں اس جمعیت کا بانی یا رُوحِ رواں ہے۔

حقی پاشا نے اس ناکامی کے باعث جاسوسوں سے مدد طلب کی۔ جمعیت کے ارکان نے کالج کے اندر جلسہ کرنے کی بجائے اب کالج کی حدُود سے باہر جلسہ کیا۔ کیونکہ اس جمعیت کے ارکان اب استنبول کی فوجوں کے اور افسر بھی تھے۔ مصطفےٰ کمال نے اپنی جمعیت کے اخبار "جمعیت" میں ایک آتشیں مضمون لکھ کر شائع کیا اور اسے تمام اراکین میں تقسیم کیا۔

جیل خلیفہ کو اُس کے جاسوس تمام باغیانہ کارروائیوں سے خبردار رکھتے تھے۔ لہٰذا خلیفہ نے تمام اراکین یعنی افسروں کو قید کرنے کا حکم نافذ کر دیا۔ اس طرح مصطفےٰ جمعیت کے تمام اراکین کے ساتھ جیل خانہ میں ڈال دیا گیا۔

رہائی ابھی چند ہفتے ہی گذرے تھے۔ کہ معلوم نہیں کس سیاسی نظریہ کے تحت خلیفہ نے ان تمام افسروں کی رہائی کا حکم دے دیا۔ ان سب کو استنبول سے دُور علیحدہ علیحدہ چھاؤنیوں میں متعین کیا۔

مصطفےٰ کمال کو دمشق کی چھاؤنی میں متعین کیا گیا۔

شام میں یہاں بھی مصطفےٰ خاموش نہ رہا۔ اور جمعیت وطن کو دوبارہ زندہ کیا۔ شام کی مختلف چھاؤنیوں کے کئی افسر اس جمعیت کے رکن بن گئے۔ ان سب کا مقصد یہ تھا کہ سلطان عبدالحمید کو تخت سے اُتار دیا جائے۔

دمشق میں پہنچ کر وہ صلیبی جنگوں اور خالدؓ بن ولید کے کارناموں کا مطالعہ کرتا رہا۔ یہ کارنامے کمال کے جذبات کو اُکساتے گئے۔ اور وہ خالدؓ بن ولید اور صلاح الدین ایوبی کی قوت کے حصول کے لئے بارگاہِ الٰہی میں دُعا مانگتا تھا اور اُس نے اسلام کی خدمت اور حمیّت وطن کے نشے میں سرشار ہو کر کتابیں لکھنی شروع کر دیں۔

اسی اثنا میں اُسے سالونیکا واپس آنے کے لئے مسلسل تار پہنچتے رہے۔ لیکن حمیّتِ وطن کی قسم دلا دلا کر باغی افسروں نے کمال کو "انجمن اتحاد ترقی" کو مضبوط بنانے کے لئے دوبارہ سالونیکا آنے کی جب دعوت دی۔ تو کمال نے سالونیکا جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ تار کے بھیجنے والے معلوم نہیں کیوں نہیں سمجھتے تھے۔ کہ ان تاروں کی متواتر آمد سے وہ خلیفہ کے جاسوسوں کو اگر وہ سو بھی رہے ہوں۔ تو اب ان کو تازیانے پر تازیانہ لگا کر جگا رہے ہیں۔ اور وہ نہیں سمجھتے تھے۔ کہ وہ کمال کی اس طرح کی شمولیت سے تمام راز فاش کر کے کمال کے لئے کس قدر خطرہ پیدا کر رہے ہیں۔

کمال تاجروں کے بھیس میں

کمال نے ان تمام خطرات کو جان بُوجھ کر مول لیا۔ لہٰذا وُہ اپنا بھیس بدل کر بحیثیت تاجر شام سے مصر پہنچا اور پھر وہاں سے یُونان گیا اور یُونان سے سالونیکا پہنچا۔

سرکاری جاسوسوں نے یہ خبر بڑھا چڑھا کر خلیفہ کو پہنچا دی۔ فوجی قانُون کی خلاف ورزی پر خلیفہ نے مصطفےٰ کمال کی گرفتاری کا حکم صادر کر دیا۔ تاکہ وہ کمال کو احسان فراموشی اور بغاوت کا مزا چکھائے۔ اس حکم دینے میں خلیفہ حق بجانب تھا۔ کیونکہ فوجی سکول میں تعلیم کا خرچ حکومت دیتی تھی اور وہ حکومت خلیفہ کی تھی اور تمام افسر حکومت کی وفاداری کا حلف اٹھاتے تھے۔ لہٰذا قانُون کی نگاہ میں کمال مُجرم تھا۔

مصطفےٰ کے دوست

یہ مصطفےٰ کمال کی خُوش قسمتی تھی۔ کہ اُس کے دوست اُسے بروقت باخبر ہی نہیں کرتے رہے۔ بلکہ اُسے وُہ ایتھنز دارالخلافہ یُونان میں پہنچا کر وہاں سے جہاز کے ذریعے سے دوبارہ شام میں لے آئے اور ساتھ ہی خلیفہ کے کانوں میں یہ خبر ڈال دی۔ کہ مصطفےٰ تو شام کے علاقے میں ہے۔ اور وہاں لوگوں کو خلیفہ کا وفادار بنا رہا ہے اور جاسوسوں نے محض روپیہ لُوٹنے کی غرض سے غلط افواہیں اور خبریں بارگاہِ عالی میں پہنچائی ہیں۔ کیونکہ کمال اب ظلّ اللہ کا ایک بیدار دل مجاہد ہے۔

دمشق کے قہوہ خانوں میں

مصطفےٰ کمال اب دوبارہ

دمشق میں پہنچ کر وہ تاریخ کے مطالعے اور تصنیف میں مصروف ہو گیا۔ البتہ وہ دمشق کے قہوہ خانوں میں بلا ناغہ رات کے وقت اس لئے جاتا تھا تاکہ وہ اپنے تئیں حالات سے آگاہ رکھے۔ لوگ اُسے قہوہ خانوں کی ایک میز پر خاموشی سے بیٹھے حقہ پیتے اور قہوہ پیتے ہوئے دیکھتے تھے۔ وہاں وہ نہ تو کسی سے ملتا اور نہ ہی باتیں کرتا۔ ہاں اُس کی آنکھیں ہر وقت ہوشیاری سے اُن حالات کا توازن کرتیں۔ جو کہ ہر وقت اپنے کانوں سے وہاں بیٹھ کر لوگوں کی زبانوں سے سُنتا تھا۔ کیونکہ رعایا خلیفہ عبدالحمید خان کے خلاف تھی اور قہوہ خانوں میں سب باتوں کا برابر چرچا ہوتا رہتا تھا۔ اِسی فضا میں مصطفےٰ کمال نے ایک سال گذار دیا۔

سرکاری جاسوس مصطفےٰ کمال کی اس تبدیلی کو حیرت کی نظروں سے دیکھتے رہے اور خلیفہ نے جاسوسوں کے مراسلات سے جب ہر بار یہی معلوم کیا۔ کہ کمال اب گوشہ نشین ہو گیا ہے۔ تو وہ کمال کی طرف سے مطمئن ہو گیا۔

مصطفےٰ سالونیکا میں

خلیفہ کو کمال کی جانب مائل پا کر اُس کے دوستوں نے خلیفہ کے کانوں میں یہ بات پہنچا دی۔ کہ کیا اچھا ہو۔ کہ ظلّ اللہ اب مصطفےٰ کمال کو سالونیکا واپس بھیج دیں۔ کیونکہ وہاں جب باغی افسر اُسے بدلا ہوا پائیں گے۔ تو ان سرکش افسروں پر کمال کی توبہ کا بہت اچھا اثر ہوگا۔ علاوہ ازیں مصطفےٰ کمال کی والدہ چونکہ ظلّ اللہ (خلیفہ) میں سات دلیوں کا اثر دیکھتی ہے۔

لہٰذا مصطفےٰ کمال پر اپنی ماں کے اعتقاد کا اور بھی اچھا اثر ہوگا۔ کیونکہ کمال اپنی والدہ سے بہت مانوس ہے اور وہ کسی حالت میں اپنی ماں کی دل شکنی گوارا نہ کرے گا۔

خلیفہ کے دل میں اب یقین ہوگیا کہ مصطفےٰ کمال اُس کا اپنا آدمی ہے۔ لہٰذا اُسے سرکش افسروں کو راہِ راست پر لانے کے لئے استعمال کرنا مناسب سمجھا گیا اور کمال کو ترقی دے کر اُسے سالونیکا کے حکام کے افسرِ اعلیٰ کے عہدے پر متعین کر دیا۔

مصطفےٰ کمال اپنے دوستوں کی مدد سے اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہوگیا اور سالونیکا واپس پہنچ گیا جسے باغیوں نے بغاوت کا مرکز بنا رکھا تھا۔ "دانا ؤں کا قول ہے کہ مصیبت کے وقت دوستوں کے گھر جا اور دشمن کا دروازہ مت کھٹکھٹا۔"

انجمن اتحاد ترقی

مصطفےٰ کمال کی والدہ اب ایک کشادہ مکان میں مقیم تھی۔ یہ اُسے اپنے دُوسرے شوہر کی طرف سے ملا تھا۔ لہٰذا کمال کو اپنے گرد دوستوں کو جمع کرنے کی جگہ مل گئی کیونکہ سالونیکا میں باغی خیالات کے افسر اور سپاہی کافی تعداد میں موجود تھے

انجمن اتحاد ترقی ان ایام میں جاسوسوں کے خوف سے بہت محتاط ہو کر کام کر رہی تھی۔ اس انجمن کے چلانے والے چند بڑی شخصیت کے لوگ تھے جن کے نام سربستہ راز تھے اور وہ انور، جمال اور طلعت پاشا تھے۔ یہ انجمن دُوسری خفیہ انجمنوں کے نظام پر قائم تھی۔ تاکہ اگر یہ

انجمن خلیفہ کی خفیہ پولیس کی زد میں آجائے۔ تو انجمن اتحاد ترقی کے رکن ہر بلا سے محفوظ رہیں۔ درحقیقت یہ لوگ روس کی انقلابی پارٹی کے اصولوں اور طرز عمل کی پیروی کر رہے تھے، لہٰذا باقی انجمنوں کے افراد انجمن ترقی اتحاد کی دہلیز سے آگے قدم نہ رکھ سکتے تھے اور ان افراد کے ماہر منصوبہ جب اور قابل اعتماد اشخاص میں شمار ہونے لگے۔ تو پھر ان پر راز آشکار کیا جاتا۔ ۱۹۰۸ء میں مصطفےٰ کمال بھی صرف "نفر مجاہد" کے درجہ کا ممبر تھا، لیکن وہ اپنے رتبہ پر قانع نہ تھا۔ درحقیقت انجمن اتحاد ترقی نے مصطفےٰ کمال کو اپنی انجمن کا ایک نفر صرف اس لئے بنا لیا تھا۔ کہ اس نے سالونیکا اور دمشق میں نہ صرف تحریک جمعیت وطن کو کامیابی سے چلایا تھا۔ بلکہ خطروں کو مول لینے میں اپنے عزم کا پوری طرح سے مظاہرہ کیا تھا۔

ترقی کی فکر میں

کمال نے اپنی طاقت کو بڑھانے کا جب تہیہ کر لیا۔ تو اس نے افسروں اور سپاہیوں کو اپنی والدہ کے گھر میں جمع کر کے اپنا ہم خیال بنانا شروع کر دیا۔ کمال کی والدہ جو خلیفہ کو واقعی رسول پاکؐ کا صحیح جانشین سمجھتی تھی۔ اپنے بیٹے کو خوف الٰہی سے برابر ڈراتی رہتی تھی اور پند و نصیحت کرتی۔ تاکہ وہ خلیفہ کے خلاف سازشیں ترک کر کے خلیفہ کا سچا نمک خوار و وفادار بن جائے۔ مگر کمال اپنی والدہ کو کچھ ایسے انداز سے ٹالتا۔ کہ وہ خاموش ہو جاتی اور اپنے بیٹے کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعائیں مانگتی اور اس کی سلامتی اور

راہِ راست پر آنے کے لئے بار بار سربسجود ہوتی۔

محمّد خامس | 'انجمن اتحاد ترقی' کی بغاوت کی وجہ سے سلطان عبدالحمید کو تخت سے دست بردار ہونا پڑا اور اُس کی جگہ محمّد خامس خلیفۃ المسلمین بنائے گئے۔

اسلامی دُنیا کے دشمنوں نے اس انقلاب سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھایا 'انجمن اتحاد ترقی' کے کارکنوں اور اس نئی حکومت کو قائم ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ اُن کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مثلاً

۱۔ البانیہ نے بغاوت کردی۔
۲۔ بلغاریہ نے آزادی کا اعلان کردیا۔
۳۔ حکومت یُونان سے جزیرہ کریٹ کے الحاق کا مطالبہ کیا۔
۴۔ آسٹریا نے دھمکا کر ایک ایسے عہدنامے پر دستخط کرا لئے۔ جس کی بنا پر وُہ بحق خُوفی بازار، بوسینا اور ہرزی گوینا کو ہڑپ کر گیا۔

اس کے علاوہ افریقہ کے حالات بھی ناخوشگوار تھے۔ پُرانی حکومت کے ہوا خواہ اعلانیہ پکار پکار کر نئی حکومت سے یہ سوال کرتے۔ کہ اس لئے عبدالحمید کو تخت سے اُتارا گیا تھا؟

نئی حکومت پریشان تھی۔ اور وہ لاجواب بھی تھی۔

مصطفےٰ کمال نے بھی جو مطمئن نہ تھا۔ اب اُن لوگوں کا ساتھ دیا۔ تاکہ انجمن اتحاد ترقی کے موتمر اراکین اُس کی آواز سنیں۔ اس

مخالفت کا اثر یہ ہوا کہ نئی حکومت نے مصطفےٰ کمال کو مقدونیہ میں تبدیل کر دیا۔ تاکہ وہ وہاں بے یار و مددگار رہ جائے۔

مقدونیہ میں اُن دنوں مقدونیہ میں نمبر ۳ ترکی ڈویژن متعین تھا۔ اُس فوج کی تربیت کی پست حالت کو دیکھ کر کمال اُس کی اصلاح میں مشغول ہو گیا۔ وُہ دفاعی مقالے لکھنے لگا۔ تاکہ افسر جدید فنونِ جنگ سے آشنا ہو جائیں۔ اس طرح وہ اپنا سارا وقت فنونِ جنگ کی کتابوں کو پڑھنے اور اُن کے خلاصے لکھنے میں گذارنے لگا۔ اس طرح بہت ہی جلد اس کا تعارف گرد و نواح کے افسران سے ہو گیا۔ اور وُہ سب اُس کی قابلیت کے ثنا خوان بن گئے۔

تبصرہ انجمن اتحاد و ترقی پر خواجہ عباد اللہ اختر کا تبصرہ (خلافت اسلامیہ) چونکہ بہت سبق آموز ہے۔ اس لئے ہم یہاں پر درج کرتے ہیں:-

> "ترک نوجوانوں نے پیرس میں ایک ینگ ٹرکش پارٹی کی بنیاد ڈالی اور یہاں سے تحریک آزادی جاری رکھی۔ اکثر فوجیوں کو ہم خیال بنا لیا۔ جب کافی تقویت ہو گئی۔ تو اُس کا مستقر سالونیکا میں بدل دیا اُس کے بعد اتحاد و ترقی کی کمیٹی کی تشکیل ہوئی۔ اُس کی خفیہ مجالس میں رازدارانہ منصوبے باندھے جاتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ عسکری قوت اُن کے ہاتھ میں آ گئی اور اکثر فوجی افسر اس کمیٹی کے ممبر بن گئے۔"

اس میں شک نہیں۔ کہ اس آزادی کی جدوجہد میں کئی نوجوان مارے گئے۔ مگر سپہ سالار افواج ترکیہ شوکت پاشا نے اپنی مقدونی فوج کے ساتھ

(قسطنطنیہ) استنبول کو محاصرہ میں لے لیا۔ فتح بے۔ شکری بے، انور بے اور عصمت پاشا بھی اپنی اپنی فوج کے ساتھ ملحق ہو گئے اور سلطان کو معزول کر کے ۱۹۰۹ء میں سلطان محمد خامس (محمد شاہ) کے سر پر تاج سلطنت رکھ دیا۔ ترک نوجوان پارٹی میں زیادہ تر ادنیٰ طبقہ کے لوگ مثلاً دفتروں کے منشی، اور دکاندار وغیرہ شامل تھے۔

۱۹۰۹ء میں ترقی اتحاد کی کمیٹی نے عنان حکومت سنبھال لی۔ ابتدا میں عام رائے تو یہ تھی۔ کہ صرف مدحت پاشا کی تنظیمات کو عملی جامہ پہنایا جائے گا اور یہ بھی اس حد تک کہ دستوری حکومت قائم کی جائے اور بس لیکن کمیٹی کو نظام سلطنت کا تجربہ ہی نہ تھا۔ اس لئے مناسب یہی خیال کیا گیا۔ کہ پرانے تجربہ کار سیاست دانوں سے کام لیا جائے۔ لیکن وہ نئے تبدیل شدہ ذہنی اور خارجی حالات سے عملاً واقف نہ تھے۔ ان کو معلوم نہ تھا۔ کہ موجودہ نسل کا مطالبہ کیا ہے۔ اور خارجی حالات کا تقاضا کیا ہے۔

ترکی مسیحی رعایا اور مسیحی پادری

مسیحی رعایا تو دل و جان سے ترکوں کے دوش بدوش اتحاد ترقی کے لئے تیار تھی۔ مگر اُن کے مذہبی پیشوا کسی اور خیال میں تھے اور وہ اس منصوبہ کے زیر اثر تھے۔ جو باہر تیار کیا گیا تھا۔ کہ ترکیہ کو پیش از وقت ختم کر دیا جائے۔

ان کا مطالبہ یہ تھا۔ کہ اُن کو شہری حقوق ویسے ہی ملنے چاہئیں۔

جیسے کہ ترکوں کو حاصل ہیں لیکن ذمہ داری کے بوجھ سے سبکدوش رہنا چاہتے تھے۔ فوجی خدمت تو اُن سے صدہا سال سے نہیں لے گئی تھی۔ غیر ترک مسلمان عرب۔ کرد وغیرہ بھی تھے۔ وہ بھی اس نئی طرز سے مانوس نہ ہوئے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ اُن میں سے اکثر سلطان کے وظیفہ خوار تھے۔ اُسی کا کھاتے اور اُسی کے گُن گاتے تھے۔

علاوہ ازیں ایک طبقہ رجعت پسند بھی تھا۔ اب وظائف بند ہو گئے اور مصیبت یہ آن پڑی۔ کہ سلطان نے جاسوسی کا محکمہ قائم کیا ہوا تھا۔ اُسے بند کرنے سے ہزاروں آدمی بے روزگار ہو گئے۔ ان کی رپورٹیں ان لوگوں کی سیاسی سرگرمی کے خلاف دفتر میں موجود تھیں جو اس وقت برسرِ اقتدار تھے۔ ان خفیہ پرچہ نویسوں نے سمجھ لیا۔ کہ ان کی خیر نہیں۔ مگر نوجوان ترک پارٹی نے اس دفتر بے معنی کو نذرِ آتش کر دیا۔ تو اُن کی جان میں جان آئی۔ یہ ابن الوقت جانتے تھے۔ کہ اُن کا ذاتی مفاد کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ بھی پارٹی میں شامل ہو گئے۔ مگر ذہنیت نہ بدلی۔

وہ کارکن جو ہر ممکن مصائب برداشت کر چکے تھے۔ اور قید و بند کی مشقت بھی جھیل چکے تھے۔ جن کے عزیز و اقارب بھی دورِ استبداد کا شکار ہوئے۔ اب گوشۂ گمنامی میں دھکیل دیئے گئے اور یہی ابن الوقت ہر طرف چھا گئے۔ تاریخ ایسے واقعات کا اعادہ ہمیشہ کرتی ہے۔ ان حالات میں ترقی اور اصلاح کی کیا توقع ہو سکتی تھی؟

ادھر یورپ کو کب گوارا ہو سکتا تھا۔ کہ ترکی اُن سے علم و ہنر سیکھ کر اُن کو ہی نشانہ بنائے۔ یا کم از کم مد مقابل ہو۔

بوسینیا (BOSANIA) آسٹریا کی سرپرستی میں ۱۸۲۶ء سے تھا۔ اب اُس نے اُسے مملکت میں باقاعدہ شامل کر لیا۔ جزیرہ کریٹ (GRETE) یونان نے ہتھیا لیا۔ اٹلی نے طرابلس پر قبضہ کر لیا۔ آسٹریا اور یونان کا معاملہ صلح و آشتی سے طے ہو گیا۔ مگر طرابلس پر اٹلی کا حملہ ترکیہ کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ کئی فوجی افسر جن میں انور پاشا بھی تھا۔ باوجود اس امر کے کہ مصر سنگِ راہ اور بحر حائل تھا اور برطانیہ نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہاں نہ پہنچ سکیں مگر پہنچ ہی گئے۔

دُنیائے اسلام بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں میں بھی ہیجان پیدا ہو گیا۔ مگر یہ سب کچھ ہنڈیا کا اُبال تھا۔ اٹلی کا قبضہ طرابلس پر ہو ہی گیا۔

شیخ سنوسی کا نام بھی ہندوستانیوں نے پہلی دفعہ سنا۔ برطانیہ نے اٹلی کو کامیاب بنانے کے لئے ادھر ریاستہائے بلقان کو کھڑا کر دیا اکثر تجربہ کار افسر محاذ طرابلس پر لڑ رہے تھے۔ ادھر میدان خالی تھا۔ بلقانی منہ اُٹھائے بڑھتے آئے۔ اس لئے انور پاشا کو طرابلس چھوڑ کر گھر کی خبر لینی پڑی۔

رُوس رُوس میں اس وقت اعلیٰ پایہ کا سیاسی مُدبّر اسولسکی (ASWOLSKI) تھا۔ رُوس کی نظر ہمیشہ سے قسطنطنیہ اور آبنائے باسفورس پر رہی۔ اس وقت وزیر خارجہ اسولسکی تھا۔

اگر فرانس اور برطانیہ کبھی رضامند ہو جاتے تو یہ ترکی پر ایسا آپڑتا کہ رُوس کی کامیابی یقینی تھی۔

رُوس کا افغانستان۔ تبت اور ایران پر دوبارہ قبضہ ہو چکا تھا تبت اور افغانستان کے بارہ میں یہ سمجھوتا ہو گیا۔ کہ اُن کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ کم از کم رُوس ان کے معاملات میں دخل نہ دے گا۔ برطانیہ کو کھلی چھٹی دی گئی تھی۔

ایران کو دو حلقہ ہائے اثر میں تقسیم کیا گیا۔ برطانیہ سے اور زیادہ خلا ملا اس وجہ سے بھی ہو گیا۔ کہ رُوس نے جرمنی کو گھیرے میں لینے پر رضامندی ظاہر کی۔ یہ سب کچھ آبنائے باسفورس کے حصول کے لئے کر رہا تھا۔ مگر جو قیمت رُوس نے پیش کی اور پیشگی دے دی۔ وہ برطانیہ کی نظر میں نہ جچی۔

جب رُوس نے دیکھا۔ کہ اس طرح کام نہیں بنا۔ تو اسٹریا کو گانٹھا اس نے بوسنیا کے الحاق پر رضامندی ظاہر کی۔ مگر یہ پچر بھی لگا دی کہ بلگیریا اور رُومانیہ کا بھی آبنائے پر حق ہو گا۔ اب رُوس نے ریاستہائے بلقان کو بھڑکایا۔ غرض یہ تھی کہ جب حکومت ترکیہ ختم ہو جائے گی۔ تو انگلستان اور فرانس خود بخود رُوس کا مطالبہ تسلیم کر لیں گے۔

سلاوی اتحاد اب سلاوی اتحاد (PAN SLAVIST) کی تحریک شروع ہو گئی۔ جس کی عنانِ قیادت رُوس کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی زد براہِ راست اسٹریا اور ہنگری پر بھی پڑتی تھی۔ اس

لئے کہ سربیا کا اکثر حصّہ اس کی مملکت میں تھا۔

رُوس نے اسی سال ایک خفیہ معاہدہ بلگیریا سے بھی کیا۔ جس کی پانچویں دفعہ یہ تھی۔ کہ رُوس بلقانی ریاستوں کو جرمنی۔ اسٹریا اور ہنگری کے خلاف جدوجہد آزادی میں ہر ممکن امداد دے گا۔

۱۹۱۲ء میں ایک اور خفیہ معاہدہ بلگیریا اور سربیا سے رُوس نے ترکی کے خلاف کیا۔ اس کی اطلاع فرانس کے صدر پانیکارہ (POINCARE) کو بھی دی۔ مگر رازداری کی تاکید بھی کر دی۔

ترکی کو رُوس۔ اٹلی اور ریاستہائے بلقان نے یقین دلایا کہ وہ سب امن پسند ہیں۔ اور ان کا کوئی ارادہ نہیں۔ کہ ترکی کی نئی حکومت کے راستہ میں مشکلات ڈالیں۔ اٹلی نے تو یہاں تک کہہ دیا۔ کہ "اگر ترکی طرابلس خود بخود پیش کرے۔ تو بھی اٹلی انکار کر دے گا"

ادھر یمن میں کچھ شورش تھی۔ ترکی نے اپنی فوجی جمعیت طرابلس سے یمن میں منتقل کر دی۔ جب اٹلی نے میدان خالی دیکھا، تو طرابلس پر قبضہ کر لیا۔

اب ترکوں کی بھی آنکھیں کھلیں۔ اور سمجھ لیا کہ وہ منصوبہ جو دولِ یورپ ترکی مقبوضات کے بارے میں باندھ چکے ہیں۔ بروئے کار آرہا ہے۔ اور اس پر عام حملہ ہر طرف سے ہونے والا ہے۔ از خلافت اسلامیہ"

فرانس میں ۱۹۱۳ء میں علی رضا پاشا کی سرکردگی میں حکومتِ ترکیہ نے ایک فوجی مشن فرانس میں اس غرض سے بھیجا۔

تاکہ وہاں کی سالانہ مصنوعی جنگ میں شمولیت کرے۔ کمال نے پہلی بار یورپ کی جدید قسم کی فوج دیکھی اور ان کی تربیت کے طریقے اُن کے ساتھ شامل ہو کر اُس نے بغور دیکھے۔

مصنوعی جنگ کے شروع ہونے سے قبل اُس منصوبے کو نقشہ اور سینڈ ماڈل (SAND MODEL) پر دُہرایا گیا۔ تاکہ سب افسر تربیت کے مقاصد اور دفاعی اصولوں کو سمجھ لیں۔ اسی نظریہ کے تحت تمام افسروں کو کئی ٹولیوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔

مصنوعی جنگ شروع کرنے سے قبل اور دورانِ جنگ میں تربیت دینے والا اُستاد جو کہ اعلیٰ رُتبہ کا فرانسیسی افسر تھا۔ مختلف گروہوں سے سوالات کرتا تھا۔ مثلاً :۔ "تمہاری رائے میں اب دُشمن کون سی چال چلے گا۔ اور تم اُسے کہاں پر نمودار ہو کر لڑائی کے لئے تیار پاؤ گے وغیرہ"

کمال کی دفاعی قابلیت کا اعتراف

باقی ترکی افسر ایک طرف ہوتے اور عموماً مصطفےٰ کمال کی رائے اُن کے متضاد یا کم از کم مختلف ضرور ہوتی تھی جب دشمن کی فوج نقل و حرکت کرتی۔ تو ہمیشہ مصطفےٰ کمال کی رائے دُرست نکلتی۔ کیونکہ دُشمن کی فوج کا سپہ سالار وہی کرتا، جو کہ مصطفےٰ کمال نے خیال کیا تھا۔ اس مصنوعی جنگ میں قابلیت دکھانے کا اثر فرانسیسی فوج کے جرنل پر بہت ہوا اور اُس نے رضا علی پاشا سے مصطفےٰ کمال کی دُور بینی۔ روشن خیالی اور قابلیت کا اعتراف

کیا اور اُس نے مصطفےٰ کمال کو مبارکباد دی۔

مصطفےٰ کمال نے اس موقع سے یہ فائدہ اُٹھایا۔ کہ اُس نے فرانسیسی فوج کے نظم و نسق اور طریقۂ تربیت کو اور بھی قریب سے دیکھنے کی اجازت حاصل کرلی۔ یہ اجازت اُسے جب مل گئی۔ تو مصطفےٰ کمال نے اُس سے پُورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ علاوہ ازیں اُس نے پیرس اور اُس کے گرد و نواح کے شہروں کی سیر سے بھی حظ اٹھایا۔ اور یہ بھی دیکھا کہ جمہوری سلطنت کے معنی کیا ہیں۔

کمال فرانس سے بہت مختلف قسم کے گہرے اثرات لے کر جب وطن کو واپس لوٹا۔ تو اُسے وزارتِ جنگ سے خوشخبری ملی کہ اُسے سالونیکا کے فوجی مدرسے کا کمانڈنٹ (مہتمم) مقرر کر دیا گیا ہے۔

اپنے وطن میں

مصطفےٰ کمال کے لئے یہ تقرری نہ صرف باعث فخر تھی۔ بلکہ وہ اسے ایک بہت ہی اہم ذمہ داری سمجھ کر اس مدرسہ کی تنظیم میں ہمہ تن مشغول ہو گیا۔ فرانس کے دورے نے اس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ لہٰذا مصطفےٰ کمال نے اس سکول کی تعلیم کو جدید اصولوں پر مرتب کیا۔ اس کی قابلیت کے جوہر نے طالب علموں کے دلوں پر گہرا اثر کیا۔

فوجی مدرسہ

مصطفےٰ کمال اس مدرسہ کو اور بھی بہتر بنانا چاہتا تھا۔ مگر انجمن اتحاد ترقی کی حکومت سے اُسے جب تعاون حاصل ہوا۔ تو مصطفےٰ نے اعلانیہ نئی حکومت کی کمزوریوں

کو آشکارا کرنا شروع کر دیا۔ مثلاً یہ کہ نئی حکومت اب اپنے ملک کے مفاد کو جرمنی حکومت کی نذر کر رہی ہے۔ کمال جرمنی کے فوجی مشن کے آنے کے خلاف تھا۔ اور اُس نے یہ بار بار کہا۔ کہ جرمنی کی حکومت خود غرض اور حریص ہے وغیرہ وغیرہ۔

محمود شوکت پاشا کو جب یہ خبریں ملیں۔ تو اُس نے یہ مناسب سمجھا کہ اس باغیانہ خیال کے افسر کو فوجی مدرسہ سے دور کر دیا جائے۔ تاکہ بغاوت کے مرکز سے دُور ہو جائے اور اس طرح سے وہ نئے دوست ہم خیال افسر نہ بنا سکے۔

بن باسی اس خیال کے تحت مصطفےٰ کمال کو اٹھائیسویں پلٹن کی کمان دی گئی۔ یہاں بھی کمال نے اس پلٹن کے سپاہیوں اور افسروں میں نئی رُوح پھونک دی۔ اُس نے اپنے ماتحتوں میں جہاد کا جذبہ پیدا کر دیا اور اُن کو اسلامی مساوات سے آشنا کر دیا۔

کورٹ مارشل مخبروں نے اس واقعے کو باغیانہ رنگ دیا اور حکومت سے سفارش کی۔ کہ ایسے باغی افسر پر کورٹ مارشل کر کے سخت سزا دینی چاہیئے۔ تاکہ اس کی طرف سے ہمیشہ کا خطرہ ٹل جائے۔

وُزارتِ جنگ نے اُس فوج کے پاشا کو حکم دیا۔ کہ کمال کے خلاف تفتیش کر کے اس کا کورٹ مارشل کیا جائے۔ تفتیش تو ہوئی۔

مگر مصطفےٰ کے خلاف جب کوئی جرم ثابت نہ ہوا۔ تو وزارتِ جنگ بہت پریشان ہوگئی۔ اُن کی سمجھ میں اس بات کے سوا کچھ نہ آیا۔ کہ کمال کو وزارت جنگ کے سٹاف میں متعین کر دیا جائے۔ اس طرح کمال استنبول میں رہ کر دفتر کی فائلوں میں غرق ہو جائے گا اور اس جگہ اُس کی نقل و حرکت پر نگرانی آسان ہوگی۔ علاوہ ازیں وہ جرمن مشن سے ملنے کے بعد اُن کی قابلیت سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے گا اور بہت ممکن ہے۔ کہ کمال اُن کی پارٹی کا ایک مفید رکن بن جائے۔

استنبول میں

مصطفےٰ نے استنبول میں رہ کر جرمنی مشن کو قریب سے جب دیکھا۔ تو اُس نے یہ محسوس کیا۔ کہ حکومت ترکیہ کے حکام سے جرمن افسروں کا سلوک تحکمانہ ہے اور وہ ہر موقع پر جرمن قوم کو برتر منوانے میں نہ چوکتے تھے۔ ترکی حکام جرمن فوجی مشن سے ڈرتے تھے اور ان کی خوشامد کرتے تھے۔ ان مشاہدات نے مصطفےٰ کمال کو جرمنوں سے اور بھی متنفر کر دیا۔ کمال جرمن افسروں کی رعونت پسندی کا ذکر اپنے ہمعصروں سے جب کرتا تھا تو وہ جرمنوں کی پسِ پُشت تو اُن پر لعنتیں بھیجتے۔ اور ان کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ مگر اُن کے سامنے جرمن افسروں کی چاپلوسی کرتے اور اپنی غلامانہ ذہنیت کا اظہار کرتے تھے۔ مصطفےٰ کمال کو سب سے بڑا رنج یہ تھا۔ کہ ترکی کے ہر معاملے میں جرمنوں کا دخل ہے۔ اور ہر چیز

پر اُن کا اختیار ہے۔

بغلی گھونسہ اٹلی حکومت، ترکیہ کو اپنی دوستی کا یقین دلاتی رہی اور جب خلیفہ کا ولیعہد روما میں سیاحت کے لئے گیا۔ تو اُس کا نہایت شاندار استقبال کر کے حکومت روما نے ترکوں کو اور بھی اپنی دوستی کا یقین دلا دیا۔

یہی نہیں۔ بلکہ ۹ جولائی ۱۹۱۱ء کو حکومت اٹلی نے یہاں تک اپنے اعلان میں کہہ دیا۔ کہ روما کی حکومت افریقہ میں ترکی املاک کی سلامتی پر عامل رہے گی۔

طرابلس پر حملہ مگر ۲۶ ستمبر ۱۹۱۱ء کو روما کی حکومت نے اچانک طرابلس پر حملہ کر دیا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی۔ کہ طرابلس کا علاقہ ترکی افواج سے خالی تھا۔ اور اٹلی کی حکومت کے لئے اپنی طمع کو پورا کرنے کا بہترین موقع تھا خصوصاً جبکہ روما کو اس بات پر یقین تھا۔ کہ ترکیہ حکومت کے دوست اُس کی مدد نہ کریں گے ترکی کے باشندے غضبناک ہو گئے۔ انور پاشا اور فتحی بے یورپ سے بہت مشکلات کا سامنا کر کے طرابلس پہنچ جاتے ہیں۔ مصطفےٰ اناطولیہ سے شام گیا اور وہاں سے مصر گیا۔ یہاں پہنچنے پر اُسے معلوم ہوا۔ کہ انگریزوں نے مجاہدوں کے لئے طرابلس جانے کا راستہ بند کر دیا تھا۔ مگر مصطفےٰ دوسرے مجاہدین کے ساتھ بھیس بدل کر گھوڑوں پر سوار ہوا اور صحرا میں سے چکر کاٹ کر مصر کی حدود سے باہر نکل گیا۔

اور طرابلس کے محاذ پر پہنچ گیا۔

طرابلس کے میدان جنگ میں

اٹلی کے لشکر کے مقابل میں عرب فوج تھی۔ گو کہ اس اسلامی لشکر کے پاس بہت ہی دقیانوسی قسم کے ہتھیار تھے۔ مگر چونکہ اُن میں مجاہدین کا جذبہ تھا۔ اور ان کے افسر وہ ترکی افسر تھے جو فی سبیل اللہ جنگ کر رہے تھے۔ اس لئے اٹلی نے یہاں اپنی بہترین مسلح فوج بھیجی تھی۔ جو کہ تعداد میں عربی فوج سے کئی گنا زیادہ تھی۔ اور ان کی امداد کے لئے چونکہ روما کا بہت زبردست بحری بیڑہ بھی تھا۔ اس لئے اُن کے پاس رسد۔ اسلحہ اور کمک با افراط تھی۔ لیکن یہ اٹلی کی فوج سال بھر کے وقفے میں سمندر کے ساحل سے چند فرلانگ بھی آگے نہ بڑھ سکی۔ سید سنوسی کے مجاہدین نے اٹلی کے لشکر کے دانت کھٹے کر دیئے۔

عرب مجاہدین مختلف مقامات پر اٹلی کے فوجی دستوں پر اچانک حملہ کر کے صحرا میں اس طرح غائب ہو جاتے۔ کہ اٹلی کی فوج ان کی گرد کو بھی نہ دیکھ پاتی۔

اہل یورپ کے لئے یہ بات بہت ہی باعث شرم تھی۔ لہٰذا انہوں نے اکتوبر ۱۹۱۲ء میں بلقان میں بغاوت کی آگ بھڑکا دی۔ اور بلقانی فوجیں اچانک ترکی حکومت کے دارالخلافہ کی طرف یلغار کرتی ہوئی چلی گئیں۔

بلقان کی جنگ

مصطفےٰ یورپ کے راستے سے اپنے وطن کی

سمت لوٹا۔ انور اور سید سنوسی ایک جرمن آبدوز کشتی کے ذریعے سے استنبول لوٹ آئے۔

بلقانی فوجوں نے آسانی سے مقدونیہ کا بیشتر حصّہ جیت لیا۔ مناستر اُن کے قبضہ میں آگیا اور جب وہ سالونیکا میں داخل ہو گئے۔ تو دولِ یورپ نے معاہدہ برلن ۱۸۷۸ء کی رُو سے مداخلت کی۔

ترکی حکومت کے سامنے دولِ یورپ نے نہایت شرمناک عہد نامہ پیش کیا۔ پھر بھی ترکی کے وزیر اعظم کامل پاشا (صدر الاعظم) نے ترکی وُزرا کو اس ذلیل عہد نامے کو تسلیم کرنے کا مشورہ دیا۔

انور اور عہد نامہ عین اس وقت جبکہ ترکی وُزرا اس عہد نامے پر دستخط کرنے کو تیار تھے۔ انور پاشا طرابلس سے لوٹ کر ایوانِ مجلس میں پہنچ گیا۔ ایوان پر سخت پہرہ تھا اور ناظم پاشا اس محافظ دستے کا سالار تھا۔

انور پاشا نے جب ایوان میں داخل ہونا چاہا۔ تو ناظم پاشا نے اُسے روکا۔ اس پر انور پاشا نے اُسے پستول کی گولی مار کر گرایا۔ گولی کی آواز اور شور و غُل کے باعث تمام وُزرا دہشت زدہ ہو کر بھاگ گئے۔ انور پاشا نے وزارت کے ٹوٹنے کا اعلان کر دیا اور محمود پاشا کو صدر چُن کر خود وزیر جنگ بن گیا۔

انجمن ترقی و اتحاد کا خاتمہ اس نئی وُزارت نے دولِ یورپ کے مجوزہ معاہدے کو نامنظور کر دیا۔

اور جنگ جاری رکھنے کا فیصلہ کر دیا۔

انور کا دفاعی منصوبہ اور کمال کی مخالفت

انور پاشا نے دفاعی منصوبہ تیار کیا۔ جس کی رُو سے پہلے بلقانی دشمن سے ایڈریانوپل حاصل کر کے دشمنوں کو ترکی املاک سے مار کر بھگانا مقصود تھا۔ کمال نے اس منصوبے کی مخالفت اس بنا پر کی۔ کیونکہ یہ منصوبہ دفاعی اُصولوں کے خلاف تھا۔ منصوبہ بیبا کی لئے ضرور تھا۔ مگر وہ صائب نہ تھا۔

تُرکی فوج کا سامنا بلغاری دستوں سے ہوا۔ تو ترکوں کی فوج نے بہت بُزدلی دکھلائی اور تھوڑے مقابلے کے بعد ہی بھاگ نکلی۔ ہر ایک تُرک کی زبان پر یہ سوال تھے۔ یہ کیوں کر ہوا؟ کیا ترک مجاہد لڑنا بھول گئے ہیں؟ کیا ترکوں نے بہادری اور موت سے کھیل جانے کے طریقۂ عمل کو خیرباد کہہ دیا ہے؟

انگریزوں کو یقین تھا کہ ترک بلغاریہ کے مقابلے میں کامیاب ہوگا۔ لیکن جب ترکی افواج کو شکست ہوئی۔ تو وہ حیرت زدہ ہو گئے بلقانی افواج اب اور بھی تیزی سے بڑھتی گئیں۔ حتیٰ کہ تُرکی حکومت کا دارالخلافہ خطرہ میں پڑ گیا۔ لہٰذا دولِ یورپ دوبارہ مصالحت کے لئے میدان میں آگئیں اور اب انہوں نے پہلے سے زیادہ ذلیل اور سخت شرائط پر معاہدہ پیش کیا جسے نئے صدر شرکت پاشا کو اپنی

مرضی کے خلاف منظور کرنا پڑا۔

لندن پیکیٹ کے بعد کا معجزہ | بلقانیوں کو اس قدر لوٹ کی توقع نہ تھی چونکہ یہ مالِ غنیمت اُن کو اچانک مل گیا۔ لہٰذا اُس کی بانٹ میں اُن کا جھگڑا ہو گیا۔ اور بلغاریہ، سربیا اور یونان کے درمیان تعلقات سخت کشیدہ ہو گئے۔ اس کا باعث نئی میزان اور نئے توازن کا وہ متفقہ مطالبہ تھا۔ جو کہ دلِ یورپ نے بلقانیوں پر عائد کیا تھا۔ علاوہ ازیں صلیبیہ جذبات بھی دلِ یورپ میں پھر سے تازہ ہو گئے تھے۔

لندن پیکیٹ | رُوس۔ جرمنی۔ اٹلی۔ فرانس۔ انگلستان اس نئے توازن کو اپنے حق میں چاہتے تھے۔ اس کشمکش میں انگلستان بازی لے گیا۔ کیونکہ مئی ۱۹۱۳ء میں لندن میں اس معاہدہ پر شوکت نے دستخط کر دیے۔ جیسے ہی لندن پیکیٹ پر دستخط ہوئے۔ تو بلقانی اتحادی خوان یغما پر پل پڑے۔ اور جنگ شروع ہو گئی۔

لُوٹ کی بانٹ پر جھگڑا | جرمنوں کے اشارے پر انور پاشا بلغار کرتا ہوا ایڈریانوپل (ADRIANOPLE) پہنچا اور بلا مزاحمت اس شہر پر قابض ہو گیا۔ مصطفےٰ کمال اُس کے ہمراہ تھا۔ انور اب شرعت کے ساتھ آگے بڑھتا گیا اور اُس نے تقریباً سارے کھوئے ہوئے علاقے دوبارہ اپنے قبضہ میں لے لیے۔

آسٹریا رُوس کی شہ پر میدان میں کودنے والا تھا کہ فرانس۔ جرمنی اور

انگلستان نے سے ڈانٹ دیا۔ اس طرح سے رُوس کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ بلقان کی ریاستیں آزاد ہو گئیں۔ ترکی کو گو بہت کاری زخم لگا۔ مگر موت کے مُنہ سے بچ نکلا۔ اور اگست ۱۹۱۳ء میں بخارسٹ (BUCHAREST) میں نیا عہد نامہ مرتب ہوا۔

سوال یہ ہے کہ ترکی فوج نے ایسی بُزدلی کیوں دکھائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کامل پاشا صدر مقرر ہوا۔ تو اُس نے یہ خیال کیا۔ کہ اس کو یہ وقار فوجی افسروں کی مدد سے ملا ہے۔ چنانچہ اُس نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ شوکت پاشا کو یہ حکم دیا۔ کہ جرمن مشن کی مدد سے تُرکی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دے کر منظم کرے۔ اس کام کو سرانجام دینے کے لئے اُس نے ۱۹۱۲ء میں تقریباً اسی ہزار تجربہ کار ترکی سپاہیوں کو برخاست کر دیا۔ یہ سپاہی ترکی حکومت کے سرحدی قلعوں کو سنبھالے بیٹھے تھے۔ جنگجو اور جنگ آزمودہ تھے۔ کامل پاشا نے انجمن ترقی اتحاد کے ارکان کو مذکورہ بالا منصوبہ پر یہ کہہ کر راضی کر لیا۔ کہ اس طرز عمل سے شوکت انور، جمال۔ فتحی بے وغیرہ کا وقار اور زور کم ہو جائے گا۔ ان تجربہ کار سپاہیوں کی جگہ کامل پاشا نے ایک لاکھ نئے رنگروٹ بھرتی کر لئے۔

جب حکومت کے اراکین کو ہر طرف سے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ مثلاً مانٹی نیگرو۔ سربیا، بلغاریہ اور یونان نے پہلے مراعات طلب کیں۔ اور پھر اعلان جنگ کی دھمکی دی۔ تو کامل پاشا نے جو شروع سے برطانیہ کی طرف مائل تھا۔

برطانیہ کے اس اعلان کا "جنگ کی صورت میں لڑائی کا نتیجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مگر ترکی اور بلقان کی ریاستوں میں توازن برابر قائم رہے گا" حوالہ دے کر اپنے وزرا کو یہ کہہ کر تسلی دے دی۔ کہ اس اعلان سے برطانیہ کی مراد یہ ہے کہ وہ جنگ ہونے کی صورت میں ترکی کی مدد کرے گا۔ لیکن بلقانیوں نے جنگ اُس وقت شروع کی۔ جبکہ ترکی کے تجربہ کار پاشا اور بے (جرنل اور بریگیڈیئر) یمن اور طرابلس میں تھے۔ لہٰذا ترکی فوجوں کو ہر محاذ اور میدان پر شکست ہوئی۔

دفاعی منصوبہ میں کمزوری جب انور پاشا اور دیگر ترکی افسر استنبول میں پہنچے۔ تو انہوں نے کامل پاشا کی جگہ شوکت پاشا کو دے دی۔ اور انور نے بلقانی فوجوں پر جوابی حملہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ یہ وہ منصوبہ تھا جس پر مصطفےٰ کمال نے یہ اعتراض کیا تھا کہ وہ دفاعی سیاسی اور فن حرب کے اصولوں کے خلاف تھا۔ کیوں کہ کمال نے انور پاشا سے یہ کہہ دیا تھا۔ کہ دفاعی راز کا افشا ہو گیا۔ چونکہ:-

(ا) اس کے منصوبے کی نقل ترکی کے دشمنوں (یعنی بلقانی فوج) کے پاس ترکی کے غدار دوستوں نے پہلے سے بھیج دی ہے۔ لہٰذا وہ اس کی مدافعت کے لئے تیار ہوں گے۔

ترک اور جہاد (ب) اس کی فوج اب اپنے پرانے لقب "محمدؐ" کی بجائے عثمانی سپاہی کے نام پر نازاں ہے۔ کمال

نے انور پاشا کو خبردار کیا۔ کہ ترک سیاسی جذبہ کے تحت لڑنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ اس لفظ کے معنی سے ہی ناآشنا ہے۔

تجربہ کار لشکری (پ) مصطفےٰ کمال نے انور پاشا سے یہ بھی کہہ دیا۔ کہ وہ اپنے پرانے تجربہ کار سپاہیوں کو جہاد کا واسطہ دے کر جلد از جلد فوج میں واپس بلا لینے کے بعد جوابی حملہ کرنے کا منصوبہ بنائے اور اس وقت تک محض بچاؤ کی جنگ لڑتا رہے انور پاشا نے مصطفےٰ کمال کی بات نہ مانی۔ مگر اس نے کمال سے بحث کرنا یا لڑنا بھی مناسب نہ سمجھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انور پاشا گو دل میں کمال کی رائے کو مان گیا تھا۔ مگر غرور اور کوتاہ اندیشی کے باعث اپنی رائے کو بدلنا اس لئے پسند نہ کیا۔ کہ اس طرز عمل سے انور کی اپنی ہتک ہوگی۔ اور کمال کی قدر و منزلت بڑھ جائے گی۔ اس ضمن میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ شوکت پاشا بھی مصطفےٰ کمال یا ایسے قابل لوگوں کو اقتدار میں لانے کے خلاف تھا۔ کیونکہ (قومی عصبیت) محمد شوکت پاشا عرب نژاد تھا۔ اور وہ جہاں دولِ یورپ میں سے کسی پر اعتماد کرنا خود فروشی سمجھتا تھا۔ وہاں پر اس کا نظریہ یہ بھی تھا۔ کہ جو آزادی ترکی مقبوضات بلقان وغیرہ کو مل رہی ہے۔ وہ ترکی حکومت عربی ریاستوں کو خود بخود دے دے۔ تاکہ ترکوں کا عربوں سے الحاق مضبوط ترین ہو جائے کیونکہ اس کے خیال میں ترکوں اور عربوں کا الحاق کسی یورپ کی طاقت کے الحاق سے بہت ہی زیادہ مفید تر اور

پائیدار رہے۔ مگر نہ تو شوکت پاشا نے اس بات کا اعلان کیا۔ اور نہ ہی اُس پر عمل کرنے کا کوئی منصوبہ بنایا۔ گو اُسے بذاتِ خود اور دیگر تُرکی وُزرا کو یہ خُوب معلوم تھا۔ کہ عربستان میں آزادی کا ولولہ جوش مار رہا ہے۔ لہٰذا اس جوش کو صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے

اتفاقات اور خوش فہمی تُرکی کے کچھ کھوئے ہُوئے علاقے کی واپسی نے انور پاشا کی شخصیت کو بلند ترین بنا دیا۔ تُرکوں کی زبان پر یہ تھا۔ کہ "انور نے دولتِ عثمانیہ کو مرگ سے بچا لیا"

انور پاشا پر جرمنوں کا جادو چل گیا تھا۔ وہ کامل پاشا کی شکست اور ایڈریانوپل کی واپسی میں جرمنوں کا احسان مند بن گیا تھا۔ انور پاشا کو خُوب معلوم تھا۔ کہ شوکت پاشا جرمنوں کے الحاق سے خوش نہیں ہے۔ لہٰذا اُسے ڈر تھا۔ کہ مصطفٰے کمال جیسے لوگوں سے مل کر شوکت پاشا کہیں انور کو سیاسی میدان میں زک نہ دے۔ لہٰذا اُس نے مصطفٰے کمال کو صوفیا میں تُرکی سفارت خانے کا فوجی مشیر مقرر کر کے اپنے خیال میں ایک بلا سے نجات پائی۔ مصطفٰے کمال کا حاکم اعلیٰ فتحی بے تھا۔ جو وہاں کا سفیر تھا۔

کمال صوفیہ میں صوفیا کے سفارت خانے میں اُسے تمام یورپ کے حالات معلوم ہوتے رہتے تھے۔ اسے جب یہ معلوم ہوا۔ کہ یورپ کی سلطنتیں دو پارٹیوں میں تقسیم ہو گئی ہیں یا یُوں

کیجیے۔ کہ جرمن کی حکومت ایک طرف تھی اور باقی یورپ دوسری طرف۔ تو کمال نے اپنے وطن میں حکومت جرمن کے وقار اور دوستی کو الحاق کی صورت میں جب دیکھا۔ تو اُس نے تمام محبانِ وطن کو نہایت زوردار الفاظ میں یہ لکھا۔ کہ "وہ ارکان حکومت کو جرمن حکومت سے معاہدہ کرنے سے روکیں۔ کیونکہ جرمن کی حکومت کے خلاف تمام یورپ جنگ کرنے کی تیاری میں مصروف ہے۔ لہٰذا اس حالت میں ترکی گھن کی طرح گیہوں کے ساتھ چکی میں پس جائے گا۔ اُس نے وزیر اعظم کو بھی لکھا۔ کہ "وہ انگریزوں کا اتحادی نہ بنے"۔ اس کے ساتھ ساتھ اُس نے تمام ارکانِ سلطنت کو انگریزوں کے الحاق سے خبردار کرتے ہوئے اُن کو مشورہ دیا۔ کہ وہ اپنے الحاق کا نعم البدل برطانوی اتحادیوں سے طلب کریں۔

جرمن ڈپلومیسی جرمن سفیر بیرن وان مارشل نے جب مصطفےٰ کی جدوجہد کے متعلق سُنا۔ تو انہوں نے بھی اپنے دوستوں کو اُبھارا۔ کہ وہ برطانیہ اور اُس کے اتحادیوں سے اُن کے ساتھ الحاق کی قیمت طلب کریں۔

شوکت پاشا پر جرمن سفیر کا جادو چل گیا۔ لہٰذا اُس نے برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کے سامنے شوکت سے اس قسم کی شرائط پیش کیں جن کا جواب نفی میں ملنا یقینی تھا۔ مثلاً روسی خطرے کا ازالہ۔ مسئلہ مصر کا حل۔ جزائر عثمانیہ کی واپسی۔ امتیازات کا مٹانا وغیرہ۔ قدرتی طور پر وہاں سے جب ٹکا سا جواب ملا۔ تو جرمن سفیر نے نور پاشا

اور دوسرے افسروں کے کان بھرنے شروع کئے اور اُن کو خبردار کیا کہ حکومتِ برطانیہ نے گذشتہ بیس سال سے دوستی کا دم بھرتے ہوئے ترکی سے کس قدر غدّاریاں کی ہیں۔ اور اس جرمن سفیر نے اپنی چرب زبانی سے برطانیہ کو انجمن اتحاد و ترقی کی بربادی اور انجمن کے اراکین کی آپس میں پھوٹ ڈالنے کا بھی مجرم ٹھہرایا۔

ترکی حکومت اور اُس کے باشندے دو متضاد سیاسی حکومتوں کے جال کی طرف کھنچے چلے جا رہے تھے۔ ان میں ایک اگر جلد ترین بربادی کی طرف لے جا رہا تھا۔ تو دوسرا ترکی کو ایسا زہر ہلاہل دینے کی فکر میں تھا۔ کہ ترکی ضعف و ہلاکت کے باعث ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

جرمن سفیر کی آخری چال یہ تھی۔ کہ اُس نے برطانیہ کو بدعہد اور مکّار ثابت کرنے کی غرض سے شوکت پاشا کو انور پاشا سے یہ خط بھجوایا۔ کہ شوکت برطانوی حکومت سے دو جنگی جہاز جن کی قیمت ترکی حکومت بطور پیشگی اُن کو ادا کر چکی ہے۔ اب ترکی کے سپرد کر دے۔ اس چال میں بھی جرمن سفیر اس لئے بازی لے گیا۔ کیونکہ برطانوی حکومت نے ترکوں کی اس درخواست کا کوئی جواب نہ دیا۔

حالات کا جائزہ مصطفےٰ کمال صوفیا میں بیٹھ کر ان تمام حالات کا صحیح اندازہ لگا رہا تھا۔ لہٰذا جب اس نے یہ دیکھا۔ کہ اُس کے مراسلات کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ تو اس نے اپنے وطن کی واپسی کے لئے درخواست کی۔ اور اس کا جواب نہ ملنے پر

اُس نے بار بار درخواست کو دُہرایا اور آخر کار اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کے لئے درخواست کر دی۔

اُسے ایک دن یہ برقیہ ملا۔ کہ اُسے اُنیسویں رجمنٹ کا کمانڈر (سالار) مقرر کر دیا گیا ہے اور کمال کو یہ کہا گیا تھا۔ کہ جلد ترین اپنے عہدے کو سنبھال لے۔

چھاؤنی آستانہ مصطفےٰ کمال آستانہ چھاؤنی میں آیا اور اپنی رجمنٹ کا پتہ دریافت کیا۔ مگر کسی کو اس رجمنٹ کا پتہ نہ تھا۔ آخر کار اُسے یہ معلوم ہوا کہ اُس کی رجمنٹ کا وجود صرف کاغذوں پر ہے لہٰذا وہ اس رجمنٹ کے لئے سپاہی بھرتی کر کے اُس کو قائم کرے۔

پسمان وان سانڈرس اس تگ و دو کے دوران میں جرمن مشن کے لیڈر جرنل وال سانڈرس نے اُسے بلا بھیجا اور کمال سے یورپ کے سیاسی حالات پوچھے اور وان سانڈرس نے یہ سوال کیا کہ بلغاریہ نے برطانوی اتحادیوں کا ساتھ کیوں دیا ہے اور کیا یہ حکومت بلغاریہ کی سراسر حماقت نہیں ہے۔ تو مصطفےٰ کمال نے نہایت سنجیدگی سے یہ کہا۔ بلغاریہ اپنے آپ کو ایسی حکومت کا معاون نہیں بنانا چاہتا۔ جو کہ جنگ کو کبھی جیت نہ سکے گی۔

جرنل سانڈرس نے مصطفےٰ کمال سے اس معاملے میں اُس کی اپنی ذاتی رائے پوچھی۔ تو کمال نے متانت و سادگی سے یہ جواب

دیا۔ کہ وہ اہلِ بلغاریہ کی رائے سے اتفاق کرتا ہے۔

دانا دشمن | پسمان دان سانڈرس نے مصطفےٰ سے بہت لمبی گفتگو کی جس سے اُس نے اس نوجوان ترک کی قابلیت کا صحیح اندازہ لگا لیا۔ کیونکہ سانڈرس دانا دشمن کی اہمیت خُوب سمجھتا تھا۔ اس جرمن جرنل نے کمال کی عزت کی۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اپنے وطن کی خاطر کمال اپنی تمام کوشش رائے عامہ کے ساتھ لگا دے گا۔ اس لئے جرمن کے مفاد کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔

رائے عامہ:۔ رائے عامہ درحقیقت انورپاشا کی پارٹی کی رائے تھی۔ اور یہ رائے جرمن حکومت کے موافق تھی۔ یعنی ترکی جرمنی کا اتحادی بن جائے۔

آخرکار جرمن کے سفارت خانے کے اراکین نے ترکی حکومت کو جنگ کی آگ میں جس عیاری سے دھکیل دیا۔ وہ کامیاب ڈپلومیسی کی زندہ مثال ہے۔

مصطفےٰ گیلی پولی میں جاکر اپنی رجمنٹ کو تنظیم دینے اور نئے سپاہیوں اور افسروں کو تربیت دینے میں مشغول ہوگیا۔ تاکہ آنے والے خطرے کے لئے کم از کم اپنی رجمنٹ کو ترکی کا قابلِ فخر فوجی دستہ بنا دے۔

تُرکی کی زندگی اور موت سے کشمکش

۲۰ جولائی ۱۹۱۴ء میں تُرکی نے جرمن کے ساتھ رُوس سے بچاؤ کے لئے خفیہ معاہدہ پر دستخط کئے۔ تُرکی پر کم از کم دس برس سے مسلسل گہرے زخم لگائے جا رہے تھے اور اس کا زخم خوردہ جسم ناتوانی کی حالت میں تھا۔ اُس کے زخم رفتہ رفتہ گہرے ناسور بن چکے تھے۔

تُرکی کی سیاسی اُلجھنیں

"رُوس"۔ تُرکی کو رُوس کے حملہ کا خطرہ لاحق تھا۔ کیونکہ وہ پہلے بھی کئی بار تُرکی کو ختم کرنے کی کوشش کر چکا تھا۔ بلقان میں آگ لگانے کا موجد وہی تھا۔ یُونان۔ جرمنی۔ برطانیہ:۔ یُونان تُرکی کا بدترین دشمن تھا۔ بظاہر جرمنی تُرکی سے دوستی کا رشتہ مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ مگر حکومت برطانیہ نے ایک عجیب سا رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ نمائشی طور پر تو برطانیہ گذشتہ دس برس سے تُرکی کی مدد کر رہا تھا۔ لہٰذا تُرکی بھی برطانیہ بنا کر رکھنا چاہتا تھا اسکے ساتھ ساتھ وہ جرمنی کی کھوکھلی امداد کے وعدہ کو بھی ٹھکرانا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ تُرکی کو خوب معلوم تھا کہ برطانیہ خفیہ طور سے یونان کے بکری بیڑے کو طاقتور بنا رہا تھا۔

عالمگیر جنگ اور ترک:۔ آغاز ۱۹۱۴ء میں یورپ میں عالمگیر جنگ کا شور گرم تھا۔ ترکی کے وزرا حیران تھے کہ جرمنی کے اتحادی صلحنامہ کو برقرار رکھا جائے یا نہ۔ ترک لڑتے لڑتے اس قدر ہلکان ہو چکا تھا کہ اب یہ لڑائی کے نام سے بھی بیزار تھا۔ اسی وجہ سے جب ماہ اگست ۱۹۱۴ء کا سمج طلوع ہوا۔ تو ترکی نے روس سے اتحادی صلحنامہ کے لئے تجویز پیش کی مگر روس نے اس دوستی کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لینے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ درہ دانیال پر قبضہ کر کے بحیرہ وسط پر قابض ہونا چاہتا تھا۔

ترکی عجیب کش مکش میں مبتلا تھا۔ روس کا ترکی کے خلاف غاصبانہ دھیرہ اور روس کی برطانیہ سے دوستی۔ ان باتوں نے ترکی کو بے حد پریشان کر رکھا تھا۔

ترکی کے جہاز:۔ ترکی کے باشندوں نے چندہ کر کے برطانیہ سے دو جدید قسم کے جہاز خریدنے کے لئے روپیہ بھیجا ہوا تھا۔ اس چندہ کی ادائی میں دنیا بھر کے مسلمانوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ یعنی یہ تمام اسلامی غریب دنیا کی گاڑھے خون پسینے کی کمائی کا پیسہ تھا۔ ترکی اس وجہ سے برطانیہ کے اشاروں پر ناچ رہا تھا۔ کہ کسی طرح یہ دو جدید جہاز اُن کو مل جائیں۔ تاکہ وہ کم از کم یونانی بیڑے کا بوقت ضرورت مقابلہ کر سکے مگر حکومت برطانیہ ان جہازوں کو دینے میں پس و پیش کر رہی تھی۔ دراصل اس کا ارادہ ترکی کو جہاز دینے کا تھا ہی نہیں اور ایسا ہی ہوا۔

برطانیہ کا انکار:۔ ۳ر اگست کے دن ترکی کو حکومت برطانیہ

کا یہ کہنا کہ وہ یہ جدید قسم کے جہاز ترکی کو نہیں دے گی۔ اس خبر نے ترکی کے باشندوں کے دل میں غیظ و غضب کی لہر دوڑا دی۔

جرمن حکومت کا تحفہ

انہی ایام میں جرمنی نے دو جنگی جہاز گوبن اور برسلاؤ نہایت ہی ہوشیاری سے بحیرۂ وسطیٰ میں سے نکال کر درۂ دانیال میں پہنچا دئے۔ ۱۰ اگست کو جرمنی کی دفاعی مشن کا لیڈر کرنل وان کریپس وزیر دفاع غازی انور پاشا سے ملا۔ اور اُن سے ان دونوں جہازوں کے لئے درۂ دانیال میں داخلے کی اجازت طلب کی۔ اس پر غازی انور نے کہا۔ یہ ایسا سوال ہے جس کے لئے وزیر اعظم کی اجازت کی ضرورت ہے۔

کرنل وان کریپس بہت مؤثر گفتگو کرنے والوں میں سے تھا۔ اور اُس نے غازی انور کو یہ یقین دلایا۔ کہ اس اجازت کو دینے میں اُن کو لمحہ بھر بھی دیر نہ کرنی چاہیئے۔ آخر کار غازی انور نے ان جہازوں کے آنے کی اجازت دے دی۔

اس اجازت کے چند لمحوں بعد کرنل کریپس نے نہایت عیاری سے غازی انور سے یہ سوال کیا۔ کہ اگر برطانیہ کا بیڑہ ان جہازوں کے تعاقب میں درۂ دانیال میں داخل ہونے کی کوشش کرے۔ تو اس وقت کیا کیا جائے

غازی انور نے جواب دیا۔ کہ اس بات کا فیصلہ صرف مجلس وزراء کر سکتی ہے کہ برطانوی بیڑے کو داخل ہونے سے روکا جائے یا نہیں۔

کرنل وان کرپس کی سیاسی فتح:۔ اس پر کرنل وان کرپس نے غازی انور کو نہایت حکمت عملی سے یہ یقین دلایا۔ کہ حضور ہم ایسے خطرناک حالات میں اپنے ماتحتوں کو بلا کسی حکم کے نہیں چھوڑ سکتے۔ خصوصاً جبکہ یہ جہاز ہماری حکومت نے نہایت ہی پُرخطر راستہ عبور کرکے آپ کی مدد کے لئے بھیجے ہیں۔ تاکہ رُوسی بحری بیڑہ تُرکی کو پریشان نہ کرے۔

اس کے جواب میں غازی انور نے کرنل وان کرپس سے کہا۔ کہ اس صُورت میں جرمنی کے جہازوں کو برطانوی بحری جنگی جہازوں پر حملہ کرنے اور برطانوی بیڑے کو داخل ہونے سے روکنے کا حق حاصل ہوگا۔

جرمنی کے نہایت مُدبّر سفیر وان ہیبر سیٹن نے یہ دونوں جہاز کاغذی کارروائی سے تُرکی کے ہاتھ فروخت کرکے برطانیہ کے اس عُذر کا (کہ تُرکی نے برطانیہ کے دُشمن کو پناہ دے کر بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کی ہے) مُنہ توڑ جواب دیا۔

ترک اور جرمن ترکی کے باشندوں میں خُوشی کی لہر دوڑ گئی۔ غازی انور کی اس سیاسی چال کو بہت سراہا گیا اور وہ لوگ بھی جو انور کے بہت مخالف تھے۔ اب خاموش ہوگئے۔

برطانیہ کی ڈپلومیسی برطانیہ کی حکومت کو تُرکی کی اس بات سے مطمئن نہ تھی۔ مگر ابھی تک برطانیہ کو اس بات کا خدشہ تھا۔ کہ تُرکی کے خلاف خواہ مخواہ جنگ کرنے سے

دُنیا کے مسلمان اس سے ناراض ہو جائیں گے۔ اور سلطنتِ برطانیہ کی مسلمان رعایا بھی بددل ہو جائے گی اور بہت ممکن ہے۔ کہ وہ برطانیہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو جائے۔

علاوہ ازیں برطانیہ ابھی جنگ کے لئے پُوری طرح سے تیار نہ تھا۔ اور عجلت کے باعث اپنی وسیع سلطنت کے نظام میں جو کہ دُنیا کے ہر کونہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ رخنہ اندازی کے امکانات کو بھی بند کر دینا چاہتا تھا۔ ابھی اُس کی پراپیگنڈہ کی مشین پُوری طرح سے کام کر کے مسلمان ملکوں کے بااثر لوگوں اور بیشتر علماء کو روپیہ کی مدد سے پوری طرح خریدنے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی۔

بیسویں صدی اور عظمتِ خلافت

ترکی کے بادشاہ کا خلیفۃ المسلمین ہونا

اور اُس کے ہاتھ میں آلۂ اعلانِ جہاد نے حکومتِ برطانیہ کو پریشان کر رکھا تھا۔ لہٰذا حکومتِ برطانیہ نے اس کو نہ صرف کند کرنے ——— بلکہ ——— ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ یہی وہ ذہنی آلہ تھا جس کی مدد سے مسلمان تمام دُنیا پر حاوی ہو گئے تھے مگر اب مسلمانوں کے ہاتھ اس قدر کمزور ہو گئے تھے۔ کہ وہ اس آلہ کو اپنی حفاظت کے لئے استعمال کرنا تو درکنار اُٹھانے کے قابل بھی نہ سمجھتے تھے

ترک اور سیاست

سیاسی وسیع النظری ترکوں کی حکومت میں عنقا تھی۔ دفاعی سیاست سے ترکی امراء

آرام طلبی کے باعث محروم ہو چکے تھے۔ البتہ غریب ترک ابھی تک مردِ مجاہد تھا اور وہی ایسا فرد تھا۔ جو کہ اس زخمی ڈھانچے کے بچاؤ کے لئے ڈھال کا کام کر رہا تھا۔

جرمنی اپنی ہوشیاری سے ترکی حکومت کو ایسے حالات میں پھنسا رہا تھا۔ کہ آئندہ چل کر ترکی چار و ناچار اس کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہو جائے۔ جرمن سفیر بیرن وان بیبرسٹین (BARONVON BIEBERSTIEN) تقریباً پندرہ برس سے ترکی میں تھا۔ اُسے ترکی سپاہی کی قدر و منزلت خوب معلوم تھی۔ لہٰذا اُس نے نہایت دُور اندیشی سے ایسی چال چلی۔ کہ برطانوی حربی مشن (MILITARY MISSION) کی جگہ وہ جرمنی کے فنونِ حرب کے ماہرین ترکی میں لے آیا۔ تاکہ اس طرح سے اس زبردست ترکی دفاعی مشین کو اپنے ڈرائیوروں سے اپنی مرضی کے مطابق چلا سکے۔

جرمن ملٹری مشن چند ہی ہفتوں میں برطانوی بحری مشن کو ترکی حکومت نے واپس بھیج دیا اور انگریزی امیرالبحر کی جگہ اب ایک جرمن افسر بحری بیڑے کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ اسکے ذریعہ بتدریج جرمنی کے بہت سے اور افسر ترکی میں آ گئے۔ حکومت برطانیہ نے یہ سب کچھ عبرت سے دیکھا اور یہ اُن کی سیاسی وسیع النظری تھی۔ مگر ترکی نے غلط فہمی سے اسے برطانیہ کی کمزوری سمجھا اور نتیجتہً وہ کھلم کھلا جرمنی کے اشاروں پر ناچنے لگا۔ جو کہ

ترکوں کو برطانیہ سے لڑانا چاہتا تھا۔ لہٰذا ترکی فوج نے مہر سویز کے علاقے میں برطانوی فوج پر بار بار حملے کرنے شروع کئے۔

ترکی میں مقیم جرمن افسروں کے مشن کا یہ خیال تھا۔ کہ ان حملوں کے باعث ترکی اور برطانیہ میں اعلانِ جنگ ہو جائے گا۔ مگر جب ایسا نہ ہوا۔ تو جرمنی نے ایک اور چال چلی

نئی چال جرمنی کے بحری ترکی مشن کے کمانڈر نے اپنی حکمت عملی سے غازی انور کو اس بات پر راضی کر لیا۔ کہ ترکی کے نئے جہاز (جو جرمنی نے دیئے تھے) روس کے قلعوں کے خلاف مظاہرہ کر کے روس کو اپنی طاقت سے مرعوب کریں۔

اس حملے کے متعلق ایک روایت مشہور ہے۔ جس کا راوی لارڈ ڈی ایبرنن ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ بحیرہ اسود کے ساحل پر روسی قلعے تھے جن میں اوڈیسا (Odessa) مشہور تھا ان پر حملہ کرنے کی اجازت کا حکم ترکی وزارت نے جرمن سفیر کے دفتر میں سربمہر جرمنی مشن کے کمانڈر کے پاس بھیجا تاکہ ترکی کا امیر البحر اس پر عمل کرے۔ جرمنی کے سفارت خانے والوں نے اس خط کو کھول کر اصل خط تو اپنے پاس رکھ لیا اور اس کی نقل امیر البحر کو بھیج دی۔

امیر البحر کا جھنڈا گویبن جہاز پر تھا۔ ان ترکی جہازوں نے جب مختلف روسی بندرگاہوں پر گولہ باری کی۔ تو روسی حکومت نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔

ترکی حکومت کو اس اثنا میں یہ خبر ملی۔ کہ گوبین جہاز اوڈیسیا کے قلعے کی توپوں کی گولہ باری کے باعث ڈوب گیا ہے۔ لہٰذا وزیر اعظم (ترکی) نے یہ سمجھا۔ کہ یقیناً اُس کا حکم نامہ بھی جہاز کے ساتھ سمندر کی تہ میں پہنچ چکا ہے۔ اس لئے ترکی کے وزیر اعظم نے رُوسی حکومت کو یہ لکھا۔ کہ "ان جہازوں نے بلا حکم ایسی حرکت کی ہے۔"

مگر جرمنی یہ چاہتا تھا۔ کہ اگر برطانیہ ترکی کے خلاف اعلانِ جنگ نہیں کرتا۔ تو روس ہی کے ہاتھ سے جو کہ برطانیہ کا اتحادی اور معاون تھا۔ اعلانِ جنگ کرایا جائے۔ لہٰذا جرمنی کے سفیر نے ترکی کے وزیر اعظم کو یہ لکھا۔ کہ حضور عالی آپ اس حکم کے جاری کرنے سے انکار نہ کریں۔ کیوں کہ ترکی کے امیر البحر کو محض اس حکم نامے کی نقل دی گئی تھی۔ اصلی حکم نامہ تو درحقیقت ہمارے سفارت خانے میں محفوظ ہے۔ لہٰذا جرمنی اپنی چال چلنے میں کامیاب ہو گیا۔

اعلانِ جنگ اب ترکی کے وزیر اعظم کے لئے کوئی چارہ باقی نہ رہا۔ کہ وہ کھلم کھلا اتحادیوں کے خلاف میدانِ جنگ میں آئے۔ اس طرح سے جرمنی نے اپنی فوج کے بہترین سپاہی رُوس کے خلاف میدانِ جنگ میں بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ لہٰذا اس طرح جرمنی نے ترکی کے کندھے پر سے رُوس کے خلاف بندوق چلائی

تُرکی اور جنگی تیاریاں

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ترکی ابھی گذشتہ دس سال کی لڑائیوں کے باعث بالکل نڈھال ہو چکا تھا۔ لہٰذا وہ درہ دانیال کے حفاظتی قلعے نہ صرف بہت ہی پرانے اور دقیانوسی تھے۔ بلکہ وہ ملک کی حفاظت کرنے کے قابل ہی نہ تھے۔

علاوہ ازیں ترکی حکومت کے پاس گولہ بارود بنانے کی صرف دو فیکٹریاں تھیں اور وہ دونوں ساحل کے کنارے پر تھیں جہاں کہ وہ دشمن کے بحری بیڑے کے گولوں کی زد میں تھیں۔ اس لئے موجودہ صورت میں ان کا بچاؤ نہایت ہی مشکل تھا۔ مگر ترکی کی یہ خوش قسمتی تھی۔ کہ نہ تو رُوس نے اور نہ ہی برطانیہ یا فرانس نے درۂ دانیال میں گھس کر ان فیکٹریوں کو تباہ کیا اور نہ ہی درۂ دانیال پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔

برطانوی اتحادیوں کا کھویا ہوا موقع

یہ ایسا معمہ ہے جسے ہم اتحادیوں کے لئے نہایت ہی اہم مگر کھویا ہوا موقع کہہ سکتے ہیں۔ یا یوں کہیئے کہ اللہ تعالےٰ کو یہ منظور نہ تھا۔ کہ ترکی کی اسلامی حکومت ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔ بہرحال یہ ترکی کی خوش قسمتی تھی۔ کہ رُوس اور برطانیہ نے دفاعی سیاست کے لحاظ سے اتنی بڑی کوتاہ نظری سے کام لیا۔

برطانیہ نے ایک اور غلطی کی۔ کہ ۳ نومبر ۱۹۱۴ء کو درّہ دانیال

کے بیرونی قلعوں پر گولہ باری کر کے ترکی کو خواب غفلت سے جگانے کی کوشش کی اور اس تازیانے کا اثر یہ ہوا۔ کہ جرمنی کے امیر البحر کے اکسانے پر ترکوں نے درہ دانیال کی حفاظت کو مضبوط بنانے کے لئے کچھ ہاتھ پاؤں ہلائے۔

انہی ایام میں ایک برطانوی غوطہ خور کشتی نے نہایت بے باکی سے درہ دانیال کے دہانے میں داخل ہو کر ایک ترکی جہاز کو ڈبویا۔ اس سانحہ نے ترکی کی ہمت کو دوبارہ پست کر دیا اور ترکی حکام کچھ خوف اور کچھ بیچارگی کے عالم میں ایسے کھو گئے کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔

برطانیہ کی غلط فہمی اُدھر برطانوی دفاعی مبصروں نے یہ خیال کیا۔ کہ ان چرکوں کے باعث ترکی حکومت ضرور بیدار ہو گئی ہو گی۔ لہٰذا اگر چند جہازوں سے دوبارہ درہ دانیال میں داخل ہو کر حملہ کرنا خطرناک ہو گا۔ دونوں جگہ وہ عالم تھا جو ایک گھر میں ہو سکتا ہے۔ جبکہ چور تو گھر والوں کی بیداری سے خوف زدہ چھپا بیٹھا ہو۔ ادھر گھر والے چور کے حملہ کے ڈر سے اپنی جگہ ہراساں اور پریشاں ہوں۔

مگر جرمنی کے دفاعی ماہرین جو ترکی میں تھے۔ ترکی حکام کی برابر ہمت بڑھا کر ان کو درہ دانیال کی حفاظت کے لئے آمادہ کر رہے تھے۔ [illegible] یہ سوال ہے۔ کہ برطانیہ نے ترکی کے لئے

جو جنگی جہاز بنا رہے تھے۔ اُن کو ترکوں کے حوالے کیوں نہ کیا جبکہ ان کو مسلم رعایا کے بگڑنے کا خوف تھا۔ اُس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ عالمگیر جنگ کے آغاز کے وقت جرمنی کی بحری طاقت کافی زبردست تھی۔ لہٰذا برطانیہ اپنی بحری طاقت کو زیادہ سے زیادہ طاقتور بنانا چاہتا تھا؛ ساتھ ساتھ برطانیہ دراصل کئی سالوں سے ترکی کو تباہ کرنے کی ٹھان چکا تھا اور دوستی کے پردے میں وہ اپنے منصوبے کو آسانی سے سرانجام دینا چاہتا تھا۔

علاوہ ازیں جہاں حکومت برطانیہ امیرالبحر لیمپسن (LIMPUS) کو ایک دفاعی مشن کا سربراہ بنا کر ترکی کے بحری بیڑے کو بظاہر مضبوط بنا رہا تھا۔ وہاں وہ ترکی کے سب سے بڑے دشمن یونان کو ترکی سے زیادہ طاقتور بنا رہا تھا۔ اس کام کو سرانجام دینے کے لئے انہوں نے امیرالبحر مارک کیر (MARK KERR) کو یونانی جنگی بحری بیڑے کا سپہ سالار بنا کر بھیجا ہوا تھا۔

'مارک کر' یونان کے بادشاہ کانسٹن ٹائن (CONSTANTINE) کا بہت رفیق تھا اور اب چونکہ یونان کا بحری بیڑہ ترکی سے زیادہ زبردست بن گیا تھا۔ لہٰذا اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ترکی یہ جدید قسم کے لڑاکا بحری جہاز برطانیہ سے خرید رہا تھا۔

حکومت یونان کا خواب یونان نے تقریباً ساٹھ ہزار فوج سے ترکی پر حملہ کرنے کا دفاعی منصوبہ

بنایا ہوا تھا۔ اور یونان کا بادشاہ روس اور برطانیہ سے اس کے متعلق ساز باز کر رہا تھا۔

یونانی اور برطانوی مفاد کا تصادم

حکومت برطانیہ کے وزیر دفاع لارڈ کچنیر کا دفاعی منصوبہ یہ تھا۔ کہ صبر و استقلال کے ساتھ اس وقت تک بچاؤ کی لڑائی لڑنا ہے۔ جب تک کہ مصر۔ نہر سویز اور اپنی تمام رعایا کو مرعوب کرنے کا برطانیہ پورا پورا انتظام نہ کر لیوے۔

یونان کا ترکی کے خلاف دفاعی منصوبہ کارگر اور موزوں تھا مگر روس یہ نہیں چاہتا تھا۔ کہ درۂ دانیال ترکوں کے ہاتھ سے نکل کر یونان کے ہاتھوں میں چلا جائے۔ کیونکہ وہ یہ خوب سمجھتا تھا۔ کہ ترکی کے خلاف روس کی جارحانہ کاروائی پر چشم پوشی کرے گا مگر یونان کے خلاف کاروائی کی صورت میں باقی یورپ روس کے خلاف ہو جائیگا۔ آپس کی اس بداعتمادی کے باعث ترکی کو اور وقت مل گیا۔ جس میں وہ اپنی دفاعی تیاری کچھ نہ کچھ بہتر بنا سکا۔

ترکی کے اقانیم ثلاثہ

ترکی کی حکومت کی باگ ڈور درحقیقت تین اشخاص کے ہاتھ میں تھی اور وہ غازی انور پاشا، جمال پاشا اور طلعت پاشا تھے۔ یہ تینوں ملک کے خیر خواہ۔ دلیر۔ بے باک اور سمجھدار اشخاص سمجھے جاتے تھے۔ ان کا دفاع کے محکمہ کا معاون اسمٰعیل حقی پاشا تھا۔ یہ بہت ہی قابل اور محنتی تھا اور انتظامی امور میں دسترس رکھتا تھا۔ غازی انور نے جنگ

بلقان میں نہایت دلیری سے لڑ کر بہت شہرت حاصل کر لی تھی اور وہ بہت ہی مقبولِ عام تھا۔ انور جرمنی کے مشیر جرنل پسمان وان ساٹڈرس کا بہت اہم مشیر اور معاون تھا۔ مگر اپنی جبلی کمزوری رعونت کی وجہ سے ان میں صحیح معنوں میں تعاون نہ تھا۔

حکومت ترکی کو یہ خدشہ تھا۔ کہ اگر وہ اس لڑائی میں غیر جانبدار بھی رہے۔ تو بھی جنگ کے خاتمے پر فاتح ملک اُن کے ملک کے اسی طرح حصے کر لیں گے۔ جس طرح ایران کا حشر ہوا تھا۔ کہ کچھ ایران کا حصہ رُوس کے تحت کر دیا گیا اور کچھ برطانیہ نے لے لیا۔

دسمبر ۱۹۱۴ء میں پسمان وان ساٹڈرس نے نہایت ہی مستعدی سے کوارٹر ماسٹر جرنل حقی پاشا کی مدد سے چھ لاکھ فوج منظم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اور ان کو پیدل ڈویژنوں، رسالے کے ڈویژنوں اور امدادی دستوں میں بانٹا۔

دونوں اتحادیوں کی بین الاقوامی حکمت عملی

امریکی دفاعی مبصر ریپسٹن نے امریکی لوگوں کے لئے عالمگیر جنگ اوّل کے متعلق ایک کتاب "ہائی کمانڈ ان ورلڈ وار" (HIGH COMMAND IN WORLD WAR) لکھی ہے۔ اس کتاب میں اُن کا بین الاقوامی جوڑ توڑ پر تبصرہ چونکہ بہت دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ لہٰذا اسے ہم درج کرتے ہیں۔ "جب اگست ۱۹۱۴ء میں پانچ حکومتوں نے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ تو جرمنی اور

سب اتحادیوں پر پڑا۔ مگر دورانِ جنگ میں عام طور پر تمام اتحادی نہایت ہی مستعدی سے اس عہد نامے کے پابند رہے اور جرمنی کی طرف سے ان سے علیحدہ علیحدہ صلح نامہ کرنے کی کوشش ہر بار بیکار ثابت ہوئی یعنی سر ایڈورڈ گرے کے اس مسودے کا اثر یہ ہوا۔ کہ ۱۹۱۶ء کے دسمبر میں جبکہ حالات اتحادیوں کے سخت خلاف تھے اور اُن کے لئے بہت نازک وقت تھا۔ تو بھی انہوں نے یکجوئی سے جرمنی کے صلحنامے کی پیش کش کو رد کر دیا۔

امریکہ

جیسے جیسے کہ عالمگیر جنگ شباب پر آتی گئی۔ تو اتحادیوں کو یہ محسوس ہوتا گیا۔ کہ وہ امریکہ سے سامانِ حرب درسد منگائے بغیر جنگ کو کامیابی سے جاری نہیں رکھ سکتے۔

سر ایڈورڈ گرے نے اس ضرورت کو اچھی طرح محسوس کیا۔ اور اتحادیوں کی سیاسی حکمت عملی کو اس طرح سے مرتب کرنے لگا کہ جس کی وجہ سے امریکی بیرونی تجارت میں اگر اور کچھ نہیں تو رکاوٹ پیدا ہو جائے۔

امریکی سفیر پیج (W. H. PAGE) نے کھلم کھلا اتحادیوں کی ہمدردی کا اظہار کیا اور امریکہ اور برطانیہ کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے میں ہمہ تن مصروف رہا۔

جہاں گرے اور پیج کی دوستی سے گرے کو بہت فائدہ ہوا۔ وہاں پر کئی بار سیاسی پیچیدگیاں بھی پیدا ہوئیں۔ جن میں سے ایک

تو یہ تھی۔ کہ امریکی صدر ولسن کو بیچ پر جو پورا اعتماد تھا۔ وہ جاتا رہا اور اسی وجہ سے وہ بلا ارادہ کئی بار امریکی نقطۂ نظر کی صحیح ترجمانی نہ کر سکنے کے باعث گرے کو غلط راستے پر لے گیا۔ جس کی وجہ سے کئی بار امریکی اور برطانوی حکومت میں کشیدگی ہوئی۔ ایک اور وجہ یہ تھی۔ کہ برطانیہ نے امریکی تجارت کے مقابلے میں اپنی تجارت کو فروغ دینے کی غرض سے کچھ ایسی کارروائی کی۔ جو امریکی حکومت کو ناپسند تھی۔

پھر بھی گرے اپنی حکمت عملی سے امریکہ سے برطانیہ کا خوشگوار تعلق قائم رکھنے میں کامیاب رہا۔

لطف تو یہ ہے۔ کہ سر ایڈورڈ گرے نے بین الاقوامی قوانین کی صحیح طور سے ترجمانی کرنے کی کوشش ہی نہ کی۔ اور وہ خود فرماتے تھے۔ کہ میں نے برطانوی بحری بیڑے کو یہ ہدایت کی تھی۔ کہ امریکی تجارت میں صرف اس حد تک مزاحمت اور بندش کرے۔ جتنی کہ امریکی حکومت برداشت کر سکے۔ اور اس بندش سے بگڑ کر انتقاماً حکومت برطانیہ کو سامانِ حرب اور رسد دینے سے انکار نہ کر دے۔

درحقیقت یہ برطانیہ کی روایتی اور دیرینہ پالیسی ہے یعنی یہ کہ وہ اپنی بحری طاقت کو غیر جانبدار حکومتوں کے خلاف اُن ملکوں کی دفاعی طاقت کے متعلق استعمال کرتی ہے۔

سر ایڈورڈ گرے امریکی حکومت کے خارجی معاملات میں جس قدر کامیاب رہا وہ بلقان کے سیاسی مسئلہ میں اتنا زیادہ خوش قسمت نہیں تھا۔ اُس کے لئے یہ بہت تشویشناک معاملہ تھا۔ کہ بلغاریہ اور ترکی میں برطانوی سفیر اپنی حکمت عملی میں دھوکا کھا گئے۔

گو سر ایڈورڈ گرے نے اُن کی کوششوں کو سراہا ہے۔ مگر واقعی بات یہ ہے۔ کہ نہ تو سر ایڈورڈ گرے نے خود سعی کی اور نہ ہی اس کے نمائندوں نے حکمت عملی سے کام لیا۔

ہمیں سر ایڈورڈ سے ہمدردی ضرور ہے۔ کہ وہ ۱۹۱۴ء میں وسطی یورپ کی غیر جانبدارانہ ریاستوں کو اتحادیوں کے ساتھ اس لئے شامل نہ کر سکا۔ ادھر جرمنی کا اثر اس لئے ہر جگہ پر تھا۔ کیونکہ جرمنی یورپ میں ہر محاذ پر فاتح تھا۔ لہٰذا پہلے دو سالوں میں وہ سب غیر جانبدار حکومتیں جن کے ملک کی سرحدیں جرمنی اور اُس کے معاون ملکوں سے ملتی تھیں۔ جرمنی کے خوف سے دم بخود تھے۔ بلجیم اور سربیا کا جو حشر ہوا وہ ان کی نظروں کے سامنے تھا۔ جہاں فوجیں فاتح بن جاتی ہیں۔ تو وہاں پر ڈپلومیٹ کو اپنے معاون بنانے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ اور جہاں فوجوں کو شکست ہوئی۔ تو ڈپلومیٹ بھی ناکام ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ۱۹۱۶ء کے آخر میں جب رومانیہ کچھ تو روپیہ کی رشوت کے اثر سے اور کچھ دھمکی اور ڈر کے باعث اتحادیوں کے ساتھ مل گیا۔ تو جرمنی کے ساتھیوں نے اُسے

مغلوب کر کے تباہ کر دیا۔

ہالینڈ اور ڈنمارک کو ایک طرف تو برطانیہ کا ڈر تھا کہ وہ بحری طاقت کی مدد سے اُن کے مقبوضات پر قبضہ نہ کر لے۔ اور دوسری طرف اُن کو جرمنی کی طرف سے بڑی حملے کا خطرہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے جنگ کا سارا زمانہ نہایت ہی پریشانی اور بے چینی میں گزارا۔

اُس کے برعکس پرتگال چونکہ جرمنی کی شمشیر کی زد سے باہر تھا۔ اس لئے اُس کا رویہ دوسرا تھا اور وہ اتحادیوں کے ساتھ مل گیا۔

سر ایڈورڈ گرے درحقیقت اتحادیوں کی خارجی سیاسی پالیسی کا ذمہ دار تھا اور اس طرح سے برطانیہ نے اس جنگ کے تاوان میں فلسطین، عراق اور ایران کے علاقوں کو اپنے لئے مخصوص کیا اور قسطنطنیہ روس کے حصے میں نامزد کیا۔

فرانس چونکہ اپنے ملک کی حفاظت کیلئے جنگ میں مصروف تھا۔ لہٰذا اُس کی آنکھیں السا س لورین پر لگی ہوئی تھیں۔ لنڈن پیکٹ میں اُس کے مقبوضات کی حفاظت اور قبضہ سب نے تسلیم کر لیا تھا۔ مشرق میں اور مزید مقبوضات حاصل کرنے کے لئے اُس نے ملک شام پر قبضہ کرنے کی ٹھان لی۔ یہی وجہ تھی کہ فرانس نے اپنے ملک میں جنگ کے حالات ناموافق ہوتے ہوئے بھی سالونیکا میں مہم بھیجنے اور اُس میں حصہ لینے میں رضامندی کا اظہار نہ کیا۔

یہ درست ہے کہ فرانس کے سیاست دانوں میں بھی [illegible]

اور اس لئے مارشل جعفری کی مخالفت کے باوجود فرانس کی فوج کا بہت بڑا حصہ ایسی بیکار مہم پر روانہ کیا گیا۔

رُوس قسطنطنیہ پر قابض ہونے کے علاوہ سربیا کے ملک پر رُوسی قبضہ چاہتا تھا۔ وہ ان مقبوضات کا اس قدر خواہش مند اور حاسد تھا۔ کہ اُس نے یونان کو ترکی پر حملہ آور ہونے سے محض اسی لئے روک دیا تھا۔ کہ کہیں یونان قسطنطنیہ پر قابض نہ ہو جائے۔

اس حسد اور بے اعتمادی کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ترکی نے اکیلے ہی فرانس اور برطانیہ کی اتحادی فوج کو درّہ دانیال کے میدان میں شکست دے کر اپنے ملک سے نکال دیا۔

جرمن ڈپلومیسی جرمنی اور اُس کے ساتھیوں کی ڈپلومیسی کو چلانے کا ذمہ وار خود جرمنی تھا یعنی ایک جماعت کی راہبری برطانیہ کر رہا تھا اور دُوسری جماعت کی جرمنی۔ مگر جرمنی کے اکھڑپن کی وجہ سے جو کہ اُس نے سیاست اور ڈپلومیسی میں برتی۔ بہت سے غیر جانبدار ملک جرمنی سے شاکی ہو گئے۔

علاوہ ازیں جرمنی کو چونکہ اتحادیوں نے تمام اطراف سے محصور کر کے باقی ملکوں سے علیحدہ کر دیا تھا۔ تو اس کی وجہ سے جرمنی کے سفیروں کو زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی جرمنی نے چونکہ بلجیم سے عہد نامہ توڑ دیا تھا۔ اس کے باعث اور ملکوں کو جرمنی کے عہد و پیمان پر اعتبار نہ رہا۔ البتہ آسٹریا۔ ترکی اور بلغاریہ

نے جرمنی کے ہر اشارے پر نہایت وفاداری سے کام کیا اور اسی طرح سے اتحادیوں کی طرح جرمنی کے ساتھیوں نے بھی پختگی کا مظاہرہ کیا۔ جرمنی نے تمام ساتھیوں کے لئے بہترین قسم کے سالار اور جرمنی فوج کے امدادی دستے بھی روانہ کئے۔ چونکہ جرمن فوج اُس کے اپنے ساتھیوں کی فوج سے بہت بہتر تھی۔ اس لئے دفاعی منصوبے کی روانی جرمنی اور اُس کے ساتھیوں میں مقابلتاً بہتر تھی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جرمنی کے افسروں اور فوج نے ہر محاذ پر غیر معمولی بہادری اور قابلیت کا مظاہرہ کیا اور انہوں نے اپنے ساتھیوں کو مخلصانہ پوری پوری امداد پہنچائی۔

دوران جنگ میں جرمنی اور برطانوی تجارت

برطانیہ اس بات کا خواہشمند تھا کہ دوسرے ممالک جرمنی کے ساتھ بالینڈ یا سکینڈے نیویا (یعنی ناروے۔ سویڈن وغیرہ) کے راستے تجارت نہ کر سکیں اور برطانیہ اس ممنوع تجارتی مال پر قانونی طور سے قبضہ کر سکے لہٰذا اس نے اپنی غرض کو پورا کرنے کے لئے بین الاقوامی قانون کی شکل میں نافذ کر کے اسے جائز قرار دے دیا اور اس قانون کو مسلسل بحری سفر (CONTINUOUS VOYAGE) کے نام سے پکارا۔ اس طرح برطانیہ کسی بھی جہاز کے اس سامان پر جو کہ کسی ملک سے جرمنی کی طرف جا رہا ہو۔ اس قانون کے تحت جائز طور پر قبضہ کر سکتا تھا۔

ایام جنگ میں برطانیہ کی تجارت

طرفہ یہ ہے کہ ایام جنگ میں اس طرح سے گو برطانیہ نے باقی ملکوں کو جرمنی سے تجارت کرنے سے روکا۔ مگر برطانیہ بذاتِ خود جرمنی سے برابر تجارت کرتا رہا۔

امریکہ کی تجارت پر برطانیہ کے اس رویہ سے بہت برا اثر پڑا۔ لہٰذا امریکہ نے برطانیہ کا یہ راز تمام دُنیا کے سامنے فاش کر دیا۔ برطانیہ کے خود اپنے بحری سفارتی مشیر ایڈمیرل کانسٹ، جو کہ دورانِ جنگ میں سیکنڈ نیویا میں مقیم تھا۔ یہ کہا ہے۔ "کہ اگر برطانیہ ان ممالک کو بین الاقوامی ممنوع اشیاء مثلاً کوئلہ۔ تیل۔ مچھلی پکڑنے کے آلات۔ زرعی مشینری اور چارہ مہیا نہ کرتا تو جرمنی کے خلاف ناکہ بندی کے اثرات بہت گہرے ہوتے۔ کیونکہ جرمنی کی خوراک کا زیادہ تر حصہ انہی ممالک سے ایام جنگ میں جاتا رہا۔"

برطانیہ کے اس طرزِ عمل نے امریکہ کو بہت شاکی کر دیا۔ کیونکہ دیگر ممالک اور امریکی تجارتی مال مثلاً مشینری وغیرہ تو برطانیہ نے ان ممالک میں بھیجنے کی ممانعت کر دی۔ مگر اس کے برعکس برطانیہ خود یہ مال صحیح کر اپنی تجارت کو برابر فروغ دیتا رہا۔

برطانیہ کے حکام نے اپنے اس تجارتی طرزِ عمل کو اس بنا پر جائز قرار دینے کی کوشش کی کہ برطانیہ کو ان ملکوں سے مزید خوراک اور [illegible] کی اس کو اشد ضرورت تھی۔ مگر واقعی

بات یہ ہے کہ برطانیہ کے اس رویہ سے جرمنی ان ممالک سے خوراک خصوصاً ڈیری کے جزو مثلاً مکھن۔ پنیر۔ مچھلی۔ چربی۔ کوئلہ۔ لوہا وغیرہ بلا روک ٹوک لے جاتا رہا۔ یہ ضرور ہے کہ برطانیہ کو اس تجارت سے فائدہ تھا۔ مگر جرمنی کے حق میں یہ رویہ زیادہ مفید تھا۔

ناکہ بندی امریکی حکومت کے احتجاج کے باعث آخر کار برطانیہ ایسی تجارتی اشیا ان ممالک میں کم مقدار میں بھیجنے پر مجبور ہو گیا اور اس طرح سے جرمنی کے خلاف ناکہ بندی مؤثر ہوئی۔

جب امریکہ اتحادیوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ تو پھر ان اشیا کی تجارت پر مؤثر طریقے پر روک تھام کی گئی۔ لیکن یہ روک تھام امریکہ اور برطانیہ کے آپس میں سمجھوتہ سے ہوئی۔ لہٰذا اس کے باعث نئے بین الاقوامی نافذ شدہ قانون پر پابندی سے عمل ہونے لگا۔

ڈیکلیریشن آف لندن اس ضمن میں ایک اور امر قابل ذکر ہے کہ سر ایڈورڈ گرے نے ۱۹۰۹-۱۹۱۰ء میں ڈیکلیریشن آف لندن (DECLARATION OF LONDON) بل کی زبردست حمایت کی تھی اور ہر قسم کی سیاسی جدوجہد کی۔ کہ یہ بل پارلیمنٹ میں پاس ہو جائے۔ مگر اس بل کی مسٹر ٹی گیسن پوتر نے سخت مخالفت کی اور اس لئے گو یہ بل ہاؤس آف کامنز میں پاس ہو گیا۔ مگر ہاؤس آف لارڈز نے اس بل کو مسترد کر دیا۔ لطف تو یہ ہے۔ کہ اس بل کی مخالفت ۱۹۱۵ء ۱۹۱۴ء میں سر ایڈورڈ گرے نے

نہایت ہی مدلل برطانوی اثرات لکھ کر بھیجے اور یہ کہا۔ کہ اس بین الاقوامی قانون پر برطانیہ عمل نہیں کر سکتا۔

برطانوی سیاسی قلابازیاں

چونکہ جرمنی کا مفاد برطانیہ کے مفاد سے بالکل متضاد تھا۔ اس لئے وہ نہیں چاہتا تھا۔ کہ محاربین اپنی بحری طاقت کی مدد سے غیر جانبداروں کی بحری تجارت پر دباؤ ڈال سکیں۔ لہٰذا اس نے اس بین الاقوامی قانون پر خود اس شرط پر عمل کرنے کے لئے وعدہ کیا کہ برطانیہ اور اتحادی بھی اس پر عمل کریں۔ کیوں کہ اس طرح سے جرمنی کو غیر جانبدار ملکوں سے ضروری سامان ملنے میں آسانی ہوتی تھی لہٰذا وہی سر اپڈورڈ گرے جو ڈیکلیریشن آف لندن کا بہت بڑا معاون تھا۔ اب اس بل کا سخت مخالف تھا۔ کیونکہ موجودہ حالات میں یہ بل برطانیہ کے جنگی مفاد کے خلاف تھا اور اس بل پر عمل کرنے سے برطانیہ کا بحری بیڑہ یہ سامان لوٹ کر جرمنی کے خلاف ناکہ بندی نہ کر سکتا تھا۔

یہ یاد رہے کہ (امریکی) نمائندے ایڈمیرل ماہن نے بھی مقام ہیگ پر ۱۸۹۹ء میں اس بل کی سخت مخالفت کی تھی مگر سول کے دوسرے امریکی نمائندوں نے اس بل اور لندن کانفرنس کی حمایت کی تھی اور ایڈمیرل ماہن کو "فوجی سفاک" کے لقب سے پکارا تھا۔ مگر ۱۹۱۸ء ۱۹۱۴ء کی عالمگیر جنگ کے واقعات نے ثابت کر دیا۔ کہ

ایڈمیرل ماہن کس قدر دُور اندیش اور صحیح تھا۔"

درس آموز اس امریکی نے بے باکی سے صحیح حالات لکھ کر تمام دُنیا کو جگانے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ وہ بڑی طاقتوں کے رویہ کو صحیح طور سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

بالفاظ دیگر امن کے زمانے میں جو بین الاقوامی قوانین بنتے ہیں۔ انہیں اکثر ایام جنگ میں طاقتور حکومتیں پھاڑ کر پھینک دیتی ہیں۔ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" والا معاملہ ہے۔

جب برطانیہ نے یہ تجارتی سامان اپنے طاقتور بحری بیڑے کی مدد سے لُوٹنا شروع کیا۔ تو اس کے جواب میں جرمنی نے آبدوز کشتیوں سے تمام تجارتی جہازوں کو ڈبونا شروع کر کے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔

مگر جو چیز زیادہ غور طلب ہے۔ وہ یہ ہے کہ برطانیہ کس طرح سے اپنے مفاد کے لئے سیاسی جوڑ توڑ کرتا رہا۔ ایک ہاتھ سے تو اپنا فوجی مشن بھیج کر ترکی کی مدد کر رہا تھا اور دُوسرے ہاتھ سے ترکی کے جانی اور قدیمی دشمن کی بحری اور بری فوج کے لئے ترکی پر حملہ کرنے کے دفاعی منصوبے تیار کر چکا تھا۔ تاکہ چت بھی برطانیہ کی ہو اور پٹ بھی۔

ہم اسے چاہے کتنا ہی ناپسند کریں۔ مگر سیاسی شطرنج کے کھیل میں صرف وہی کھلاڑی کامیاب ہو سکتا ہے۔ جو ہر نظریہ پر دُور اندیشی سے کام کرے۔ مثلاً اگر ترکی اپنی دوستی اور عہد و پیمان نباہتے۔ وقت

اپنی ملک کی حفاظت کا خیال کرتا اور اپنی بہترین فوج، سامانِ حرب اپنے ملک کی حفاظت کے لئے مخصوص رکھتا اور "قفقاز" کی لڑائی میں سب طاقت ضائع نہ کر دیتا۔ تو یقینی طور سے ترکی کے حق میں لڑائی کے حالات مختلف ہوتے۔

آگے چل کر یہ دیکھیں گے۔ کہ جرمنی نے اپنے گھر کی حفاظت کے لئے کیا کیا اور ایسا کیوں کیا؟

برطانیہ کی وزارت میں مسٹر چرچل ایک ایسا فرد تھا۔ جو کہ درۂ دانیال پر قبضہ کرنے پر مصر تھا۔ لہٰذا اُس نے بار بار "وار کونسل" کو کہا یا کہ ترکی پر حملہ کر کے اسے جلد ختم کر دیا جائے۔ مگر اُس کی بات کسی نے نہ مانی۔

چونکہ لارڈ کچنر اس مہم کے خلاف تھا۔ لہٰذا وار کونسل نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ کچنر کے معاون لارڈ مرنج اور مارشل جعفری تھے۔

جنوری ۱۹۱۵ء میں گرینڈ ڈیوک نکولس رُوسی کمانڈر انچیف نے لارڈ کچنر سے درخواست کی۔ کہ ترکوں کی فوج نے چونکہ اُسے بہت پریشان کر رکھا ہے۔ لہٰذا اس دباؤ کو دُور کرنے کی غرض سے دوسرے اتحادی ترکی کے ملک پر حملہ کریں۔ رُوس کی یہ استدعا مجبوراً دوسرے اتحادیوں کو ماننی پڑی۔

درۂ دانیال پر حملہ

کچنر نے چرچل سے کہا کہ اُس کے پاس چونکہ بڑی فوج نہیں ہے۔ لہٰذا چرچل

بحری بیڑے سے درہ دانیال پر حملہ کرے۔ چرچل نے لائڈ جارج کو اپنی مدد کے لئے راضی کرلیا۔ وار کونسل نے بحری بیڑے کے حملے کو منظور کرلیا۔ حالانکہ یہ دفاعی منصوبہ متفقہ بری اور بحری دفاعی کمیٹی کے سامنے غور کرنے کے لئے کبھی پیش نہ ہوا تھا۔

امیرالبحر لارڈ فشر کا استعفا

ایڈمیرل فشر (FISHER) اور کچھ بری فوج کے افسروں نے جب اس منصوبے پر غور کیا۔ انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ ایڈمیرل فشر کو غالباً برطانیہ کے مایۂ ناز ایڈمیرل لارڈ نیلسن کا یہ قول یاد تھا۔ کہ ہر وہ ملاح جو ساحلی قلعوں پر بری فوج کی مدد کے بغیر حملہ کرتا ہے۔ وہ بے وقوف اور جاہل ہے۔ مگر چرچل نہ مانا۔ اس بنا پر ایڈمیرل فشر نے استعفیٰ دے دیا۔ وزیراعظم نے فشر کو استعفیٰ دینے سے بہت روکا۔ مگر امیرالبحر نے نہ مانا اور مستعفی ہوگیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس مہم کے بھیجنے کی بنا اور شکست پر وزیراعظم نے پارٹی کے کہنے پر مسٹر چرچل کو استعفیٰ دینے پر مجبور کیا تھا۔

سیاسی قلابازیاں

پیشتر اس کے کہ ہم اس تبصرے کو ختم کریں۔ ہم یہ چاہتے ہیں۔ کہ ہم ۱۹۱۴ء سے ماضی کے حالات پر کچھ اور نظر دوڑا کر ترکی کی دشواریوں کو صحیح طور سے سمجھیں۔

۱۸۸۲ء میں آسٹریا۔ جرمنی اور اٹلی نے الائینس (ALLIANCE) کے عہدنامہ پر دستخط کئے تھے۔ اس عہدنامے کا محرک جرمنی تھا۔ تاکہ

جرمنی اپنی دفاعی فوقیت کی شہرت سے سیاسی جوڑ توڑ میں فائدہ اٹھائے۔ 'الائینس' کا مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ اگر اس متحدہ جماعت میں سے کسی ایک پر دوسرا ملک حملہ کرے، تو باقی معاون ملک اس ملک کی مدد کریں۔

۱۹۱۱-۱۲ء میں اٹلی نے یہ محسوس کیا۔ کہ جرمنی اپنے رفیق ترکی کے علاقے طرابلس (TRIPOLI) پر غاصبانہ طور سے قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اور اگر جرمنی طرابلس پر قابض ہو گیا۔ تو اٹلی کا وہ خواب جو وہ عرصہ سے دیکھ رہا تھا۔ یعنی بحیرۂ وسطی پر بحری اقتدار ادھورا رہ جائے گا۔ لہٰذا اُس نے عیاری سے پیش قدمی کر کے طرابلس پر حملہ کر کے اُس پر قبضہ کر لیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ۱۸۸۲ء میں یہ معاہدہ ٹوٹ گیا اور نتیجتہً ۱۹۱۴ء میں اٹلی جرمنی کا معاون بن کر اتحادیوں کے خلاف نہ لڑا۔

جرمنی اور مشرق وسطی

قیصر ولیم دوم کے تخت نشین ہونے سے قبل تک جرمنی نے مڈل ایسٹ کے سیاسی معاملات میں زیادہ گہری دلچسپی نہ لی تھی۔ جب قیصر نے ۱۸۹۸ء میں بسمارک کو برخاست کر دیا۔ تو جرمنی نے مڈل ایسٹ (MIDDLE EAST) میں بہت گہری دلچسپی لینی شروع کر دی۔

۱۸۸۰ء میں ترکی کی درخواست پر بسمارک نے جرنل وان ڈر گالٹز (VONDER GOLTZ) کی سرکردگی میں ایک فوجی مشن بھیجا تھا۔ یہ جرنل

۱۸۹۲ء تک ترکی میں رہا اور ۱۹۱۴ء میں دوبارہ ترکی میں بھیجا گیا۔ اس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔

بسمارک اس پالیسی پر مصر تھا۔ کہ جرمنی کو محض یورپی میدان پر پورے طور سے توجہ دینی چاہیئے۔ لہٰذا مشرقی ممالک پر اس نے توجہ نہ دی۔ ورنہ وہ آسٹریا کو ترکی کے اعلیٰ اور اہم علاقے (۱۸۷۸ء میں) یعنی بوسنیا۔ نوی بازار وغیرہ پر قابض نہ ہونے دیتا۔

بسمارک کے چلے جانے کے بعد جرمنی نے اپنی تجارت مثلاً لوہا اور لوہے کا بنایا ہوا سامان اور بینکوں کے لئے ترکی علاقے میں بہت بڑا وسیع میدان حاصل کر لیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے یہ صحیح طور سے سمجھ لیا۔ کہ گو ترکی بذاتِ خود فوجی اسلحہ کے لحاظ سے بہت کمزور ہے مگر یہاں سے فوجی جوانوں کی امداد بے حساب مل سکتی ہے۔

علاوہ ازیں اس طرح سے جرمنی کے ساتھ ایک زبردست سیاسی قوت یعنی مسلمان آبادی میں مل جائے گی۔ جسے جرمنی یورپی اتحادیوں کے خلاف نہایت کامیابی سے لڑا سکے گا۔ یہی وجہ تھی کہ ترکی کے خلاف جب بلقان میں لڑائی چھڑی۔ تو بہت سے جرمن افسر اور جرمنی سپاہی خفیہ طور سے ترکی فوج میں شامل ہو کر ترکوں کے شانہ بہ شانہ لڑے۔

مگر اس کے ساتھ "جرمنی کے معاہدہ کے بانی مبانی دوست اور حلیف" ترکی کے ملک پر مسلسل غاصبانہ قبضہ کر رہے تھے۔ مثلاً اٹلی نے طرابلس

پر ۱۹۱۱ء میں قبضہ کر لیا اور آسٹریا نے ۱۹۰۸ء میں بوسنیا وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ لہٰذا ترکی کی تو وہی مثل تھی ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

یا یوں کہیئے کہ یہ سب کچھ ہوتا رہا اور جرمنی نے اپنے حلیف ترکی کے مفاد کے لئے کچھ بھی نہیں کیا۔ برطانیہ کی دوستی کا ہم ذکر کر چکے ہیں کہ ترکی کو ہر بار اس دوستی کا کیا اجر ملا۔

جرمنی نے جب حجاز ریلوے کو بنانے کا ٹھیکہ لیا۔ تو اس کے دوسرے لفظوں میں معنی یہ تھے۔ کہ جرمنی نے ترکی پر قابض ہونے کی بنیاد قائم کر دی ہے۔

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ جب چین نے روس کو ریلوے بنانے کی اجازت دی۔ تو روس چین پر قابض ہو گیا۔ اسی طرح سے جب مصریوں نے انگریزوں کو سویز کی حفاظت کے لئے کہا تو وہ مصر کو کھو بیٹھے اور انگریزوں کا رویہ جو نہر سویز کے متعلق رہا۔ وہ بیان کا محتاج اس لئے نہیں ہے۔ کیونکہ سب دنیا اس سے آشنا ہے۔

بلقان کی سیاسی حالت

بلقان یورپ کے ہاتھوں کٹ پتلی | عالمگیر جنگ ۱۹۱۴ء۔ بلقان کے جھگڑوں کی وجہ سے شروع ہوئی۔ ۱۹۱۲ء سے قبل بلقان کی سیاست کا انحصار یورپ کی بڑی

طاقتوں کے ہاتھ میں تھا جس طرف رُوس، جرمنی، فرانس، برطانیہ وغیرہ اشارہ کرتے تھے۔ اُسی طرف یہ حکومتیں چلتی تھیں۔ مگر ۱۹۱۲ء میں بلقان کی حکومتیں یکجا ہوگئیں اور تمام یورپی طاقتوں کو جواب دیا اور ان طاقتوں کے مشورہ، نصیحت اور دباؤ کی ذرہ بھر بھی پروا نہ کی۔

ریاستہائے بلقان کا تجربہ

ان کا کئی سالوں کا تجربہ تھا کہ یہ بڑی بڑی طاقتیں خود غرض ہیں۔ لہٰذا انہوں نے آپس میں فیصلہ کر لیا کہ ان کی بہبودی ان طاقتوں کے بل بوتے پر نہ ہوگی اور اگر کچھ مفاد ملا بھی تو وہ اُدھورا ہوگا۔ اس مفاد کی قیمت بھی ان سب کو بہت ہی گراں دینی ہوگی۔ لہٰذا انہوں نے اپنے جھگڑوں اور بغض و عناد کو مٹا کر خود بخود اپنے مفاد کی تدبیر نکالی اور اپنے قدیم دشمن ترکی کے خلاف جنگ کر کے اُسے زبردست شکست دی۔

اگر بلقانی ریاستیں دورانِ جنگ کی طرح سے دورانِ صلح اور فتح کے بعد یکسوئی رکھتیں تو غالباً تمام دنیا کو جس کشت و خون میں ان ریاستوں کی کوتاہ اندیشی نے مبتلا کیا یہ بدنما اور ہولناک واقعات وقوع پذیر نہ ہوتے۔ مثلاً

۱۔ قیصر ولیم کے عزیز شاہ یونان نے حرص و طمع کی وجہ سے بلقان میں دوبارہ عناد پیدا کر دیا۔

۲۔ بلغاریہ کے شاہ فرڈیننڈ نے اپنی قدیمی غداری، دغابازی۔

شروع ہوئی۔ تو رُوس صبر اور غصہ کے خونی گھونٹ پی کر خاموش رہا۔ مگر اُس نے پوری فوجی تیاری کر لی اور اپنا دفاعی سیاسی نظریہ یہ بتایا کہ بلقان کی سلیو (SLAVS) قوم کو مضبوط بنا کر آسٹریا کے سامنے ایک رکاوٹ کھڑی کر دی جائے اور فی الحال ترکی کو درۂ دانیال میں نہ چھیڑا جائے۔ بلکہ مناسب وقت کا انتظار کر کے اسے ہضم کیا جائے۔ بالفاظ دیگر چونکہ رُوس کی طاقت کمزور تھی۔ لہٰذا اُس کے لئے خاموشی اختیار کرنا مناسب ہوگا۔

اٹلی اٹلی ۱۹۱۱ء میں طرابلس ہڑپ کر چکا تھا اور اب اُس کی نظر افریقہ کی طرف لگی ہوئی تھی۔ مگر وہ ترکی کے ایڈریاٹک (ADRIATIC) کے ساحل پر دُوسروں کے قبضے میں جانے کے سخت خلاف تھا۔ لہٰذا وہ عجیب کش مکش میں تھا۔

فرانس فرانس کا سیاسی نظریہ بہت ہی دُور اندیشی اور گہرائی لئے ہوئے تھا بظاہر تو اس نے یہی بتایا کہ اُسے بلقان میں کوئی دلچسپی نہیں۔ مگر چونکہ روس اور فرانس کا دوستی کا الائینس تھا لہٰذا روس کی خاطر وہ بلقان کا خیر خواہ تھا اور بلقان کے مظلوم عیسائیوں کے ساتھ تو اُسے خاص ہمدردی تھی۔ لہٰذا جہاں ترکی میں جرمنی کے کارخانے کرپ (KRUPP) سے سامان حرب جاتا تھا۔ تو بلقان میں توپیں اور دیگر جنگی آلات فرانس کے مشہور جنگی سامان ساخت کرنے والے کارخانے مثلاً کروسیٹ (CREUSOT) مہیا کرتے تھے۔

آجکل ۱۹۵۵ء میں رُوس شام و مصر کو اسلحہ دے رہا ہے اور امریکی فرانس اور برطانیہ اسرائیل کی حکومت کو اسلحہ اور روپے سے مدد دے رہے ہیں۔ حال میں رُوس نے بھارت پر بھی عطایا نچھاور کی ہیں۔ بالفاظ دیگر تاریخ اپنے واقعات دُہراتی ہے۔

آسٹریا اور ہنگری آسٹریا ہنگری خود اپنے جھگڑوں میں اس قدر منہمک تھا۔ کہ وہ باہر کے جھگڑوں میں حصّہ لینا نہیں چاہتا تھا۔ مگر جب اُس نے دیکھا کہ جرمنی ایشیا پر چھا جانا چاہتا ہے۔ تو اُسے مات دینے کی غرض سے اُس نے اپنا قدم آگے بڑھایا۔ مگر جرمنی کے بسمارک نے جب یہ حالت دیکھی۔ تو ۱۸۷۸ء میں عہدنامہ برلن کے تحت بوسنیا (BOSNIA) اور ہرزگوینا (HERZEGOVINA) کے دو بڑے علاقے آسٹریا ہنگری کے حوالے اس غرض سے کر دیئے۔ تاکہ وہ خاموش ہو جائیں۔ مگر لوٹ ملنے پر آسٹریا ہنگری کی حرص اور بھی بڑھ گئی اور اُس نے ایڈریاٹک ساحل اور البانیہ کی طرف بڑھنا شروع کیا اور ساتھ ہی ترکی حکومت کی اندرونی پالیسی میں بھی مداخلت شروع کر دی۔

تُرکی کا دفاعی سیاسی منصوبہ
سنہ ۱۹۱۴ء سے قبل

ہم نے ابھی تک زیادہ تر سیاسی پیچیدگیوں اور بڑی طاقتوں کے خاصبانہ نظریہ اور دوسری مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ مگر جنگ سے پہلے تُرکی کی کیا حالت تھی اور اُس کی دفاعی ذمہ داریاں اور مشکلات کیا تھیں؟

ان سوالات پر جب تک ہم غور نہیں کرینگے۔ حالات کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ان حالات پر ہمیں گہری دلچسپی سے غور کرنا چاہیے۔ کیونکہ پاکستان کی آجکل کی دفاعی مشکلات ترکی کی ان مشکلات سے بہت مشابہت رکھتی ہیں۔

تُرکی علاقے کا جُغرافیہ ترکی سلطنت کا رقبہ ۶،۵۰،۰۰۰ مربع میل تھا۔ اس میں صرف ایک ریل تھی۔ اور وہ بھی مشرقی سرحد کی طرف نامکمل تھی۔ اس کی ایک شاخ حجاز ریلوے دمشق سے ہوتی ہوئی بحیرۂ قلزم کے ساتھ ساتھ جاتی تھی اور اس کی دو چھوٹی شاخیں ادانا (ADANA) اور کراحصار (KARAHISSAR) سے تقسیم ہو کر ساحل کی بندرگاہوں کو جاتی تھیں

نقل و حمل :۔ ترکی سلطنت کی شمال مشرقی اور خصوصاً مشرقی حدود کو جو کہ ایران اور روس سے ملتی تھیں، دشوار گذار پہاڑی چوٹیوں نے علیحدہ کر رکھا تھا۔ ترکی کا چار بٹا پانچ جنوبی حصہ تقریباً وسیع صحرا تھا اور اس صحرا کی حدود سمندر کے غیر آباد ساحلوں پر ختم ہوتی تھیں۔ ترکی شمالی سرحد جو چھ سو میل سے کچھ زیادہ تھی اور اس کے عمیق اور پہاڑی ساحل پر باسفورس سے باطوم تک صرف تین معمولی قسم کی بندرگاہیں تھیں۔ جو دفاعی لحاظ سے تقریباً بے کار تھیں۔

ملک کے اندر سلسلۂ آمد و رفت نہایت ہی ناقص اور پسماندہ تھا اور جو آسانیاں قدرت نے مہیا کی تھیں۔ اُسے ترکی حکومت نے دانش مندی سے استعمال نہیں کیا تھا۔ مثلاً دریائے فرات اور دجلہ کا دریائی سلسلہ اور دریائے قزل ارفک اور دریائے سقاریہ کو تجارتی کاموں میں صحیح طور سے استعمال میں نہ لایا گیا۔

ایشیا مائینر (ASIA MINOR) کا زیادہ تر حصہ سطح مرتفع پر ہے۔ جس کی بلندی تقریباً تین ہزار فٹ ہے اور اس سطح مرتفع کی جنوبی اور جنوب مشرقی حدود میں تقریباً اُسی قسم کے اُونچے اُونچے پہاڑ ہیں۔ جیسے کہ پاکستان کی شمال مغربی سرحد پر ہیں۔ ایک اور مشابہت یہ ہے کہ جس طرح سے ان پہاڑوں میں درۂ خیبر پنجاب کی طرف آتا ہے۔ اسی طرح سے ان پہاڑوں کا درۂ علاقہ شام میں جاتا ہے۔

جس طرح سے درۂ خیبر نے ہندوستان کی قسمت کو کئی بار بدلا ہے

اس طرح سے اس درّہ نے بھی شام کی قسمت پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ اگرچہ اس علاقے کی آب و ہوا بہت اچھی ہے مگر سطح مرتفع میں سردیوں میں سخت سردی اور گرمیوں بہت گرمی پڑتی ہے اور بارش کافی مقدار میں شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔

گھوڑے اور خچر چونکہ کافی تعداد میں دستیاب نہیں ہوتے۔ اس لئے بار برداری کے لئے اُونٹ استعمال ہوتے ہیں۔ بھینس دُودھ اور ہل چلانے کے لئے استعمال میں لائی جاتی ہے۔ علاقہ زرخیز ہے۔ گندم، جَو، انجیر، زیتون اور انگور وغیرہ کافی مقدار میں پیدا ہوتے تھے۔

تُرکی عوام یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ دُنیا کا شاید ہی کوئی ایسا سپاہی ہوگا۔ جو کہ ترکی سپاہی سے زیادہ جفاکش، جاں نثار، دلیر اور قانع ہو۔ ترک نہایت ہی معمولی قسم کی سُوکھی روٹی کھا کر اور وہ بھی نیم شکم پُر ہونے پر بے انتہا کام کرتا ہے۔ دن اور رات اسی کم خوراک پر وہ بیس بیس میل پیدل چلنے کے بعد لڑائی میں حصّہ بھی لے سکتا ہے۔

ترک سپاہیوں نے بغیر پیٹ بھر کھانے اور باوجود ناقص وردی اور کہنہ قسم کے ہتھیاروں کے دُنیا کی بڑی بڑی فوجوں کو شکست دی ہے۔ مگر بدقسمتی سے ۱۹۰۰ء سے ترکی افسر اور ترکی سیاست دانوں کی زیادہ تعداد آرام طلب اور حریص ہو گئے تھے۔

سلطنتِ ترکی میں نہ تو پکی سڑکیں تھیں اور نہ ہی موٹر ٹرانسپورٹ کا رواج تھا۔ فوج میں بھی بار برداری بہت ناکافی تھی۔

امن کے زمانے میں ترکی کی تمام فوج کی تعداد ۴۰۰،۰۰۰ تھی مگر جنگ کے ایام میں یہ ۱۶۰،۰۰۰ نفر تک بڑھائی جا سکتی تھی۔ مگر دقت یہ تھی کہ حکومت کے پاس نہ تو کافی ہتھیار تھے اور نہ ہی گولہ بارود کا ذخیرہ۔

ہم (مصنف) نے کئی محاذ پر ترکی اور عربی فوج سے انگریزی فوج کے ہمراہ لڑائیوں میں حصّہ لیا۔ جن میں شکست اور فتح دونوں شامل ہیں۔ ہر فتح کے بعد جب ہم جنگی قیدیوں کو دیکھتے تھے تو حیرت ہوتی تھی۔ کیونکہ انہوں نے ہر بار نہایت ہی سخت مقابلہ کیا اور جب ان کو رہائی ہوئی تو ان کے دقیانوسی ہتھیار دیکھ کر ہم اُسے اپنی جیت نہ سمجھتے تھے۔

ترکی لشکریوں کے ہتھیار نہایت دقیانوسی، پاؤں میں بوٹ یا جوتا ندارد۔ کھانے کی ہمیشہ کمی۔ پینے کا پانی کا انتظام نہایت بُرا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جہاں کہیں پانی ملتا تھا۔ جانوروں کی طرح سے وہ پانی پی کر گذارہ کرتے تھے۔ مگر اُن کے لبوں پر کبھی گلہ یا شکوہ نہیں ہوتا تھا۔

بہ خودی باعزم منتی۔ ایسے حالات میں ترکی فوج کو پُر استقلال لڑتے دیکھ کر ہر شخص کے مُنہ سے ترکی سپاہی کی تعریف نکلتی تھی۔

تُرکی فوج کا نظم تُرکی سلطنت میں ہر مرد کے لئے بیس سال سے لے کر چالیس سال کی عُمر تک ملازمت لازمی تھی۔ فرسٹ لائن یعنی "نظام" میں ہر نوجوان نو برس کے لئے ملازمت کرتا۔ اس کے بعد "ردیف" میں یعنی سیکنڈ لائن میں نو برس ملازمت کے بعد وہ دو سال "مستعانی" یعنی ریزرو (RESERVE) میں گزارتا۔

جرمنی کا مشہور جرنیل وان ڈرگالٹز ۱۸۸۰ء میں چند چیدہ جرمن افسروں کے ہمراہ ترکی میں آیا تاکہ ترکی فوج کو منظم کرے۔

جرمن فوجی مشن کا دفاعی نظام اس وقت فوج کے نظام کی حالت ناگفتہ بہ تھی وہ ۱۸۹۲ء میں یعنی بارہ برس کے بعد تقریباً ناکام جرمنی واپس چلا گیا۔ مگر اُسے یہ خُوب معلوم ہو گیا کہ حکومت کے پاس روپیہ آلاتِ حرب اور اچھے افسروں کا فقدان ہے۔

اگر ۱۹۱۱ء میں بلقان اور طرابلس کے جھگڑوں نے ترکی کو پریشان نہ کیا ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ ترکی کی فوج نہایت منظم اور آراستہ ہوتی۔ بہرحال اس جرمن نے ترکی کے لئے نہایت عمدہ دفاعی منصوبہ تیار کیا۔

باقاعدہ فوج اُس نے تُرکی کی فوج کو تیرہ آرمی کور اور پانچ خود مختار ڈویژنوں میں تقسیم کیا یعنی کل ۴۳ نظام ڈویژن ۳۵ اوّل ردیف۔ ڈویژن اور ۱۹ سیکنڈ ردیف ڈویژن ۱ اور ۴ کیولری بریگیڈ بنائے۔

اس طرح سے ہر ایک کور (CORPS) کے ساتھ ایک کیولری ڈویژن مقرر ہوا اور باقی ایک کیولری بریگیڈ کو توڑ کر ہر خود مختار ڈویژن کے ساتھ ایک رسالہ متعین کیا۔

رضاکار سلحدار اس باقاعدہ فوج کے علاوہ اُس نے ۲۴ غیر منظّم رسالے بنانے کی تجویز بتائی۔ یہ تقریباً ویسے ہی تھے۔ جیسے کہ اُس زمانے میں حکومت برطانیہ نے ہندوستان میں رسالے بنائے جسے سلحدار رسالہ کہا جاتا تھا۔

یہ رسالے کُرد قوم کے تھے اور ان کا نام "حمیدیہ غیر منظّم رسالے" تھا کُرد قوم بہت ہی غیر منظّم اور خود مختار ——— مگر بہادر قوم تھی۔ لہٰذا ان رسالوں میں نظم رکھنا نہایت ہی مشکل تھا۔ یہ لوگ وحشی بربریت پسند اور جاہل تھے۔ مگر لڑنے میں نہایت ہی دلیر اور جانباز تھے۔

اس طرح فوج کو منظّم کرنے کے بعد جنرل وان ڈرگالٹز نے ان کو مختلف علاقوں میں متعین کیا

دفاعی منصوبہ اس منصوبے کو غور سے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اُس نے کتنی بڑی دفاعی دُور اندیشی سے کام لیا تھا۔ یعنی اُس نے ترکی کی تمام فوجی طاقت کو چار بڑے گروہوں میں اس طرح تقسیم کیا کہ ہر گروہ ہر کام اور ذمہ داری لینے کے لحاظ سے خود مختار تھا اور اس ہر گروہ کا افسر اعلیٰ فوجی انسپکٹر [illegible] تھا۔ جس کے پاس کام چلانے [illegible] دینے اور جنگ لڑنے کے لئے موزوں اور [illegible]

اسی طرح دو گروپ مشرقی تھے۔ جو کہ ایک انسپکٹر جنرل کے تحت ہونے کے باعث ایک گروہ بھی سمجھا گیا۔

دوسرا گروپ یورپی تھا۔ تیسرا گروپ عربستانی تھا اور چوتھا گروپ روس اور ایرانی محاذ کے لئے تھا۔

پہلا ملٹری گروپ یا فسٹ ملٹری ڈسٹرکٹ

نمبر ۱	آرمی کور ہیڈ کوارٹر	قسطنطنیہ
	فسٹ ڈویژن	قسطنطنیہ
	دوسرا ڈویژن	ہدریسکوئی
	تیسرا ڈویژن	سکوتری
نمبر ۲	آرمی کور ہیڈ کوارٹر	ایڈریانوپل
	نمبر ۴ اور ۵ ڈویژن	ایڈریانوپل
	نمبر ۶ ڈویژن	کرک کینی
نمبر ۳	آرمی کور ہیڈ کوارٹر	روڈوٹو اور بلیر
	ساتواں ڈویژن	روڈوٹو
	آٹھواں ڈویژن	بالیکیسر
	نواں ڈویژن	قلعہ جات گیلی پولی اور شمالی ساحل درۂ دانیال
نمبر ۴	آرمی کور ہیڈ کوارٹر	سمرنا
	دسواں ڈویژن	سمرنا
	گیارھواں ڈویژن	دنزلی

	بارھواں ڈویژن	برِدور
نمبر ۵	آرمی کور ہیڈ کوارٹر	انگورا
	تیرھواں ڈویژن	انگورا
	چودھواں ڈویژن	کستامونی
	پندرھواں ڈویژن	پُوسگت

اس منصوبے میں یہ اندازہ لگایا گیا تھا۔ کہ یہ پانچوں کور چار دن کے تھوڑے عرصے میں جنگ کے لئے تیار ہو کر انگورہ اور ایڈریانوپل کے درمیان کسی بھی جگہ پر جمع کی جا سکتی ہیں۔

سیکنڈ ملٹری ڈسٹرکٹ

نمبر ۶	آرمی کور ہیڈ کوارٹر	ایلیپو
	سولھواں ڈویژن	اڈانا
	سترھواں ڈویژن	بیبرت
	اٹھارواں ڈویژن	ایلیپو

جیسے ہی ترکی نے اعلان جنگ کیا۔ تو اُس نے ۱۷ اور ۱۸ ڈویژنوں کو ایلیپو میں جمع کیا۔

نمبر ۷	آرمی کور ہیڈ کوارٹر	
	انیسواں ڈویژن	ہوڈیڈیا
	بیسواں ڈویژن	صفا
	اکیسواں ڈویژن	اِسیر

	بائیسواں ڈویژن	حجاز ریلوے کی حفاظت کے لئے معان اور مدینہ کے درمیان
نمبر ۸	آرمی کور ہیڈ کوارٹر	دمشق
	تیئیسواں، چوبیسواں اور پچیسواں ڈویژن۔	سب دمشق کے قرب و جوار میں مقیم تھے۔
	چھبیسواں ڈویژن	ایلیپو اور دمشق کے راستے کی حفاظت پر متعین تھا۔
	ستائیسواں ڈویژن	ہیفا

۱۹۱۴ء کی جنگ میں اس آرمی کا سپہ سالار جمال پاشا تھا۔ اس فوج کا بڑا حصہ نہر سویز کے گرد جمع کیا گیا۔ انہوں نے بارشیبہ اور غازہ کو اپنے لڑاکا ہیڈ کوارٹر بنایا۔ تاکہ ایک طرف تو نہر پر حملہ کیا جا سکے۔ دوسرے مصر سے شام کے راستے پر نگرانی کی جا سکے۔

نمبر ۳ آرمی ڈسٹرکٹ

نمبر ۹	کور ہیڈ کوارٹر	ارزروم
	نمبر ۲۸ اور ۲۹ ڈویژن	دونوں قلعہ جات کی حفاظت کے لئے مقرر کئے۔
نمبر ۱۰	آرمی کور ہیڈ کوارٹر	آذربائیجان
	نمبر ۳۰ اور ۳۱ ڈویژن	آذربائیجان کے قرب جوار میں
	نمبر ۳۲ ڈویژن	سیواس میں

نقشہ کا غور سے مطالعہ کرنے سے پتہ چلے گا۔ کہ انگورہ، یوسگت، سیواس، آذربائیجان اور ارزروم مشرقی و مغربی خط ہیں اور ان کا آپس میں تقریباً ۱۲۰ میل کا فاصلہ جو اُن ایام میں تقریباً چھ یوم کا کوچ کا فاصلہ تھا۔ اس طرح سے پانچویں، نویں اور دسویں کور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کر سکتی تھیں۔ آمد و رفت کی سڑکوں کو کچھ بہتر بنا لیا گیا تھا۔ ایام جنگ میں (۱۹۱۴ء) ان کو اور بھی ترقی دی گئی تھی۔

نمبر ۱۱	آرمی ہیڈ کوارٹر	وان میں
	۳۳ ڈویژن	وان
	۳۴ ڈویژن	موش میں تھا

چوتھا آرمی ڈسٹرکٹ

نمبر ۱۲	آرمی کور ہیڈ کوارٹر	موصل
	۳۵ ڈویژن	موصل
	۳۶ ڈویژن	کرکوک میں تھا
نمبر ۱۳	آرمی کور ہیڈ کوارٹر	بغداد
	نمبر ۳۷ ڈویژن	بغداد
	نمبر ۳۸ ڈویژن	بصرہ

اس منصوبے پر ترکی فوج کو ان مقامات پر متعین کر کے جنرل وان ڈرگالٹز نے ملک کی حفاظت کے دفاعی منصوبے کو اسی طرح سے حل کیا۔ اُس نے مشرقی دو آرمی ڈسٹرکٹوں کا آپس میں الحاق کر کے ایک

گروہ بنا دیا۔ بالفاظ دیگر اُس نے تُرکی فوج کو تین حفاظتی کاموں کے لئے مخصوص کر دیا۔ اور وہ یہ ہے:۔

(i) عربستان کا علاقہ

(ii) رُوسی اور ایرانی علاقہ

(iii) یورپی حفاظتی منصوبہ

عربستان کا مرکز اُس نے دمشق کو تجویز کیا تھا۔ یہ گروہ سب سے زیادہ مضبوط تھا۔

جرنل وان ڈرگالٹز کا دفاعی منصوبہ یہ تھا۔ کہ جب عربستان کی فوج مصری علاقے کے دشمن پر حملہ کرے۔ تو دوسرے گروہ یعنی یورپی اور رُوسی و ایرانی محض بچاؤ کا منصوبہ اختیار کریں۔

اُمرا کا باہمی حسد و عناد

یہ دفاعی منصوبہ دانش مندی سے بھرپور تھا۔ مگر ترکی حکومت نے جرنل لیمان اُن سانڈرس کے اس منصوبہ پر حسد اور عناد کی بنا پر عمل نہ کیا

چنانچہ وان ڈرگالٹز ۱۸۹۳ء میں جرمنی واپس چلا گیا تھا اور اُسے جب دسمبر ۱۹۱۴ء میں واپس بھیجا گیا۔ تو اس نے یہ دیکھا۔ کہ علاوہ اور وجوہات کے ۱۲-۱۹۱۱ء کی لڑائیوں کے باعث اس کے بنائے ہوئے منصوبہ کی تکمیل نہیں ہوئی۔

مگر اس دفعہ وہ ماتحت کی حیثیت سے آیا تھا۔ اگر اس جرنل کے بارہ سالہ تجربے اور محنت پر دُور اندیشی سے غور کیا جاتا۔ تو ترکی مزید مشکلات میں نہ پڑتا۔

ترکی فوج کی جدید تنظیم

اُن ایام کے حالات پہ عیاں کرتے ہیں کہ انور پاشا ضرورت سے زیادہ جرمنی کا خیر خواہ تھا اور اس اندھی محبت نے اُس کے اپنے ملک کو تباہ کر دیا۔

۱ - لیمان وان سانڈرس نے ترکی کی فوج کو اب دوبارہ اس طرح جنگ کے لیے منظم کرنے کی تجویز تھی۔

۲ - قسطنطنیہ کی حفاظت کے لئے فسٹ آرمی جس میں چھ آرمی کور تھے۔ سیکنڈ آرمی جس میں دو آرمی کور تھے۔ اُسے شام بھیجا۔

۳ - تھرڈ آرمی جس میں تین آرمی کور تھے۔ اُسے کوہ قاف میں روسیوں پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا اور غازی انور کے حکم کے بموجب اس آرمی میں نہایت چیدہ افسر اور جواں بھیجے گئے اور ان کو بہترین سامان بھی دیا گیا اور نفری کے لحاظ سے بالکل پورے تھے۔

۴ - فورتھ آرمی جس میں صرف پانچ ڈویژن تھے۔ ان کو جمال پاشا کے ماتحت نہر سویز پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا گیا۔

۵ - عراق عرب میں دو آرمی کور اور یہاں کا آرمی کور صرف دو ڈویژن کا تھا۔ بھیجے گئے۔ نمبر ۱۲ کور کو موصل (MOSUL) اور نمبر ۱۳ کور کو بغداد میں متعین کیا۔ مگر تھوڑے عرصے کے بعد غازی انور نے اس فوج میں سے ۳ ڈویژن واپس بلا کر دو ڈویژنوں کو نہر سویز کی طرف بھیج دیا۔ ایک ڈویژن کو روسیوں کے خلاف کوہ قاف روانہ کر دیا۔

گیلی پولی ۷۵۵ھ یعنی ۱۳۵۴ء میں اپنے باپ عثمان خان اوّل کی وصیت کے مطابق سلطان اورخان نے گیلی پولی کے اہم قلعہ کو فتح کر کے درۂ دانیال اور تھریس کو فتح کر کے وہاں ترک اور عرب آباد کئے اور مسیحی یورپ میں اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی۔

آغاز جنگ

۱۹۱۴ء کے اتحادی دفاعی منصوبہ کے مطابق بحیرۂ وسطی کی حفاظت فرانس کے بحری بیڑے اور برطانیہ کے چند پرانے جنگی جہازوں کے قبضے تھی۔

جنوری ۱۹۱۵ء میں روس نے مدد کے لئے بار بار یہ چلّانا شروع کیا کہ ترکی کی فوج نے اس کا ناطقہ بند کر رکھا ہے اور اگر اسے ترکی پر جوابی حملے کرنے کے لئے بروقت امداد نہ دی گئی تو روس ختم ہو جائے گا۔ ایسی نازک حالت میں برطانیہ اپنے اتحادی کو کیسے اکیلا چھوڑ سکتا تھا۔

لارڈ کچنر نے جو برطانیہ کا کرتا دھرتا تھا۔ وار کونسل سے کہہ دیا کہ اس کے پاس بڑی فوج نہیں ہے۔ مگر اس نے مسٹر چرچل جو بحری بیڑے کا وزیر تھا۔ اتحادی بحری بیڑے سے ترکی پر حملہ کرنے کو کہا۔ تاکہ اس بحری بیڑے سے حملہ کر کے پہلے درۂ دانیال کے قلعہ جات کو مسمار کر دیا جائے اور پھر قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا جائے

پہلا بحری حملہ درۂ دانیال کے بیرونی حفاظتی قلعوں کو کسی قدر مسمار کرنے میں کامیاب رہا۔ مگر اتحادیوں نے اس

کامیابی کو خوب مشتہر کیا اور تمام دُنیا کو یہ یقین دلا دیا۔ کہ قسطنطنیہ چند یوم میں فتح ہو جائے گا۔ ۱۹ مارچ ۱۹۱۵ء کو اتحادی بحری بیڑے نے پوری طاقت سے دوبارہ حملہ کیا۔ تاکہ درۂ دانیال کو تسخیر کر کے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ مگر اس حملے میں تین بڑے لڑاکا جنگی جہاز برطانیہ کے اور دو بڑے جہاز فرانس کے غرق ہو گئے۔ علاوہ ازیں اتحادیوں کے کئی اور چھوٹے اور بڑے جہاز بہت بُری طرح ناکارہ ہو گئے۔ اتحادیوں کے لئے یہ شکست بہت ناقابلِ برداشت تھی۔ کیونکہ اب وہ پہلے بیانات کی بنا پر اس بُری طرح سے ہارنے کی کیا وجوہات یا عذر بیان کر سکتے تھے۔ گو دفاعی نظریہ سے بحری بیڑے کا یہ نقصان صحیح معنوں میں کوئی بڑی حقیقت نہ رکھتا تھا۔ کیونکہ یہ بڑے جنگی جہاز قدیانوسی قسم کے تھے اور ان کا صحیح استعمال صرف نمائشی رہ گیا تھا۔ کیونکہ ان جہازوں میں لڑنے کا دم باقی نہیں رہا تھا۔ مگر اتحادیوں کا پراپیگنڈہ چونکہ اُن کے خلاف ثابت ہوا۔ اس لئے اس نقصان کی اہمیت عوام کی نظروں میں بہت ہی زیادہ تھی۔

اس ہزیمت کی تلافی کرنے کی غرض سے لارڈ کچنر نے اتحادی فوجوں کو درۂ دانیال میں بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

تُرک خوابِ غفلت میں مگر ترکی کی حکومت نے اس اتحادی بحری حملے کے باوجود کوئی مزید حفاظتی کارروائی نہیں کی۔ کیونکہ خوف و ہراس نے اُن کو اس قدر بے دست و پا

کر دیا تھا کہ حکومت ترکی نے یہ فیصلہ کیا کہ درہ دانیال کی حفاظت کے بیرونی قلعے خالی چھوڑ دئے جائیں۔ اور ایک نئی حفاظتی تدبیر عمل میں لائی جائے۔ مگر اس دفاعی منصوبے کی جب لیمان وان سانڈرس نے سخت مخالفت کی۔ تو غازی انور نے اراکین حکومت سے کہا۔ کہ وہ اُن کی رائے سے موافقت نہیں کرتا ہے۔ جب ۱۸ مارچ کے بعد اتحادیوں نے کوئی مزید فوری حملہ نہ کیا تو سب کا یہ خیال ہوا۔ کہ اتحادی اب بُری طرح حملہ کریں گے۔ اس قسم کی افواہیں بہت مشہور بھی تھیں۔

ترک بیدار ہوئے ۲۵ مارچ کو غازی انور پاشا نے قسطنطنیہ کو بچانے کی ٹھان لی۔ اور اس کام کو جرنل لیمان وان سانڈرس کے ذمہ دے دیا۔ لیمان وان سانڈرس کے سٹاف افسر کا بیان ہے کہ اس جرنل نے کہا تھا۔ کہ "اگر اتحادی اُسے جنگ کی تیاری کے لئے ایک ہفتے کی بھی مہلت دیں۔ تو پھر وہ ان کو مزا چکھا دے گا۔ اتحادیوں نے ترکی پر چار ہفتوں تک حملہ نہ کیا اور ان ایام میں اس جرمن جرنل نے قسطنطنیہ کے علاقے کی حفاظتی فوج کو چھ گنا بڑھا دیا اور اس نے تمام بکھری ہوئی فوج کو یکجا اکٹھا کیا۔ تاکہ اُسے اسی طرح دوبارہ تقسیم کیا جائے۔ کہ جہاں کہیں دشمن حملہ کرے اُس کی مدافعت کی جا سکے۔ اس منصوبے کو تیار کرنے کے لئے اُسے اس بات کا اندازہ لگانا پڑا کہ دشمن کہاں کہاں حملہ کرنے کی کوشش کرے گا اور کون کون سے مقامات پر اس بات کا زیادہ امکان ہے۔

جرنل لیمان وان سانڈرس کا دفاعی منصوبہ

ایشیائی محاذ۔ ایشیائی ساحل

پر حملہ ہونا آسان ہے اور چونکہ اس راستے سے اُس کے عقب پر حملہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ حصہ بہت خطرناک ہے۔ لہٰذا اس نے یہاں پر دو ڈویژن متعین کئے۔ یہ نمبر ۱۳ (تیرہ) اور ۱۱ (گیارہ) ترکی ڈویژن تھے اور خلیج بیکا کے قرب میں ان کو متعین کیا گیا۔

یورپی محاذ یورپی محاذ کی جانب سے اُسے جزیرہ نما کے سر کے قریب بُلیر اور کاوک شہروں کے نزدیک دشمن کی فوج کے اُترنے کا خدشہ تھا۔ بُلیر کے پاس جزیرہ نما کا حصہ صرف تین میل چوڑا ہے اور اگر دشمن یہاں قابض ہو جائے تو جزیرہ نما کی حفاظتی فوج کو تھریس اور قسطنطنیہ کی فوج سے بالکل علیحدہ کر سکتا ہے اور ترکی کمک اور خوراک کا انتظام بہت مشکل ہوگا۔ اس لئے جرنل وان سانڈرس نے دو ڈویژن نمبر ۵، ۱۲ اور نمبر ۷ یہاں متعین کئے۔ دو اور ڈویژن نمبر ۹ اور نمبر ۱۹ اُس نے گاباٹاپی کے قریب متعین کئے تاکہ راس ہیلس اور آچی بابا کی پہاڑیوں کی نگرانی کی جا سکے۔ ان دونوں ڈویژنوں میں جرنل سانڈرس نے ایک ڈویژن کو تمام ساحل کی حفاظت کیلئے تقسیم کر کے لگا دیا اور دوسرے ڈویژن کو اُس نے لیفٹیننٹ کرنل مصطفےٰ کمال (بعد ازاں اتاترک) کے زیر کمان بطور ریزرو (کمک) آچی بابا کے قرب و جوار میں رکھا۔

اس منصوبہ کا مقصد ترکی سالار کا منصوبہ گو بچاؤ کا تھا۔ مگر اس منصوبے کا مقصد یہ تھا۔ کہ جہاں بھی اتحادی

حملہ کریں۔ وہاں کمک کے ذریعہ مدد پہنچا کر اُن کے حملے کو ناکام بنا دیا جائے۔ کیونکہ اُسے یہ خوب معلوم تھا کہ اتحادیوں کے پاس ایک زبردست طاقت یہ ہے کہ بحری بیڑے کی مدد سے کافی بڑی تعداد میں فوج کو کسی معینہ جگہ پر اُتار کر حملہ کر سکتے ہیں اور وہ معینہ جگہ کوئی بھی ہو سکتی ہے لہٰذا ترکی فوج کی نقل و حرکت آسان کرنے کی غرض سے اُس نے نئی سڑکیں بنائیں اور جو موجودہ سڑکیں تھیں۔ اُن کو بہتر بنایا گیا۔ گو یہ نئی سڑکیں محض کچے راستے تھے۔ مگر ایسے دشوار گذار علاقے میں ایسے راستوں کا ہونا بھی بڑی نعمت تھا۔

جرنل ہملٹن کی آپ بیتی

اتحادی فوجوں کا سپہ سالار جرنل آئن ہملٹن تھا۔ اُس کی اپنی لکھی ہوئی ڈائری کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اتحادی کسی حد تک ترکی حالات سے ناواقف تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ جیسے ہی ترکی فوج اتحادی بحری بیڑہ دیکھے گی۔ وہ ہمت ہار کر ہتھیار ڈال دے گی۔ علاوہ ازیں برطانیہ نے ترکی پر حملہ کرنے کا کوئی دفاعی سیاسی منصوبہ امن کے زمانے میں تیار نہ کیا تھا۔ اور جنگ چھڑ جانے کے بعد بھی اتحادیوں نے اس طرف کوئی خاص توجہ نہ کی اور اس عدم توجہ کی وجہ سے برطانیہ کو بالخصوص اور فرانس کو بالعموم بہت ہی گراں قیمت ادا کرنی پڑی۔ ان دونوں طاقتوں نے جہاں اور یورپی طاقتوں کے خلاف امن کے زمانے میں نہایت باریک بینی اور دور اندیشی سے مکمل دفاعی سیاسی منصوبے

بنا کر ان کو فن حرب کے منصوبوں کی بنا پر پوری پوری تیاری دے رکھی تھی۔ وہاں ترکی کے خلاف اتحادیوں نے نہایت کوتاہ اندیشی سے کام لیا۔"

ہملٹن کی ڈائری یہاں جرنل ہملٹن کی ڈائری کا حوالہ کئی وجوہات کی بنا پر دلچسپ ہوگا اور کچھ نہیں تو ہمیں کم از کم یہ کے وزیر دفاع اور کمانڈر انچیف اور اتحادی فوج کے سپہ سالار کے جذبات کا پتہ چل جائے گا۔ چونکہ ہم نے یہ کتاب خصوصاً پاکستانی باشندوں کے لئے لکھی ہے۔ اور انہی باشندوں سے ہی ہمارے رہنما اور وزیر دفاع بنتے ہیں۔ لہٰذا مفصلہ بالا حوالے کو امید ہے وہ بغور پڑھیں گے۔

جنوبی افریقہ کی لڑائی کے بعد رائل کمشن بٹھایا گیا تھا تاکہ اس لڑائی کی خامیوں کے وجوہات معلوم کرے۔ درۂ دانیال کی ناکامی پر بھی ایک رائل کمشن بٹھایا گیا۔ جنرل ہملٹن نے پہلے کمیشن کے سامنے ایک آزاد مگر دفاعی ماہر کی حیثیت سے ایک بیان دیا تھا۔ جو بہت ہی لمبا۔ مدلل اور سبق آموز تھا۔ دوسرے کمشن میں جرنل ہملٹن کو اپنی شکست کی جواب دہی کرنی تھی۔

لہٰذا اپنی ڈائری لکھنے کے وجوہات یہ دیتے ہیں کہ:۔

کہ محکمہ سول کے ججوں کے سامنے مجھے اس بات کا یقین ہوگیا۔ کہ فوجی کاروائی اگر تحریر میں نہیں لائی جاتی۔ تو محض حافظے کی بنا پر وہ بہت خطا پذیر ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ ڈائری میں نے ان وجوہات کی بنا پر لکھی ہے۔

۱۔ کہ کسی لڑائی کے نتیجے کے متعلق یہ قطعی طور سے نہیں کہہ سکتے۔ کہ فتح کون سے فریق کو ہوگی

۲۔ فاتح سپہ سالار سے کوئی سوال نہیں پوچھتا۔ مگر شکست خوردہ فوج کو ہر بات کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔

۳۔ سپہ سالار عموماً شکست کھانے کا وہم و گمان بھی نہیں رکھتے۔ لیکن امر واقع یہ ہے کہ فتح و شکست اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا اپنے دفاعی ارادے، دفاعی منصوبے۔ احکام۔ حقیقت واقعہ اور تاریخیں نہایت احتیاط سے یاد رکھنی چاہئیں اور ان کو لکھ لینا چاہیئے

لب لباب بالفاظ دیگر مفصلہ بالا حوالے کا لب لباب یہ ہے کہ اپنے خیالات کو ایک نوٹ بک میں بطور یادداشت تحریر میں محض اپنی ضرورت کی خاطر محفوظ رکھو۔ جنوبی افریقہ کی لڑائی کے کمیشن کے تجربے کے بعد جب میں منچوریا گیا۔ تو میں نے سب باتیں نوٹ بک میں لکھیں۔ لہٰذا اب میں وہ دانیال جانے وقت بھی ایسا ہی کر رہا ہوں۔ میرا استاد لارڈ رابرٹس تھا۔ جس نے مجھے یہ سکھلایا۔ کہ جب سرکاری چٹھیاں، تار اور احکام سب جگہ بھیجے جاتے ہیں تو وہ پرائیویٹ نہیں رہتے۔ چونکہ ان احکامات پر قوم کی فلاح، زندگی اور موت کا انحصار ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ احکامات حکومت کے لحاظ سے تو "SECRET" مخفی ہو سکتے ہیں۔ مگر ڈائری کے نوٹ اور یادداشتیں کبھی پرائیویٹ (PRIVATE) یعنی شخصی نہیں کہلائی جا سکتیں

اور قانونی لحاظ سے صرف شخصی یادداشت ممنوع ہے۔۔۔۔۔ لکھی ہوئی یادداشت نے مجھے بڑی مدد دی اور وکلاء اور جج ایک ٹکڑے کاغذ پر لکھی ہوئی یادداشت کے آگے کئی بار ہار مان گئے۔۔۔۔ چونکہ یہ واقعات اُس وقت لکھے گئے جب لڑائی کے سماں کا اثر موجود تھا۔ لہٰذا یہ بہت مفید ہیں۔۔۔۔۔ میں اس یادداشت کو اس لئے ابھی شائع کر رہا ہوں کہ اس لڑائی کے مُردے زمین دوز ہیں۔ اُن کی زبانیں بند ہیں اور میں یہ نہیں چاہتا۔ کہ میری موت کے بعد یا تو اس یادداشت کو آگ کے سُپرد کر دیا جائے اور اگر شائع بھی ہو۔ تو اُس کی تردید کرنے والوں کو جواب کون دے سکے گا۔ انسان جب تک زندہ ہے۔ وہ باعمل ہے۔ موت کے بعد خاموشی ہی خاموشی ہوتی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ اس یادداشت کے پڑھنے کے بعد ہی میری قوم میرے متعلق رائے زنی کرے۔۔۔۔۔"

مُصنّف یہ نصیحت ہم اپنے ذاتی تجربے سے کہہ سکتے ہیں کہ بہت ہی مفید ہے۔ میں (راقم) ۱۶½ برس کی عُمر میں میسوپوٹیمیا (عراق) کی لڑائی میں شامل ہوا۔ جہاں ایک مرتبہ میں نے اپنے اعلےٰ افسر کی جان بچانے کی کوشش کی۔ اُس نے مرنے سے قبل ریکٹ اکٹر سے میری مدد کا شکریہ ادا کیا۔ بعد ازاں میں نے ایک توپ خانے کی دو توپیں دُشمن کی فوج سے چھڑائیں۔ اس واقعے کے تھوڑے عرصے بعد میں دُشمن کی گولی سے (گھوڑے کے مارے جانے کے باعث

گھوڑے کے نیچے آگیا اور بے ہوش ہوگیا۔ دشمن نے مجھے گرفتار کرلیا۔ مگر میں دوسرے ہی دن وہاں سے جان بچا کر اور بھاگ کر واپس آگیا اس اثنا میں میری محنت کا ثمرہ دوسروں کو مل گیا تھا۔ میں نوجوان تھا اور مجھے اس بات کا احساس نہ تھا کہ واقعی میں نے کوئی کارنمایاں کیا ہے۔ جب لڑائی ختم ہوئی۔ تو ہمیں اس چوٹ کے اثرات کی بنا پر ڈاکٹر نے ہسپتال بھیج دیا۔ ہمیں اتفاق سے معلوم ہوا کہ ان ایام میں جبکہ جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا کسی مریض کو میدان جنگ سے ہندوستان نہیں بھیجتے تھے۔ تو پھر ہمیں کیوں بھیجا گیا ہے۔ ۱۹۱۷ء میں ہمیں زبردستی پنشن پر بھیج دیا گیا۔ ہماری عادت تھی کہ سب واقعات اپنے والد بزرگوار کو مفصل طور سے لکھتے اور ہم نے ساتھ ہی اس توپ خانے کے افسر اور مرحوم افسر کی چٹھیاں بھی والد صاحب کو بھیج دیں۔ انہوں نے یہ چٹھیاں اپنے پرانے رفقا کو دکھلا دیں۔ یہ فوج میں بہت اعلیٰ افسر تھے۔ لہٰذا ہم دوبارہ نہ صرف فوج میں لے لئے گئے۔ بلکہ انہی نمایاں جنگی خدمات کے صلے میں ہمیں شاہی کمیشن ملا۔ یہ اعزاز جہاں تک ہم کو علم ہے کسی ہندوستانی کو نہ ملا تھا خصوصاً یہ کہ ہم بحیثیت شاہی کمیشن افسر اپنے پرانے رسالے میں متعین ہوئے۔

ایک اور واقعہ لیکن اس سے بھی زیادہ قریبی زمانے کا واقعہ یہ ہے کہ ہم ۱۹۳۷ء میں فقیرانی کے خلاف وزیرستان میں جنگ کر رہے تھے۔ ہماری فوج مقام پاسل (PASAL) جہاں

تعمیراتی کا غار اور ہیڈ کوارٹر تھا پہنچی۔ کام ختم ہونے پر ہم نے اپنے فوج کے جرنل سے عرض کیا کہ بہتری اسی میں ہے۔ کہ فالتو سامان کو جلا دیا جائے۔ تاکہ باربرداری ہلکی ہونے کے باعث جلد سے جلد گوریلا پڑاؤ پر واپس چلی جائے گی اور فوج کو اس وجہ سے دشمن کی طرف سے نقصان پہنچنے کا احتمال نہ ہوگا۔ ہمارے جرنل نے یہ بات مان لی۔ ہم نے اپنی ڈائری میں اس گفتگو اور اس حکم کا جس پر ہم نے جرنل کے دستخط لئے تھے۔ نمبر اور تاریخ اور لب لباب لکھ لیا۔

انگلستان میں

۱۹۴۱ء میں جب ہم ڈنکرک کے بعد انگلستان میں تھے۔ تو ملٹری اکاؤنٹ کے محکمے نے ہماری اس کارروائی پر اعتراض کرتے ہوئے نقصان کا ذمہ وار ٹھہرا کر تنخواہ سے تمام روپیہ وصول کرنے کی دھمکی دی۔ تو ہم نے اس بار اپنی اہلیہ صاحبہ کو لکھا۔ کہ اس ڈائری کی نقل ہندوستان میں مذکورہ جرنل صاحب کو بھیجا دیں ہم نے اس کئی ہزار روپے کے جرمانے کی دھمکی کے بارے میں پھر ایک لفظ بھی نہ سنا۔ لہٰذا ہمارا تجربہ یہ بھی بتلاتا ہے۔ کہ ہر افسر کے لئے ڈائری رکھنی بہت ہی ضروری ہے۔

جرنل ہلٹن لکھتے ہیں

مجھے ۱۲ مارچ کو لارڈ کچنر نے بلا بھیجا۔ جب میں اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ کچھ لکھ رہے تھے۔ میں نے سلام کیا اور ان کی میز کی طرف گیا۔ جہاں وہ بیٹھے ہوئے کام کر رہے تھے۔ ... انھوں نے مجھ سے یہ کہا۔ کہ ہم دنیا

ہیں ایک فوجی مہم بھیج رہے ہیں اور تم (ہیملٹن) اُس کے کمانڈر ہوگے"۔

کچنر اور میں نے کئی سال مختلف مہمات میں اکٹھا کام کیا ہے اور میں ان کے طرز بیان و عمل کو خوب پہچانتا تھا۔ لہٰذا غالباً اس دفعہ بھی لارڈ کچنر یہ چاہتا تھا۔ کہ میں یہ حکم پاکر سلام کرکے اس مہم پر رخصت ہو جاؤں۔ مگر میں آج سے تیرہ سال پہلے کی طرح سے کارروائی نہ کرسکتا تھا۔ کیونکہ حالات اب مختلف تھے۔ چونکہ میں کچنر کے ہمراہ جنوبی افریقہ کی جنگ میں عرصہ سے حصہ لے رہا تھا۔ لہٰذا مجھے تمام حالات نہایت باریکی سے معلوم تھے۔ اس لئے مختصر سے احکامات کی تعمیل آسان تھی۔ مگر درہ دانیال جانے کے متعلق نہ میرے وہم و گمان میں تھا اور نہ ہی لارڈ کچنر نے مجھے اشارۃً یا کنایتہً کبھی بتایا تھا۔ لہٰذا جب میں وہاں کھڑا رہا۔ تو لارڈ کچنر نے اپنا سر اٹھایا اور کہا "ڈیل"۔

اس کے جواب میں میں نے لارڈ کچنر سے بہت سے سوالات کئے اور تفصیلات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا مطالبہ کیا۔ لارڈ کچنر کو میرا یہ رویہ پسند نہ آیا۔ مگر بوجہ مجبوری اُس نے تفصیل سے مجھے یہ بتایا۔ کہ میرے ساتھ آسٹریلیا کی ۳۰،۰۰۰ فوج ہوگی۔ ۱۹،۰۰۰ نئی برطانوی فوج ہوگی۔ ۱۱،۰۰۰ رائل نیوی ڈویژن ہوگا اور ایک فرانسیسی ڈویژن ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ لارڈ کچنر اب باتیں کرنے لگا۔ اور آخر کار مجھ سے باتیں کرتا جاتا تھا اور کمرے میں ٹہلتا جاتا تھا۔ ۔ ۔ جب میں نے فوج کے متعلق کچھ اور بحث کی۔ تو لارڈ کچنر بگڑ گیا اور غصہ میں بہت

کچھ کہہ گیا۔ ۔ ۔ ۔ مگر میں نے مؤدبانہ عرض کیا۔ معلوم نہیں کیوں فرانسیسی حکومت مجھے اس مہم کے لئے دو برطانوی ڈویژن نہیں دیتی۔ کیونکہ وہ بہت اعلیٰ اور آموزدہ فوج ہے اور وہ لوگ فرانس میں بیکار اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔

لارڈ کچنر کچھ کہنے کو تھا۔ کہ کالوبل اندر آیا۔ لہٰذا کچنر مجھے گھورتے ہوئے خاموش رہا اور اب نقشے کی طرف بڑھا۔ کالوبل نے اس دفاعی منصوبے کو دہرانا شروع کیا۔ جو کہ یونانیوں نے ترکی پر ۱،۵۰،۰۰۰ فوج سے حملہ کے لئے تیار کیا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لارڈ کچنر نے کہا۔ اتنی فوج کی ضرورت نہیں۔ اس فوج سے نصف نفری اس مہم کو کامیابی سے ختم کر سکتی ہے۔ کیونکہ ترکی فوج دوسرے محاذ میں پھنسی ہوئی ہے۔ غالباً زبردست بحری بیڑے کی موجودگی میں ہملٹن کو اپنی فوج کو جہازوں سے اتارنے کی بھی ضرورت نہ ہوگی اور اگر کسی وجہ سے فوج کو بحری بیڑے کی مدد سے حملہ کے لئے ساحل پر اتارنا بھی پڑے۔ تو تم جہاں چاہو اور جب چاہو اپنی فوج کو دشمن کے علاقے میں اتار سکتے ہو۔

میں نے لارڈ کچنر سے عرض کیا۔ کہ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ بحری بیڑہ کی ایک یا دو غوطہ مار کشتیوں کو حکم دیں۔ کہ غوطہ مار کر اچانک بحیرہ مارمورہ میں نمودار ہوں۔

کچنر کی خوش فہمی اس پر لارڈ کچنر نے کہا۔ کہ اگر ہماری ایک غوطہ مار کشتی بھی بحیرۂ مارمورہ میں نمودار ہو کر تین بار یونین

جیک کا جھنڈا لہرائے۔ تو تمام درۂ دانیال کے حفاظتی قلعے ہتھیار ڈال دیں گے اور ترکی فوج سر پر پاؤں رکھ کر اندرونی علاقے میں اس طرح بھاگے گی۔ کہ بلیر جھاؤنی تک دم نہ لے گی۔

جنرل ولف مری چیف آف امپیریل جنرل سٹاف اور جنرل آرچی مری اس دوران میں حاضر ہوئے۔ یہ پہلی بار تھی کہ انہوں نے درۂ دانیال پر مہم کی روانگی کے بارے میں کچھ سنا تھا۔ لہٰذا دونوں نہایت حیرت زدہ ہو گئے اور مجھے جہاں تک یاد ہے دونوں دم بخود رہے اور دونوں میں سے کسی نے بھی ایک لفظ منہ سے نہ نکالا۔

جنرل برتھوویٹ نے صرف ایک ہی بار لارڈ کچنر سے یہ درخواست کی کہ یہ بہت ضروری ہے۔ کہ اتحادیوں کی (فضائی) ایئر فورس ترکی ایئر فورس سے طاقتور ہو۔ کیونکہ اگر ہمیں لڑائی کرنی پڑی۔ تو طاقتور ایئر فورس کے بغیر مہم کا سر کرنا مشکل ہوگا اور اس نے اپنی درخواست کو نہایت پُرزور اور مدلل طریقے سے لارڈ کچنر کے سامنے پیش کیا۔

اس کے جواب میں لارڈ کچنر نے نہایت سخت نظروں سے اُسے پلٹ کر دیکھا اور بُرے لہجے میں کہا۔ "ایک جہاز بھی نہ دوں گا"۔

اس بم کے پھٹنے کے بعد مجھے معلوم نہیں۔ کہ لارڈ کچنر نے کیا کیا کہہ ڈالا بہرحال میں ضروری باتیں نوٹ کر لیتا ہوں۔ جو مجھے یاد ہیں:۔

۱۔ بحری فوج کو یاد رکھنا لازمی ہے۔ کہ اس مہم پر اُن کی ذمہ داری نمبر ۲ کی ہے۔ کیونکہ بحری بیڑے کو یقین ہے۔ کہ وہ درہ دانیال کے اندر بلا مقابلہ زبردستی گھس جائیں گے اور یہ مہم اس نظریہ کے تحت بھیجی گئی ہے اور وُزرا اُس وقت تک فوج کی کارگذاری کے متعلق کچھ خبریں سُننا نہیں چاہتے۔ جب تک کہ بحری بیڑہ درہ دانیال سے گذر نہ جائے۔ لیکن اُس صُورت میں کہ امیرالبحر ناکام ہو جائے۔ بحری فوج کو ہلّہ بولنا پڑے گا۔

۲۔ اور جب فوج کو استعمال کرنے کی ضرورت پڑے۔ تو مجھے یہ یاد رکھنا ہے کہ حملہ چاہے درہ دانیال پر ہو یا ہاسفورس پر۔ مگر مجھے کسی صُورت میں اُس وقت تک دُشمن پر حملہ نہ کرنا چاہیئے۔ جب تک کہ میری تمام بری فوج جمع نہ ہو جائے اور کسی حالت میں بھی فوج کی ٹکڑیاں بنا کر لڑانے کی مجھے اجازت نہیں دی گئی۔

۳۔ اور جب فوج کو لڑنا پڑے۔ تو پھر نہایت دلیری اور بیباکی سے لڑنا چاہیئے۔

۴۔ ایشیائی حصّہ (مملکت ترکی) میں مجھے فوجیں اُتارنا منع ہے اور اس بارے میں لارڈ کچنر نے خاص ہدایت کی تھی۔ ۔ ۔ ۔ گو میں ایشیائی حصّے پر فوجیں اُتارنے کا خواہشمند تھا۔ اور اس خطرناک ذمہ داری کو اُٹھانا چاہتا تھا مگر۔ ۔ ۔ اس کے بعد لارڈ کچنر نے مجھ سے یہ سوال کیا۔ کہ جب بحری بیڑہ ماموزہ میں پہنچ جاؤں گا۔

تو کون سے راستے سے قسطنطنیہ پر حملہ کروں گا اور اس شہر پر قابض ہونے پر کس طرح سے اور کس دفاعی منصوبے سے اُس کی آئندہ حفاظت اور بچاؤ کروں گا۔ ۔ ۔ ۔ یہ سوال بہت اچانک تھا۔ بہرحال میں نے عرض کیا۔ کہ اگر قسطنطنیہ کی حفاظت کمزور ہوئی۔ یعنی جیسا کہ آپ کا (کچنر) خیال ہے کہ ترکی فوج اور جگہ مصروف ہے۔ تو میں اچانک اور کامیاب حملے سے چاٹالجا کے مشہور مورچہ پر جنوب کی طرف سے داخل ہو جاؤں گا۔ پیشتر اس کے کہ ترکی کی امدادی فوج شمال کی جانب سے اس شہر میں داخل ہو سکے۔

لارڈ کچنر نے اس بات کو سُن کر مضحکہ خیز شکل بنائی اور کہا اس تدبیر کا انحصار اتفاق پر ہے۔" میری (کچنر کی) رائے میں جب ہمارا بحری بیڑہ درۂ دانیال سے پار ہو جائے گا۔ تو درۂ دانیال اور قسطنطنیہ والے خود بخود صلح کے لئے درخواست کریں گے۔ کیونکہ موجودہ زمانے کا قسطنطنیہ ایک ہفتے بھر کا بھی محاصرہ برداشت نہ کر سکے گا بشرطیکہ ہم نے اُس کی سمندر اور زمین کی طرف سے مکمل ناکہ بندی کر دی۔

کچنر کو اس کا مکمل یقین ہے اور وہ یہ رائے بہت وثوق سے بیان کر رہا ہے۔ کیونکہ ہمارا بحری بیڑہ ترکی کے قلعوں کی توپوں کی مار سے دُور رہ کر ترکی کی آمد و رفت کے راستوں، ریلوں کو اپنے گولوں کی مار سے ناقابل استعمال بنا سکتا ہے اور اگر ضرورت ہوئی تو قسطنطنیہ کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتا ہے۔

اسلام بول کی آبادی علاوہ ازیں اس شہر کے باشندے عثمانی ترک نہیں ہیں اور مسلم آبادی اس شہر میں بہت کم ہے لہٰذا ہمارے جہازوں کے دھوئیں ہی کو دیکھ کر شہری باشندے بغاوت کا علم اٹھائیں گے لیکن اگر کسی نامعلوم وجہ سے ترکی فوج نے مدافعت کی۔ تو اس صورت میں باسفورس کی ایشیائی سمت کے ساحل پر فوجوں کو اتارا جائے۔ تاکہ روسی فوج بحیرۂ اسود کی جانب سے فوجیں اتار کر ہماری مدد کر سکے۔ لیکن باوجود اس مشورے کے میں (کچنر) یہ چاہتا ہوں کہ چونکہ تم خود موقع پر موجود رہو گے لہٰذا جو اس وقت مناسب سمجھو۔ اس پر کارروائی کرو۔" اب لارڈ کچنر نے دوسرے افسروں کو جانے کا اشارہ کیا اور جب وہ چلے گئے۔ تو مجھ سے یہ فرمایا کہ جیسے ہی ہم قسطنطنیہ پر قابض ہو جائیں گے تو روس اور فرانسیسی حکومتوں کو بے حد حسد اور جلن ہو گی۔ خوش قسمتی سے حکومت برطانیہ کا مرحلہ آسان سا ہے اور ہم جس قدر اس بدمزگی کو دور کر سکیں۔ اتنا ہی بہتر ہو گا۔ مجھے (کچنر کو) یقین ہے کہ فرانسیسی ہمارے وزراء پر دباؤ ڈالیں گے۔ کہ ہم ۲۹ ڈویژن اور گری ڈویژن کو فوراً فرانس کے جنگی میدان کی جانب روانہ کریں۔ اس لئے میری رائے میں یہ مناسب ہو گا کہ ہم روس اور فرانسیسی فوجوں کو قسطنطنیہ کی حفاظت کرنے کا ذمہ دار ٹھہرائیں اور ان دونوں کو آپس میں نپٹ لینے دیں۔ تاکہ یہ

دونوں جس وقت سینٹ صوفیہ کے گرجا میں نغمۂ الاپ رہے ہوں گے
ہم ریلوے پر قابض ہو چکے ہونگے اور بہت ممکن ہے کہ اس وقت
تک ایڈریانوپل پر بھی ہمارا قبضہ ہو جائے۔ اس طرح سے ان
حکومتوں کی فوجیں جس وقت اپنے حال میں سرگرداں

ہوں گی۔ ہم اپنی فوجوں کو مغربی جنگ میں شامل کر سکیں گے۔ یعنی
ہم اپنی فوجوں کو اڈریسا کے قریب ساحل پر اتار کر قسطنطنیہ کی
طرف سے آگے بڑھائیں گے۔ اس طرح سے ایک طرف تو اتحادیوں
کا جرمنی پر قبضہ زیادہ کارگر ہوگا۔ دوسرے بحیرۂ اسود اور بحیرۂ وسطیٰ
کی آمد و رفت کا راستہ ہمارے قبضہ میں ہوگا۔
چرچل تقریباً ایک گھنٹہ اس بارے میں بولتا رہا۔ لہٰذا میں یہاں
پر اس گفتگو کا دسواں حصہ بھی نہیں لکھ سکا ہوں۔ ہاں میں نے ضروری
امور کا لب لباب ضرور لکھ دیا ہے۔
میں نے لارڈ کچنر کے ساتھ کئی برس گذارے ہیں اور وہ ہمیشہ
نہ تو وزیر دفاع اور نہ ہی کمانڈر انچیف بننا چاہتا تھا۔ مگر تقدیر نے
یہ دونوں عہدے اُسے ایک ہی وقت میں دے دیئے۔
اس لڑائی سے قبل جب بھی لارڈ کچنر سے باتیں ہوئیں۔ تو

اُس نے ہمیشہ یہ خواہش ظاہر کی۔ کہ یا تو اُسے ہندوستان کا وائسرائے بننے کی آرزو ہے یا پھر ترکی میں برطانیہ کا سفیر بننے کی خواہش ہے۔ اگر کچنر وائسرائے ہوتا۔ تو وہ یقیناً ہندوستانی فوج کی ایک آرمی کے بعد دوسری آرمی کو فرانس بھیج کر لڑائی فتح کر لیتا۔ اور اگر وہ ترکی سفیر ہوتا۔ تو مجھے یقین ہے کہ نہ تو غازی انور اور نہ ہی طلعت پاشا کو کچنر کو ناراض کرنے کی ہمت ہوتی۔ اور اس لئے اس جنگ میں ترکی ہمارے خلاف دشمن کے ساتھ مل کر لڑائی نہ لڑتا۔

میں یہ وثوق سے کہتا ہوں۔ کہ کچنر کی ہمیشہ سے یہ تمنا رہی۔ مگر یہ جگہیں اُسے دینے کی بجائے اُسے ایسی جگہ لگا دیا۔ جہاں کہ وہ بطور خود اجنبی تھا۔ ہاں اُس کی شہرت بہت تھی اور حکومت اور کام لینے کا مادہ اُس میں بہت زیادہ تھا۔

وار آفس میں اب لارڈ کچنر اس زبردست انجن کی طرح تھا۔ جس کے سب کنٹرول ریگولیٹر اور سیفٹی والو ہٹا لئے گئے ہوں۔ اس ناتجربہ کاری پر بھی یہ دیکھئے۔ کہ اُس نے کس حیرت انگیز طریقے سے سب کام نہایت ہی کامیابی اور میانہ روی سے چلایا ہے۔

ہملٹن کا افسوس مجھے یہ ہرگز یقین نہ آ سکتا تھا۔ کہ ہماری نہایت کامیاب مشن جس کے بڑے بڑے پُرزے لیٹلٹن، نکلسن، فرنچ، ڈگلس سے جیسے قابل اشخاص تھے۔ اس قدر جلد اور ایسی بُری طرح سے پاش پاش ہو جائے گی۔ کہ اُس کا

پتہ اور نشان تک نہ رہے گا۔ ان کے نہایت عرق ریزی سے بنائے ہوئے ترکی پر بحری اور بری افواج سے حملہ کرنے کے دفاعی منصوبے کیا ہوئے؟ اُن کا کہیں پتہ اور نشان تک باقی نہیں ہے اور نہ ہی خفیہ نگاروں کی اطلاعات مکمل قلمبند ہیں اور نہ ہی خبر رسانوں کے مراسلات موجود ہیں۔ اب سوائے چند ٹیکسٹ بکس یعنی درسی کتابوں کے یہ دفاتر خالی ہیں اور یہ کتابیں بیکار سی ہیں۔ ان حالات میں لندن میں بیٹھ کر کوئی بھی دفاعی منصوبہ بنانا بالکل بیکار ہے۔ کیونکہ دفاعی منصوبہ بنانے کے لئے سیاسی۔ بحری۔ بری اور جغرافیہ کی رُو سے معتبر اور مفصل حالات ایسا منصوبہ بنانے والے کے لئے دستیاب ہونے چاہئیں۔ اور وہ یہاں موجود نہیں ہیں۔

وزیر دفاع کی لاعلمی علاوہ ازیں مسٹر چرچل مجھے فوراً روانہ کرنے کے لئے مصر ہے اور مسٹر چرچل نے اسی شام میرے لئے سپیشل ٹرین کی تیاری کا حکم دے دیا ہے۔ طرہ یہ کہ جب میں نے لارڈ کچنر سے دریافت کیا۔ کہ ترکی فوج اُس علاقے میں تقریباً کتنی ہوگی۔ تو اُس نے کہا غالباً ۴۰۰۰۰ ہزار۔ مگر کسی کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ اُن کے پاس توپ خانہ کیسا ہے۔ اُس میں توپیں کتنی یا کیسی ہیں۔ اُس فوج کا سپہ سالار کون ہے۔ البتہ اُن کو یہ گمان تھا۔ کہ جاوید پاشا ہے۔

مجھے وثوق سے یہ کوئی نہ بتا سکا۔ کہ درۂ دانیال میں مورچہ بندی

کیسی ہوئی ہے اور باقی جنگی تیاریاں کیسی ہیں وغیرہ۔

میں نے اپنے پرانے رفیق اور سپہ سالار کچنر کو اس طرح سے خدا حافظ کہا کہ جیسے میں غالباً اسی رات کو اس سے پھر کھانے پر ملوں گا۔ گو یہ میں خوب سمجھتا تھا۔ کہ میرا آقا مجھے نہایت اہم اور بہترین قومی خدمت سے سرفراز کر رہا تھا۔ ساتھ ہی میرا دل یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ میں اپنے پرانے مربی کو ان لوگوں کے درمیان اکیلا چھوڑ دوں۔ جو اس سے خوفزدہ تھے۔ مگر میں اس کا ذکر کرنے کے لئے بھی معذور تھا۔

لارڈ کچنر مجھے خدا حافظ کہتے ہوئے میری کامیابی کے لئے دعائیہ فقرے استعمال نہ کئے لیکن میں اس بات کا عادی تھا۔ جیسے میں اٹھ کر چلنے لگا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر ہمارا بحری بیڑہ درۂ دانیال سے کامیابی سے گذر گیا۔ تو قسطنطنیہ فتح سمجھو اور قسطنطنیہ اگر فتح ہو گیا تو سمجھ لو۔ کہ ہم نے اس عالمگیر جنگ کو فتح کر لیا۔

پرانے وطن کی یاد | ۱۰ مارچ ۱۹۱۵ء کو رات کے وقت میرا جہاز جزیرہ کورینو کے قریب سے جہاں کہ میں پیدا ہوا تیس ناٹ کی رفتار سے گذرا۔ یہاں ہی میں پیدا ہوا تھا۔ یہاں کی نسیم نے مجھے مسرور کر دیا۔ میں بیخودی کے عالم میں اس بہشت بریں کے پاس سے تیس ناٹ کی رفتار سے گزرا۔

ہلمٹن اور اس کی والدہ | ۱۲ جنوری ۱۸۵۳ء کو میں یہاں

پیدا ہوا تھا۔ وقت کس قدر جلد گزر گیا ہے۔ وہ خوشگوار اور روح افزا لمحے اب کہاں ہیں۔ وہ گذر گئے! مجھے اپنی والدہ یاد آئیں میں ابھی تین برس کا تھا جبکہ وہ نہایت ہی سخت درد کی حالت میں بیمار پڑی تھیں۔ ڈاکٹر نے انہیں ایسی دوا دینی چاہی جس میں افیون کی قسم کے یہ منشیات ملے ہوئے تھے۔ مگر اس بہادر اور صابر خاتون نے اُسے پینے سے اس لئے انکار کر دیا۔ کہ پادری نے یہ کہا تھا "کہ اس قسم کی دوائیاں پینے سے رُوح کو صدمہ ہوتا ہے"۔ اور اس طرح سے ان تکالیف اور شدید درد کا نہایت دلیری اور صبر سے مقابلہ کرتے ہوئے وہ بہشت بریں کو سدھاریں۔ ایسے ایمان کامل کی مثال ہم سپاہیوں کے لئے باعثِ تقلید اور باعث رہنمائی ہے"۔

دوپہر کو ایک لڑاکا جہاز (بحری) ہمارے پاس سے گذرا۔ اس میں امیرالبحر کارڈن تھا جو کہ بیمار ہونے کی وجہ انگلستان واپس جا رہا تھا۔ ابھی ہفتہ بھر کی بات ہے کہ اس امیرالبحر کے حکم سے درہ دانیال اس کے جنگی جہازوں سے تھرّا اُٹھا تھا اور ان توپوں کی آوازوں نے تمام دنیا میں تھلکہ مچا دیا تھا۔

میں اپنے سٹاف سے ملا۔ یہ سب کے سب جرنل (GENERAL) سٹاف کے ہیں۔ انتظامی (ADMINISTRATIVE) سٹاف کا افسر ان میں سے کوئی نہیں ہے۔ میں نہ تو اجیشن جرنل اور نہ ہی چیف

میڈل افسر کے نام سے آشنا ہوں۔ اور نہ ہی وہ موجود ہیں۔ گو ان کو نامزد کر دیا گیا ہے۔ مگر کوارٹر ماسٹر جرنل کو ابھی نامزد بھی نہیں کیا گیا۔

جو میرے سٹاف کے افسر ہیں۔ ان میں سے سوائے بریگیڈیئر کے کسی کو جانتا تک نہیں ہوں اور تعجب یہ ہے کہ کسی بھی ایسے افسر کو نامزد نہیں کیا گیا جس نے پہلے میرے ساتھ مل کر کام کیا ہو اور وہ بھی ایسے وقت میں لڑائی ہیں جب آپس میں نہایت گہری جان پہچان کا ہونا لازمی ہے۔

۱۵ اپریل ۱۹۱۵ء کو ... میں نے ہوائی جہاز سے لی ہوئی تصاویر وغیرہ جو دیکھی ہیں، اُن سے بالکل عیاں ہے۔ کہ ترک گذشتہ ایام میں خواب غفلت میں نہیں پڑے رہے ہیں۔ انہوں نے جزیرہ نما کو پہلے سے (یعنی جب پہلی بار ہم نے ان پر گولہ باری کی) کہیں زیادہ مستحکم بنا لیا ہے۔ لہٰذا اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ اپنی حملہ کرنے والی فوج اپنے ارادے کو مستحکم اور اپنے عزم کو بنسبت مارچ کے مہینے کے اس وقت کم از کم دوگنا کرنا ہوگا۔

بناوٹی قصہ جب میں نے اس ہوائی جہاز سے لی ہوئی تصاویر کو دو آسٹریلیا کے بڑے افسروں کو دکھلایا۔ تو ایک کے منہ پر میں نے اضطراب کے آثار دیکھے۔ اس پر میں نے اس سے کہا۔ کہ غالباً اس مورچہ پر حملہ کرنا تمہیں اچھا معلوم نہیں ہوتا اور وہ

کے کانٹے دار تار سے تم پریشان ہو گئے ہو۔ اس کے جواب میں اُس آسٹریلیا کے افسر نے کہا۔ مجھے یہ فکر لاحق ہے کہ یہ علاقہ اتنا چھوٹا ہے اور اس میں اتنی ترکی فوج ہے۔ لہٰذا جیسے ہی ہم اسے فتح کر لیں گے تو ان لاتعداد ترکی قیدیوں کو کہاں رکھیں گے اور ان کے پانی اور کھانا کھلانے کا انتظام بہت تکلیف دہ ہوگا۔

فیٹز ماورس :- ۱۶ اپریل امیرالبحر ڈی روبیک اور مسٹر فیٹز ماورس جو قسطنطنیہ میں ہمارے برطانوی سفارت خانے کا ترکی اور عربی زبانوں کے ترجمان تھے مجھ سے ملنے آئے۔

فیٹز ماورس کو یقین ہے۔ کہ ترکی نہایت عزم سے مقابلہ کرے گا۔ اُس نے یہ بھی کہا۔ کہ ترکوں کو برطانوی بحری بیڑے کا خوف تھا اور ایک ماہ ہوا وہ نہایت ہی خوفزدہ تھے۔ مگر ان کو برطانوی فوج سے دو دو ہاتھ کرنے میں ذرہ بھر پریشانی نہیں ہے اور وہ حیران ہیں کہ برطانیہ کو اپنی اتنی چھوٹی سی فوج سے اُن پر حملہ کرنے کی ہمت ہی کیسے ہوئی اور ساتھ ہی تعجب تو یہ ہے کہ یہ برطانوی فوج ہماری اپنی چنی ہوئی جگہ پر ہی ہم پر حملہ کرنا چاہتی ہے۔ لہٰذا ان کو اپنے جاسوسوں اور دیگر اطلاعات پر مطلق یقین نہیں آ رہا تھا۔ کہ برطانیہ اپنی فوج کو شیر کے منہ میں اس طرح دھکیل دے گا۔ جہاں شیر کے لئے صرف منہ کا بند کر لینا ہی اُس فوج کے لئے پیام اجل ہوگا۔ لہٰذا وہ یہ قیاس کر رہے ہیں کہ برطانیہ درحقیقت ترکی کو دھوکا دے رہا ہے اور ان کا اصل مقصد

سمرنا یا اولامتی پر حملہ کرنا ہے۔

غازی انور کی شیخی غازی انور تو ڈینگیں مارتا ہے۔ اگر ہم نے ترکی حکومت کے مرکز کے قریب پاؤں رکھنے کی غلطی کی تو اس فوج میں سے ایک بھی آدمی زندہ بچ کر نہ جائے گا۔ اور جو بچ رہیں گے۔ وہ قیدیوں کی حیثیت سے قسطنطنیہ کے گلی کوچوں میں پھریں گے اور اسے اس کام کو تمام کرنے کے لئے ہفتہ بھر سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔

لیمٹر مارس نے یہ بھی کہا کہ باوجود اس شیخی کے ترکوں کو یہ احساس ہے کہ اگر برطانوی بحری بیڑہ درہ دانیال سے گذرنے میں کامیاب ہو گیا۔ تو پھر ترکی کی ہمت ٹوٹ جائے گی۔ لہٰذا ممکن ہے کہ بحری بیڑے کی گذرگاہ کو آسان کرنے کے لئے برطانوی فوجیں جزیرہ نما پر اتاری جائیں۔ اسی لئے ترک مسر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ حملے کے مقابلے کی پوری پوری تیاری کریں۔

نتیجہ کے احساسات یا عزم کا میں ایک ہی اخلاقی نتیجہ نکال سکتا ہوں اور جسے میں نے جنوبی افریقہ کی لڑائی کے سے برابر دوہرایا ہے کہ باوجودیکہ آج کل لڑائی بہت کچھ سائنس کی رو سے لڑی جا رہی ہے۔ مگر ہمیں ہر وقت یہ لازمی پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ کہ لڑائی ایک درخت کی مانند ہے جس کو ننھی ننھی جڑوں سے ملتی ہے اور

لڑائی کی یہ جڑیں وہ جاسوس کے جذبات، عزم اور بے باکی ہے جو کہ بوائے سکاؤٹ اور ریڈ انڈین میں یکساں پائی جاتی ہیں۔

دفاعی راز کا افشا یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے قومی لیڈر اپنے سیاسی مخالفین سے تو اپنی بہت سی ذاتی کمزوریاں قابلیت سے چھپا لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ مگر بیرونی دشمن کے خلاف بہت بھونڈے پن سے کام لیتے ہیں۔

اس فوج کے یہاں بھیجنے کے مقصد کو چھپانے کے متعلق انگلستان نے ذرہ بھر بھی دور اندیشی سے کام نہیں لیا اور مصر میں میکسویل اور میکاہن نے بھی تمام اخبارات کو ہماری نقل و حرکت کے چھاپنے میں کوئی پابندی عائد نہیں کی۔

مصر کے اخبارات کھلے الفاظ میں یہ لکھ رہے ہیں کہ ہم عنقریب گیلی پولی پر حملہ کریں گے۔

پریس سنسر میں نے کئی بار پریس کی خبروں کے متعلق لارڈ کچنر کی خدمت میں احتجاج بلند کیا۔ مگر دفاعی سیاست کے لحاظ سے اب اس کو کسی طرح سے پورا نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں فنِ حرب کے لحاظ سے اب بھی میں دشمن کو دھوکہ دے سکتا ہوں۔ کہ کتنی فوج صف آرا ہے اور بلقان کے سیاسی حالات کے متعلق بھی وہ بے خبر ہے۔ بالفاظِ دیگر جان بل بلقانی سیاسی چالوں

سے بالکل بے بہرہ ہے۔

فیلڈ مارشل اور نیپیئر کا یہ مشورہ کہ تمام بلقان کی حکومتوں کو ایک جگہ کر کے اپنے ساتھ ملا لیا جائے محض خیالِ خام ہے کیونکہ مجھے اس امر کا یقین ہے کہ بلقان کی ریاستیں آپس میں ایک دوسرے پر نہ تو ذرہ بھر اعتماد رکھتی ہیں اور نہ ہی اُن میں دوستی ہونے کا امکان ہے۔ لہٰذا میری رائے میں اس کام کی کوشش کرنا محض تضیع اوقات ہے

میرا یہ قیاس ہے کہ اگر ہم درہ دانیال کی جنگ میں کامیاب ہو گئے۔ تو غالباً یونان ہمارا دوست بن جائے گا اور رومانیہ روس کا معاون بن جائے گا۔

اگر میری ۱۹۰۹ء کی لکھی ہوئی رپورٹ کو وار آفس والے پڑھیں۔ تو اُس سے ان کو پتہ چلے گا۔ کہ میں نے اُس میں یہ لکھا ہے کہ بلغاریہ کی ایک پلٹن رومانیہ کی دو پلٹنوں کے مساوی ہے۔ اس طرح اُن کو یہ صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ کہ کس کس بلقان حکومت کی دوستی ہمیں کس دام پڑے گی۔ اور اُس کی حقیقت کیا ہو گی۔

بلقانیوں میں حرص بلقان کی سیاسی گتھی سلجھانے کا آسان طریقہ صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ روپیہ دو اور اپنی تمنا مانگی بات منوا لو۔ مثلاً تاش کی بازی لگانے والا روپیہ میز پر رکھنے کے بعد پتہ اُٹھاتا ہے اور صرف اسی وقت پتہ کرتا ہے جب اُسے یہ یقین ہوتا ہے کہ اس قریب کے ہاتھ کی بازی

مکمل نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں خیالی پلاؤ پکا پکا کر اپنے قیمتی وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے اور اس خیال کو دماغ سے نکال دینا چاہیئے۔ کہ اس فوج کے بھیجنے کے باعث سارا بلقان اپنی قسمت کا پلہ ہمارے ہاتھ میں دے کر ہمارا اتحادی ہو جائے گا۔ ۔ ۔ ۔"

ہم نے اس مشہور جرنل کے جو کہ اتحادیوں کی فوج کا سپہ سالار تھا یہ تاثرات اس لئے قلمبند کئے ہیں تاکہ ہمیں اُس کے اُن جذبات کا پتہ چلے۔ جو کہ اُس نے اُس وقت محسوس کئے تھے۔ جبکہ وہ عین میدان جنگ میں تھا۔ لہٰذا یہ اُس کے صحیح خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

ان حالات کے پڑھنے سے ہمیں برطانوی وار آفس۔ اتحادی حکومتوں۔ بلقانی سیاسی نظریہ وغیرہ کے حالات کا پتہ چلتا ہے ہمیں یہ بھی اندازہ ہوتا ہے۔ کہ ترکی کی طاقت کے متعلق مختلف حلقوں میں کیا رائے تھی۔

لارڈ کچنر نے ترکی کو فتح کرنے کے لئے فوج تو روانہ کر دی۔ مگر اُس نے ترکی کی قوت کا بہت غلط اندازہ لگایا۔ اُدھر جرمنی جنرل وان ساڈرس اور وان ڈرگالٹز نے اس موقعہ سے پورا فائدہ اُٹھایا۔ اور ہم آگے چل کر یہ دیکھیں گے۔ کہ اُن کے بچاؤ کا یہ منصوبہ کہاں تک کارگر ثابت ہوا۔

علاوہ ازیں اس جرنل کا ٹراب کے استعمال کے متعلق تبصرہ بھی قابل غور ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جرنل ہملٹن کی یادداشت بہت ہی اہم اسباق سے لبریز ہے۔

پہلا حملہ۔ گیلی پولی

جنرل ہملٹن کا دفاعی منصوبہ

اتحادی فوج کے کمانڈر جنرل ہملٹن نے تمام حالات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ فیصلہ کیا، کہ وہ جزیرہ نما کے جنوبی حصے میں دو جگہ پر حملے کرے۔ اُس کا دفاعی منصوبہ یہ تھا:۔

۱۔ کہ وہ نمبر ۲۹ ڈویژن کو ساحل کے جنوبی حصے پر چار جگہ اتار کر آچی بابا کی پہاڑی پر قبضہ کرلے۔

۲۔ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ (جن کا نام اُس نے انزک رکھا) کے دونوں ڈویژن گاباٹاپی کے شمال کی طرف ساحل پر اُتر کر دشمن کو وہاں سے نکال دیں۔

۳۔ علاوہ ازیں جنرل ہملٹن نے دو ایسے حملے بھی تجویز کیے۔ جن سے دھوکہ دے کر دشمن کو حملے کی اصلی جگہ کے متعلق شش و پنج میں ڈال دیا جائے۔ اُس میں سے ایک حملہ اُس نے فرانس کے ایک دستے سے ایشیائی ساحل پر قم قلی کے قبضہ پر کیا اور دوسرا دھوکے کا حملہ رائل نیول ڈویژن سے اُس نے مورچہ بلیر کے قرب و جوار میں کرایا۔

۴۔ دھوکے کے حملے کے دستے کے علاوہ اتحادی کمانڈر نے باقی

فرانسیسی فوج کو محفوظ (ریزرو) دستہ کی حیثیت سے رکھا۔
اس دفاعی منصوبے میں ہملٹن نے دو حربی اصولوں پر عمل کیا:۔
۱۔ دشمن پر اچانک حملہ کے اثرات عائد کرنے کے لئے ترکوں پر کئی جگہ حملہ کیا۔
۲۔ دھوکا دینے والے حملے۔ غلط افواہیں وغیرہ پھیلا کر اس نے ترکی فوج کو صحیح طور سے اپنا ارادہ معلوم نہ ہونے دیا۔ مثلاً جنرل ہملٹن کے حکم سے فرانسیسی بحری بیڑہ بحیرۂ بسیکا میں اس لئے بھیجا گیا۔ کہ ترک یہ سمجھیں۔ کہ حملہ وہاں ہوگا۔

دفاعی چال علاوہ ازیں بحری بیڑے والوں نے ایک کوئلہ لے جانے والے جہاز کو اس طرح تبدیل کیا۔ کہ دیکھنے والوں کو تو یہ خیال ہو۔ کہ اس میں کوئلے بھرے ہوئے ہیں۔ مگر درحقیقت اس جہاز کے پہلوؤں کو کاٹ کر اس طرح ساخت کیا۔ کہ ساحل پر پہنچتے ہی ان پہلوؤں کو گرا دیا گیا۔ جن میں سے فوجی ایک دم باہر نکل کر اپنے دشمن پر حملہ آور ہو جائیں۔ درحقیقت بحری بیڑے والوں نے پرانے سپارٹا کے حصے کی نقل کی۔ یعنی جہاں انہوں نے بڑا لکڑی کا گھوڑا بنا کر ٹرائے شہر کو فتح کیا تھا۔ بحری بیڑے والوں نے گیلی پولی کی فتح کے لئے لکڑی کی مچھلی تیار کی۔
۳۔ جنرل ہملٹن نے اپنے حملہ آور فوجی دستوں کو ساحل کے اس حصے پر اتارا۔ جہاں پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے بکری بھی ساحل

کی طرف سے اُن پہاڑوں پر آسانی سے نہ چڑھ سکتی تھی۔ لہٰذا یہ حملے کامیاب رہے۔ کیونکہ دشمن کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ کوئی حملہ آور ایسی دشوار گذار گھاٹیوں پر چڑھے گا۔

۴۔ جرنل ہملٹن کی خواہش تھی۔ کہ اُس کی فوج ساحل پر رات کے وقت اُترے۔ ۲۹ ڈویژن کے کمانڈر نے چونکہ ایسا کرنا ناممکن سمجھا۔ لہٰذا اُسے علی الصبح اُترنے کی اجازت دی گئی۔ اس کمانڈر کی کم ہمتی کا اس ڈویژن کو خمیازہ بھگتنا پڑا۔

برطانوی حملے کا آغاز انزک والوں نے چونکہ رات کو اُترنا طے کیا۔ اس لئے اُن کا جانی نقصان کم ہوا۔

اس کام کو آسان بنانے کے واسطے بحری بیڑے کے ایک افسر نے نہایت بہادری اور جاں نثاری کا ثبوت دیتے ہوئے دو میل سمندر کو تیر کر ساحل پر جا کر مختلف جگہ آگ جلائی۔ تاکہ اُن نشانوں پر بحری بیڑے کے جہاز پہنچ کر اپنی فوج کو اُس ساحل پر اُتار سکیں ایسا مردانگی کا کام کر کے اس افسر نے یہ دُہرایا۔ کہ ایک آدمی کا ایثار ہزار جانوں کو میدان جنگ میں بچا سکتا ہے۔

گا با ٹاچی پر انزک فوج زیادہ نقصان اٹھائے بغیر اُتر گئی اور اس فوج کا ایک دستہ اندرونی علاقے میں اس قدر دُور تک بڑھ گیا۔ کہ انہیں جزیرہ نما کے دوسری طرف سمندر دکھلائی دینے لگا۔ البتہ انگریزی ۲۹ ڈویژن کے حملہ آور حصّے کو جو "ہیلس" کے قریب

اُترا۔ گو ترکوں نے اس برطانوی فوج کو بے حد نقصان پہنچایا۔ مگر وہ موت کو ٹھکرا کر آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور آخر کار ساحل کے تھوڑے سے حصے پر قابض ہو گئے۔ اسی فوج کا ایک دستہ جس میں آسٹریلین بٹالین تھیں۔ بغیر کسی مزاحمت کے ساحل پر اُتر گیا۔ یہ وہ حصہ تھا جسے ترکوں نے دشوار گذار ہونے کے باعث بلا کسی قسم کی حفاظت کے چھوڑ دیا گیا تھا۔ ساحل کے اس حصے کو "لا" (وائی) ساحل کے نام سے پکارا گیا۔ جہاں اس برطانوی فوج کے دوسرے دستوں نے اپنے خون سے ہولی کھیلی۔ وہاں پر اس فوج کا کمانڈر ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر دوسرے حکم کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ یہ کمانڈر کرنل میتھوز اس قدر کاہل الوجود تھا۔ کہ ظہر تک اُسے یہ خیال بھی نہ آیا۔ کہ کم از کم حاصل کردہ علاقے میں مورچہ بندی ہی کر لے۔

ترک میدان عمل میں عصر کے وقت ترکوں کی فوج کی ایک بٹالین نے اس دستے پر کئی بار حملے کئے۔ مگر وہ ناکام رہے۔ آخر کار جب رات کی تاریکی چھا گئی۔ تو ترکی فوج جس کے پاس ہتھیار کمتر قسم کے تھے۔ اور توپ خانہ یا ٹورنچ مارٹر بالکل نہ تھا۔ اب اندھیرے کی آڑ لے کر انگریزی فوج پر حملہ آور ہوئی۔ اس انگریزی فوج نے کمک کے لئے کئی مراسلے بھیجے۔ مگر جب کوئی کمک نہ آئی۔ تو بھگوڑوں کی تعداد بڑھ گئی اور آخر کار اس فوج کے کمانڈر نے باقی فوج سمیت بھگوڑوں کی تقلید کی اور

۔اور جہازوں پر دوبارہ سوار ہو کر واپس چلا گیا۔

جہاں انزک فوج حملہ آور ہوئی تھی۔ وہاں جندارمی ترکی فوج کے حفاظتی دستے تھے۔ جندارمی فوج ترکوں کی رضاکار فوج تھی اور ان کے پاس سامانِ حرب بہت پرانی قسم کا تھا۔ لہٰذا جب انزک کی اس قدر بڑی فوج نے ان پر اچانک حملہ کیا۔ تو وہ سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلے اور اپنی ترکی فوج کو اس حملے کے متعلق آگاہ کرنے کے لئے گئے۔

مصطفےٰ کمال کی مدافعانہ لڑائی جرنل مصطفےٰ کمال اپنی محفوظ فوج کو دفاعی نقل و حرکت کی

تربیت کروا رہا تھا۔ اُس نے چند برہنہ سر و پا بلا ہتھیار جندارمیوں کو جب اپنے پڑاؤ کی طرف آتے دیکھا۔ تو اُن کو بلا بھیجا۔ ان جندارمیوں پر اس قدر خوف طاری تھا۔ کہ اُن کے منہ سے یہ چند الفاظ نکلے۔ کہ "وہ آ گئے ہیں"۔ "وہ آ گئے ہیں"۔ مصطفےٰ کمال نے غصے سے پوچھا کہ "کون آ گئے؟" تو اس پر انہوں نے بدحواسی میں جواب دیا۔ "انگلش" "انگلش"۔ مصطفےٰ کمال نے مڑ کر ترکی رجمنٹل کمانڈر سے پوچھا۔ کیا تمہارے پاس جنگی کارتوس ہیں۔ تو اُس نے کہا۔ کہ ہاں۔ اس پر مصطفےٰ کمال ایک کمپنی خود لے کر چناق بائیر کی طرف بڑھا اور باقی محفوظ فوج کو تیار کر کے جلد از جلد آگے بڑھ کر اپنے ساتھ ملنے کا حکم دیا۔ سوال یہ ہے۔

کہ انزک فوج اُس وقت کس حالت میں تھی اور ترکی فوج کہاں پر تھی؟

انزک فوج صبح ہونے تک تقریباً اٹھارہ ہزار انزک فوجی ساحل پر اتر آئے تھے اور ۲۵ اپریل ۱۹۱۵ء صبح ۹ بجے کے قریب انہوں نے چناق بیر پہاڑی کی چوٹی کی طرف بڑھنا شروع کیا تھا۔

ترکی فوج ۲۵ اپریل ۱۹۱۵ء کی صبح یعنی سورج نکلنے تک مصطفیٰ کمال کے پاس صرف اپنے بریگیڈ کی ایک کمپنی یعنی ۲۵۰ سپاہی تھے جس کے ساتھ وہ اپنے دشمن کے اٹھارہ ہزار انزکوں کا مقابلہ کرتا رہا۔

باقی ماندہ فوج اس کمپنی کے جنوب کی طرف تقریباً ایک میل پر ایک اور ترکی کمپنی تھی۔ ان کمپنیوں کی محفوظ فوج دو بٹالین یعنی باقی ماندہ ۵۷ رجمنٹ اور ایک بیٹری توپ خانے کی تھی۔ مگر یہ چار میل کے فاصلے پر تھی۔ اس محفوظ فوج سے کچھ دور محفوظ کمان (جرنل ریزرو) جس میں آٹھ بٹالین اور تین توپ خانے کی بیٹریاں تھیں۔

یہ ترکی فوج کا انیسواں بریگیڈ تھا جس کا قائد لفٹننٹ کرنل مصطفیٰ کمال دس بجے صبح کے قریب چناق بیر پہاڑی کی چوٹی پر جا پہنچا۔ تو اس وقت اُس کے تحت پانچ سو نفر ترکی سپاہی تھے۔ اور اُدھر سے آٹھ ہزار انزک اس پہاڑی کی چوٹی کی طرف آگے بڑھ رہے تھے۔

کمال کا جوابی حملہ

ظہر کے وقت تک کمال نے محض بچاؤ کی لڑائی لڑی۔ مگر تقریباً چار بجے جب اُس کے پاس تقریباً پانچ ہزار ترکی سپاہی اور پہنچ گئے۔ تو اُس نے جوابی حملہ کرنا شروع کر دیا۔

ادھر انزک کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ مگر انزک کا سالار اپنی سب فوج کو جو ساحل پر اُتر چکی تھی اس ترکی جوابی حملوں کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا۔ گو اُس وقت تک پندرہ ہزار سے زائد انزک ترکی ساحل پر تھے۔ مگر ترکوں سے لڑنے کے لئے دس ہزار سے زیادہ آسٹریلیا کے جنرل کے پاس نہ تھے اسکی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ ساحل پر اُترتے وقت فوج انزک بہت افراتفری کی حالت میں تھی۔ سپاہی کمپنیوں تھے اور ان دستوں کے افسر کہیں۔

اس افراتفری میں جب ترکی فوج نے انزک فوج پر بہت دلیری سے جوابی حملے کئے۔ تو کئی انزک کے سپاہی ساحل پر اس جم غفیر میں شامل ہو گئے۔ جو ساحل چھوڑ کر بھاگنے کی فکر میں تھے۔

انزک فوج میں بھگدڑ

مثل مشہور ہے۔ کہ ایک مچھلی سارے جل کو گندہ کرتی ہے۔ ان بھگوڑوں کی سراسیمگی کا اثر اُس منتظر فوج پر جو ابھی ساحل پر اُتری تھی۔ اس قدر بُرا ہوا کہ انزک فوج کے کمانڈر نے نصف شب سے قبل جنرل ہیلٹن کو اس مضمون کا تار دیا:-

"میرے دونوں ڈویژن کمانڈروں اور جملہ بریگیڈ کمانڈروں نے

مجھ سے کہا ہے۔ کہ اُن کی فوج کے سپاہیوں کی ہمت بالکل پست ہو گئی ہے اور اگر ہماری فوج پر صبح کے وقت آج دن کی طرح سے گولہ باری ہوئی۔ تو اُن کے بھاگ جانے کا اندیشہ ہے اور اگر ہم کو کل جہازوں پر سوار ہو کر واپس جانا ہے۔ تو مناسب ہوگا۔ کہ آج رات ہی ہم سوار ہو جائیں۔ تاکہ اندھیرے کی مدد سے کثیر جانی نقصان سے بچ جائیں۔ وغیرہ وغیرہ"

جنرل ہملٹن اس واقعہ کو اپنی ڈائری میں یوں لکھتے ہیں:۔

"نصف شب کے بعد یعنی رات ۱۲ بج کر ۵ منٹ ۲۷ اپریل کو میرے چیف آف سٹاف نے کندھے پکڑ کر جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اٹھانا شروع کیا اور وہ بار بار "سرابن" "سرابن" پکار رہا تھا اور مجھ پر نیند کا غلبہ طاری تھا۔ کیونکہ میں سارے دن کی مصروفیت سے تھک کر خوب میٹھی نیند سو رہا تھا۔ خصوصاً اس لئے کہ سونے سے قبل ہر محاذ سے خوشگوار مراسلے آئے تھے۔ مگر میں نے جب بھر بیتھ ویٹ کو گھبرائی ہوئی آواز میں یہ کہتے سنا کہ سرابن آپ کو فوراً اٹھنا ہوگا کیونکہ ہماری ہار کی اور موت کا فیصلہ آپ کو ابھی اور اسی وقت کرنا ہے" تو میں فوراً پلنگ سے اٹھا۔ میں نے پہلے کبھی بھر بیتھ ویٹ کو گھبراہٹ کی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ دلیر اور مستقل مزاج افسر تھا۔ میں بھر بیتھ ویٹ کے پیچھے خاکی وردی لے کر چلا۔ مگر وہ سیدھا ڈریسنگ روم کی طرف گیا۔ اور جب میں وہاں گیا۔ تو وہاں میرالبحر

تھرسبی، کرووزر، کلن، اوین وغیرہ کے چہروں کو دیکھا۔ تو میرا
ماتھا ٹھنکا۔ کرووزر نے مجھے برڈوڈ سے ایک مراسلہ دیا جسے
گوڈ سے نے لکھا تھا۔ میں نے اُسے اونچی آواز سے پڑھا۔ ۔ ۔ ۔"

اُن سب کے چہروں کا اُتار چڑھاؤ اب بھی جب میں آنکھیں
بند کرتا ہوں۔ تو میرے سامنے بہت ہی بھیانک صورت میں نمودار
ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن سب پر سکتہ کا عالم طاری تھا۔
میں نے اپنے فیصلے کو سوچنے کی غرض سے کرووزر سے میدانِ جنگ
کے حالات دریافت کئے۔ مگر وہ برڈوڈ کی تار کے علاوہ اور مزید
حالات نہ بتا سکا۔

اس کے بعد میں نے تھرسبی سے مخاطب ہو کر کہا۔ امیرالبحر تمہاری
کیا رائے ہے۔ اُس نے کہا۔ اُس فوج کو جو ساحل پر ہے سوار کرنے
کے لئے کم از کم تین دن لگیں گے۔

میں نے اس پر کہا۔ کہ ترک کہاں پر ہیں؟

اُس نے جواب دیا۔ کہ ترک اُن پر غالب ہیں اور وہ پہاڑی کی چوٹی
پر ہیں۔ اس پر میں نے اصرار کیا۔ کہ امیرالبحر یہ تو بتاؤ۔ کہ اُن کو آخر کیا
کرنا چاہیئے؟

اس پر امیرالبحر نے کہا۔ کہ میرا کیا خیال ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں
کہ اگر اُن کو حکم دیا جائے گا۔ کہ ہمت نہ ہارو۔ اور جہاں تک ڈٹ کر مقابلہ کرو۔
تو وہ جم کر لڑیں گے۔

عزم کی جیت

ہر طرف سناٹا تھا۔ اور اس سکوت میں میں نے یہ مراسلہ لکھا:۔

"تمہاری ارسال کردہ اطلاعات بہت خطرناک ہیں۔ مگر تمہارے لئے اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں ہے کہ جہاں ہو وہاں ہی مورچے کھودلو اور ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ تھر سبی تم کو خود سمجھائے گا۔ کہ تمام فوج کو دوبارہ جہازوں پر سوار کرانے کے لئے کم از کم دو دن درکار ہیں"

۔ ۔ ۔ ۔ "اسی اثنا میں آسٹریلیا کی غوطہ مار کشتی نے درّہ سے گذر کر چناق بیر کے قریب ایک ترکی جہاز کو ڈبو دیا۔ ۔ ۔ ۔ "

ہنٹر ویسٹن آج کے کثیر جانی نقصان کے باوجود کل آگے بڑھے گا۔ جس کی وجہ سے تم پر ترکی دباؤ کم ہو جائے گا۔ تم اپنے اوورگاڈ بسی کے جوانوں سے ذاتی طور پر اپیل کرو۔ کہ انتہائی کوشش کر کے اپنی جگہ سے قدم پیچھے نہ ہٹائیں۔ تم نے مشکل کام تو کر لیا ہے یعنی تمہاری فوج اب ساحل پر ہے۔ لہٰذا اب مورچہ کھودو اور اس وقت تک مورچے اتنے گہرے کھودتے جاؤ۔ جب تک کہ تم محفوظ نہ ہو جاؤ۔"

میں نے بالکل نئے مراسلہ رسانوں کے ہاتھ سے یہ پیغام گابا ٹاچی میں بھیجا۔ اب جو کچھ بھی ہو۔ میں اس حکم دینے کے متعلق بھی کبھی پشیمان نہ ہوں گا۔ دشمن کے ملک کے میدانِ جنگ میں بہادر کی موت سے مرنا۔ دشمن کے سامنے سے بھاگے ہوئے بھیڑوں کی طرح سے قتل ہونے سے کہیں زیادہ باعزت اور خوشگوار ہے۔ ۔ ۔ "

ہملٹن کے اس مراسلے نے اُس کی فوج میں نئی جان ڈال دی۔ اور وہ ساری رات مورچہ کھودنے میں مصروف رہے۔ لہٰذا جب صبح ہوئی۔ تو یہ ائزک فوج مورچوں میں آڑ لینے کی وجہ سے اب ترکی توپ خانے کے گولوں کی زد سے محفوظ تھے۔

انور اور کمال

انور پاشا جب رُوسی محاذ سے واپس لوٹا تھا۔ تو اُسے یہ خبر ملی تھی۔ کہ مصطفےٰ کمال دورۂ دانیال میں ہے لہٰذا اُس نے لیمان وان سانڈرس کو مشورہ دیا۔ کہ مصطفےٰ کو اس ذمہ دار کمانڈ سے علیحدہ کر دے۔ مگر اس جرمن جرنل نے انور کی بات نہ مانی۔ اب کمال نے مزید کمک کے لئے تار بھیجے۔ تو انور نے ان پر کوئی کارروائی نہ کی۔ اس لئے مصطفےٰ کمال کے پاس مزید کمک نہ پہنچی۔ اور لگاتار حملوں سے اُس کی فوج کو بہت زیادہ جانی نقصان ہوا تھا خصوصاً انگریزی بحری فوج کے ۱۵ انچ دہانہ کی توپوں نے ترکی فوج کو بہت نقصان پہنچایا۔

جرمن سپہ سالار کی ڈائری کا ایک ورق

اس وقت کے حالات کو ترکی فوج کے سپہ سالار جرنل وان سانڈرس نے اپنی یادداشت میں یوں بیان کیا ہے:

"جن افسروں نے ۲۵ اپریل کی صبح کو میدان جنگ کے حالات مجھ سے بیان کئے۔ ان کے چہرے زرد تھے۔ اس میں کوئی کلام نہیں۔ کہ تمام ترکی باشندوں کو یقین تھا۔ کہ دشمن کی فوج حملہ آور ہوگی۔

مگر جب دشمن نے کسی جگہ پر اچانک اپنی فوج اُتار دی۔ تو ششدر رہ گئے۔ ان کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ ۔ ۔ ۔"

اسباق حقیقت تو یہ ہے۔ کہ جہاں ترکی فوج کے جرمن نژاد سپہ سالار نے بہت ہی دُور اندیشی اور قابلیت سے دفاعی منصوبہ تیار کیا۔ وہاں پر وہ دشمن کے حملے کی صحیح جگہ اور سمت کا ٹھیک اندازہ نہ لگا سکا۔ علاوہ ازیں اُس نے ساحل پر دشمن کے خلاف نگرانی کا تسلی بخش انتظام نہ کیا تھا۔ لہٰذا اُسے معلوم نہ تھا۔ کہ اُس کا دشمن کیا کر رہا ہے اور وہ لاعلمی کی وجہ سے اپنی محفوظ فوج کو لے کر بُلیر کے قلعہ کے پاس چلا گیا اور وہاں سے نہ ہلا۔

یہ اُس کی خوش قسمتی تھی۔ کہ اُس کے تحت مصطفےٰ کمال جیسا لائق اور دلیر افسر تھا۔ جس نے دشمن کے مقابلے کی ذمہ داری تنہا اپنی گردن پر لے لی۔ اور اپنے اعلیٰ افسر کے احکام کا منتظر نہ رہا۔ اُس نے بہت قلیل فوج کے ساتھ اتحادی حملے کے سیلاب کو نہایت ہی کامیابی سے روکا۔

قدرت نے بھی کمال کی مدد کی۔ کیونکہ موسم بہت ہی گرم تھا۔ سورج کی تپش اور پینے کا پانی اور خوراک کی کمی کی وجہ سے آسٹریلیا کی افواج کو بہت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ خصوصاً جبکہ دن بھر تو اور رات کے وقت بھی لمحے مرگ کی گرم ہوا نے برطانوی فوج کی ہمت پست کر دی۔ خصوصاً اُس حالت میں جبکہ اُن سے یہ بار بار کہا گیا تھا کہ ترکی فوج انگریزی فوج کی آمد کی خبر پا کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ

جائے گی۔ بسا اوقات مبالغہ آمیز پراپیگنڈہ خود اپنے ہی لئے سخت نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔

اتحادیوں نے آگے بڑھنے میں بہت تاخیر کی جس کی وجہ سے ترک انزک فوج کو جزیرہ نما کے ایک چھوٹے سے کونہ میں مقید کرنے کامیاب ہو گئے۔

مگر قسمت نے بار بار پانسہ بدلا۔ کیونکہ عین جس وقت مصطفیٰ کمال برطانوی فوج پر آخری جوابی حملہ کر رہا تھا۔ انگریزی بحری بیڑے کی ۱۵ انچ دہانے کی توپوں کے چند گولے ترکی فوج جو اس حملے کے لئے تیار تھی اُس کے عین درمیان میں پڑے اور اس ترکی دستے کو بہت عظیم نقصان ہوا۔ اس طرح قسمت نے برطانوی فوج کی بھی بہت آڑے وقت میں مدد کی۔

دفاعی مبصرین کا خیال ہے۔ کہ غازی انور پاشا کی جلد بازی نے بھی اتحادیوں کی مدد کی کیونکہ اُس کے حکم کے بموجب جنرل وان ساٹدرس نے اتحادیوں پر یکم مئی سے لے کر ۵ مئی تک کئی حملے کئے مگر غلط مقامات اور موقعوں پر کئے۔ ان حملوں کو دوسرے لفظوں میں ترکی فوج کو آگ میں جھونک دینا قرار دیا جا سکتا ہے۔

غازی انور پاشا نے سیاسی جذبات کے تحت میدانِ جنگ میں بیجا دخل در معقولات کر کے اس جنگ کو طوالت دی۔

جس طرح اتحادیوں نے حملہ کا التوا کر کے میدان کو کھو دیا اور فتح

سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اسی طرح اب ترکی حکومت نے جذبات کی رو میں بہہ کر بے شمار ترکوں کو موت کے سپرد کر دیا۔

طرفین کی باعزم لڑائی

جنگ نے اب مورچہ کی لڑائی کی صورت اختیار کر لی تھی۔ مئی کے مہینے میں انگریزی حکومت کو جب ناکامی کی خبر ملی۔ تو عوام نے حکومت سے سوالات کرنے شروع کئے اور امیر البحر فشر کی اختلاف رائے ہوئی۔ چرچل درہ دانیال پر بحری بیڑے کے حملے سے ناخوش تھا امیر البحر فشر نے استعفیٰ دے دیا۔ اور ملازمت سے علیحدہ ہو گئے کنزرویٹو پارٹی کے بہت سے ممبروں کو امیر البحر کی قابلیت پر پورا اعتماد تھا۔ لہٰذا انہوں نے گیلی پولی میں ناکامی ہونے پر چرچل کو وزارت سے مستعفی ہونے پر مجبور کیا۔

انور پاشا کا حسد

مصطفےٰ کمال نے بار بار انور پاشا کو جو وزیر جنگ تھا۔ مورچہ کی نازک حالت سے خبردار کیا۔ اور اُس کے پاس اپنا دفاعی منصوبہ بھیجا جس میں کمال نے برطانوی فوجوں پر اپنے محاذ پر جوابی حملے کرنے کے لئے کمک کے لئے درخواست کی تھی۔ مگر انور پاشا نے کینہ سے کام لیا۔ اور اس منصوبے کا مذاق اڑایا۔ مگر پھر بھی مصطفےٰ کمال نہایت ہی محنت سے کام کرتا رہا۔ وہ نہ تو تھکتا تھا۔ نہ ہی پوری نیند سوتا تھا۔ وہ ہر جگہ خندقوں میں پہنچ کر اپنے مجاہدوں کے حوصلے بڑھاتا تھا۔ جرمن مشن

کے افسر اس کی بے باکی، قابلیت اور محبت کے مداح اور شیدا ہو گئے۔ انور نے ایک اور ستم اُس پر ڈھایا۔ کہ وہ خود میدان جنگ میں آیا۔ اور کمال کے منصوبوں پر مضحکہ اُڑایا۔ مصطفےٰ کمال نے استعفیٰ پیش کر دیا۔ مگر جرمن جرنل نے معاملے کو دُرست کر لیا اور کمال وہیں ڈٹا رہا۔ انور پاشا نے اپنے طرز عمل سے گیلی پولی کو ہاتھ سے کھونے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی۔ اُس کی مجنونانہ حرکات اور حسد نے اُسے کہیں کا نہ رکھا۔

برطانیہ کی نئی وزارت برطانیہ کی نئی وزارت نے گیلی پولی کی لڑائی کو جاری رکھنے کا ارادہ کر کے جرنل ہملٹن کو کمک بھیجنے کا وعدہ کیا۔

اور جرنل ہملٹن نے اگست میں ان دو آرمی کور کی مدد سے گیلی پولی کو فتح کرنے کا دفاعی منصوبہ تیار کیا۔ یہ حملہ اتحادیوں نے ۷ اگست کو ایک لاکھ فوج سے کیا۔ اور ۸ اگست کو دو اتحادی ریٹالین چناق بیر پر قابض ہو گئیں۔

جرمن سپہ سالار پسمان وان سانڈرس نے اگست میں انافارطہ کا محاذ مصطفےٰ کمال کے زیر کمان کر دیا اور اُسے اپنے منصوبے پر عمل کرنے کی پوری آزادی دی کیونکہ جرمن پلٹنوں کو بہت نقصان ہوا تھا اور اُن کے حوصلے پست ہو گئے تھے اس لئے وان سانڈرس نے ان جرمن پلٹنوں کو پیچھے ہٹا لیا۔ اور

ان کی جگہ ترکی سپاہیوں نے لے لی۔

ترکوں کے جوابی حملے ۹ اگست کو مصطفےٰ کمال کی کمان میں ترکی فوج نے جوابی حملہ شروع کیا اور ۱۰ اگست کو اتحادیوں کی ان دو بٹالینوں کو چناق بیر کے مورچے سے باہر نکال دیا اور دوبارہ اس اہم مورچے پر ترکوں نے قبضہ کر کے گیلی پولی کی لڑائی کا دفاعی سیاست کی رُو سے آخری فیصلہ کر دیا۔ گو ابھی تک باقی سارے محاذ پر نہایت ہی خون ریز لڑائی جاری رہی کبھی ریلے میں ایک فوج چند گز آگے بڑھتی اور کبھی دوسری فوج حملہ کر کے اُسے مار بھگاتی۔

برطانوی فوج کے جوابی حملے جنرل ہملٹن نے چناق بیر سے ہٹ کر اب خوجہ چمن پر حملے کرنے شروع کئے۔ اور اُس کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ یہاں دستِ غیب نے ترکوں کی مدد کی۔ کیونکہ برطانوی بحری بیڑے نے ان کو ترک سمجھ کر اُن پر گولہ باری کی۔ لہٰذا برطانوی فوج پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اُتر آئی۔ یہ فوج تقریباً سولہ ہزار تھی۔ مصطفےٰ کمال حالات سے بے خبر نہ تھا۔ لہٰذا وہ خوجہ چمن کی طرف بڑھا۔ اور اتفاق یہ ہوا۔ کہ وہ عین اس وقت خوجہ چمن کی چوٹی کے قریب پہنچا۔ جیسے ہی برطانوی بیڑے نے گولہ باری بند کی۔ دوسری طرف برطانوی فوج نے جب دوبارہ چوٹی پر پہنچنے کی کوشش کی۔ تو کمال کی فوج اُس کے

مزاحم ہوئی۔ نہایت ہی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ مگر ترک بلندی کے مورچوں پر جمے رہے۔

بازیچۂ اطفال یہ یاد رہے۔ کہ عام طریقۂ جنگ میں حملہ کے وقت سپاہی اپنی بندوقوں کو "آن گارڈ" یعنی حفاظتی طریقے سے ہاتھوں میں لے کر دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں اور تیز رفتاری اور زمین کے نشیب و فراز سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مگر یہاں حملہ کرتے وقت برطانوی کمانڈر نے اپنے سپاہیوں کو "سلوپ آرمز" کر کے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جس سے مراد یہ تھی۔ کہ یہ سپاہی اس جنگ کو بازیچۂ اطفال سمجھ رہے ہیں۔ یہ طرز درحقیقت تکبر اور گھمنڈ سے بھرا ہوا تھا۔ اور اس کا مقصد صرف یہ تھا۔ کہ وہ ترکوں کو حقیر اور بزدل سمجھتے تھے اور ان برطانوی سپاہیوں کو خیال تھا کہ ترکی سپاہی برطانوی سپاہیوں کی دلیری سے مرعوب ہو کر میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ لہٰذا جب برطانوی سپاہیوں نے منہ کی کھائی۔ تو ان کے حوصلے بے حد پست ہو گئے۔ برطانوی فوج نے دوبارہ چناق بیر پر حملے کئے۔ طرفین کا سخت نقصان ہوا۔ برطانوی فوج کا نقصان اس لئے بہت زیادہ تھا کہ وہ میدان میں نکل کر ترکی مورچوں پر برابر حملے کرتے رہے۔

اس ناکامی نے آسٹریلیا اور برطانیہ کی پارلیمنٹ کو ہلا دیا۔ اور اس جانی نقصان کا ذمہ دار جنرل ہملٹن کو ٹھہرایا گیا۔

ہملٹن کی برطرفی ۱۵ اکتوبر کو جنرل ہملٹن کو اپنی کمانڈ سے دستبردار

ہونا پڑا۔ دسمبر ۱۹۱۵ء اور جنوری ۱۹۱۶ء میں تمام اتحادی فوج گیلی پولی چھوڑ کر چلی گئی۔

اتحادی فوج کی پسپائی اتحادی فوج کے تقریباً پچاس ہزار مردہ سپاہی ابھی تک گیلی پولی کی سرزمین میں زیرِ خاک ہیں۔ علاوہ ازیں اتحادیوں کے ایک لاکھ سے زائد سپاہی مجروح ہوئے۔ ترکی فوج کا بھی بہت عظیم جانی نقصان ہوا۔

تبصرہ اور اسباق سب سے زیادہ نفع میں جرمنی رہا۔ کیونکہ اتحادیوں کی تقریباً پانچ لاکھ فوج یورپی محاذ سے دور ترکی کے خلاف پھنسی رہی۔ اس وجہ سے اس نے اس دوران میں روسی طاقت کو ختم کر دیا اور اب جرمنی اور ترکی میں براہِ راست سلسلۂ آمد و رفت قائم ہو گیا۔

اس لڑائی سے سب سے بڑا اور اہم سبق ہم یہ سیکھ سکتے ہیں۔ کہ سیاسی لیڈروں کو میدانِ جنگ کے سپہ سالار کے امور میں دخل انداز نہیں ہونا چاہیئے۔

ترکی حکومت میں غازی انور اس غلطی کا مرتکب ہوا۔ اور یہ ترکی حکومت کی خوش قسمتی تھی۔ کہ مصطفےٰ کمال نے تحمل، صبر و استقلال کے ساتھ جان پر کھیل کر اپنے ملک کو تو بچا لیا۔ مگر پھر بھی ہزارہا ترکی نوجوان بلا ضرورت زیرِ خاک ہو گئے۔

ادھر چرچل اور کچنر کی خود سری اور بے لگامی نے امیرالبحر اور

جرنل ہملٹن کو اپنی عقل اور اختیارات کو پوری طرح سے استعمال نہ کرنے دیا۔
ہملٹن کے خلاف جیسا کہ اس نے خود لکھا ہے۔ کہ فاتح سپہ سالار سے کوئی سوال نہیں پوچھتا۔ مگر ہارے ہوئے سپہ سالار کو جائز و ناجائز اعتراضات کا تختۂ مشق بنایا جاتا ہے اور سیاسی لیڈر ناکامی کی تمام ذمہ داری سپہ سالار کے سر پر تھوپتے ہیں۔
یہاں مناسب ہوگا۔ کہ ہم چند اہم معاملات پر غور کریں۔ مثلاً:-
۱۔ اتحادیوں نے جنگ کا آغاز مکمل تیاری کئے بغیر کیا۔ خود اعتمادی اور اپنی طاقت کا گھمنڈ ان میں اس قدر زیادہ تھا۔ کہ انہوں نے نہایت اہم اور بنیادی دفاعی اصولوں کو نظر انداز کر دیا۔ مثلاً:-
(ا) امیرالبحر کے مشورے اور اس کے دفاعی منصوبے کو ٹھکرا دیا گیا۔
(اا) حملہ آور کمانڈر کو صحیح طور سے دشمن کی طاقت اور اس کے بچاؤ کے حالات وغیرہ معلوم نہ تھے۔ کمانڈر تو مقرر کر دیا گیا۔ مگر سٹاف نامکمل تھا۔
(اا) سامانِ رسد و کمک تسلی بخش نہ تھے۔
(اا) توپوں اور راکٹوں کے لئے کافی کارتوس نہ تھے۔
(ہ) مصر کی فوج کے کمانڈر جرنل میکسویل نے باوجودیکہ لارڈ کچنر نے اُسے جرنل ہملٹن سے پورا تعاون اور ہر قسم کی امداد کا حکم دیا تھا۔ مگر اس نے نہ تو جرنل ہملٹن کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ اور نہ ہی کچنر کے ایسے احکامات کا ہملٹن کو پتہ تھا۔

مصنف کی ان اتحادی افسروں اور سپاہیوں میں سے کئی ایک سے گفتگو ہوئی ہے جنہوں نے چناق بیر کی لڑائی واقعہ ۷-۱۰ اگست میں حصہ لیا تھا۔ اُن کا یہ کہنا ہے کہ اگر اُن کے پاس کافی کارتوس اور ٹرنچ مارٹر کے گولے، کچھ محفوظ (ریزرو) فوج ہوتی۔ تو ترکی فوج آگے نہ بڑھ سکتی۔ وہ لگاتار بیداری کی تھکن اور کئی دن مسلسل بلا کمک اور ستانے کے لڑنے کو اپنی شکست کی اصلی وجہ بتلاتے ہیں۔ اُن کا یہ کہنا ہے۔ کہ ہماری پانچ بٹالینوں کو جن کی مقررہ تعداد سے سپاہی بہت کم تھے، یہ حکم ملا کہ سنگین چڑھا کر رائفل کو "سلوپ آرمز" (یعنی کندھے پر رکھ کر) قدم قدم کی رفتار سے چل کر دشمن کے مورچے پر حملہ کرو۔ اس ترکی مورچے میں کم از کم نو ترکی بٹالین تھے۔ انہوں نے اپنے مورچے نہایت عمدہ اور مضبوط بنا لئے تھے۔ لہٰذا ترکوں نے اپنے مورچے کے قریب پہنچنے سے قبل ہی اتحادی حملہ آوروں میں سے تقریباً نصف نفری کو ہلاک اور زخمی کر دیا۔

جنرل ہملٹن سامان رسد۔ سامانِ حرب اور کمک کے لئے بار بار درخواست کرتا رہا۔ مگر اُسے یعنی ہملٹن نے اگر سو آدمی مانگے تو اُسے بیس نفر دیئے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس کی درخواستوں پر پوری توجہ نہ کی گئی۔ یا یوں کہیئے کہ ہر بار اُس کے سودے اور بھاؤ پر بحث کی گئی۔

انور پاشا نے مصطفےٰ کمال کو رشک و حسد کی بنا پر نہ تو وقت

پر کمک بھیجی اور نہ ہی سامان حرب و رسد بھیجا۔ ہم یہ مانتے ہوئے کہ اللہ تعالےٰ کو ترکی حکومت کی بہتری منظور تھی۔ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ انور پاشا نے سلطنت اسلامی اور اپنے وطن کو ذاتی جذبات کے تحت تباہ کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔ ایسے مایوس کن حالات میں مصطفےٰ کمال کی ہمت تھی۔ کہ اپنے سے کہیں طاقتور دشمن کو زیر کر دیا۔

ان حالات سے صاف ہے۔ کہ ترکی اور اتحادی سپہ سالاروں نے بہت حد تک اپنے تدِ مقابل کی چالوں کا صحیح اندازہ لگایا۔ مگر دونوں سالاروں کو اپنے منصوبوں میں سیاسی لیڈروں کی ناجائز مداخلت کی بنا پر ان منصوبوں میں ردّ و بدل کرنا پڑا جس کی وجہ سے سپاہیوں کی بے شمار جانوں کا نقصان ہوا۔

جنرل ہملٹن نے اپنے بحری بیڑے کو پوری طرح سے استعمال نہ کیا۔ اگر وہ ایسا کرتا۔ تو وہ آسانی سے اپنی فوج کے ایک دستے کو بحری بیڑے کی مدد سے فوراً دوسری جگہ آسانی سے لے جا کر اس طرح سے کمک کی کمی کو پورا کر سکتا تھا۔ علاوہ ازیں بعض مبصرین کا یہ خیال ہے۔ کہ اُس نے اپنے ہاتھ میں کافی محفوظ فوج نہ رکھی تھی۔ اور جب اُسے معلوم ہو گیا۔ کہ اُس کا ڈویژن کمانڈر غلطی کر رہا ہے۔ تو اُس نے اپنی رائے منوانے میں کسی قدر کمزوری دکھلائی۔

اب ہم عراق عرب کے محاذ پر تبصرہ کرنے سے پیشتر یہ بتانا چاہتے

ہیں۔ کہ اس اتحادی حملہ کا ترکوں پر یہ اثر ہوا۔ کہ انہوں نے یورپ کی طرف تو اپنی توجہ زیادہ مبذول کی۔ مگر انہوں نے یہ غلطی کی۔ کہ وہ بھول گئے کہ:۔

۱۔ اتحادیوں کی بحری طاقت چونکہ زیادہ ہے۔ لہٰذا وہ ترکی حکومت کے کسی علاقے پر کسی اور جگہ حملہ کر سکتے ہیں۔ مثلاً عراق، عرب اور فلسطین وغیرہ۔ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ ان ممالک کی حفاظت کے لئے وہاں پر ترکی فوجیں کافی نہ تھیں۔

۲۔ ترکوں کے خفیہ نامہ نگاروں نے اپنی حکومت کو یہ کہہ کر خطرناک غلط فہمی میں ڈال دیا۔ کہ تمام مسلمان جہاد کے اعلان پر امیر المومنین یعنی شاہ ترکی کا ساتھ دیں گے۔

شریف مکہ حقیقت تو یہ تھی۔ کہ شریف مکہ اتحادیوں سے مل گیا تھا۔ اور وہ تمام عربستان میں ترکوں کے خلاف فوج تیار کر رہا تھا۔ انگریزی افسر مثلاً لارنس وغیرہ عربوں کی بغاوت کی تنظیم میں مصروف تھے۔ اس کام کے لئے اتحادیوں نے پانی کی طرح عربستان میں سونا بہا دیا۔

۳۔ تمام دنیا کے مسلمانوں میں ایسے علما اور خصوصاً قابل تعظیم درگاہوں کے گدی نشین اتحادیوں کے تنخواہ دار بن گئے تھے۔ اور انہوں نے ترکوں کے خلاف لڑنا جہاد قرار دے دیا حتیٰ کہ اسلامی دنیا کی معزز ترین ہستی یعنی شیخ الاسلام کو بھی اتحادی

روپیہ سے خریدا جا چکا تھا۔

۴۔ یہودی دُنیا نے جو دُنیا کی دولت کی کلید بردار تھی۔ جب موقع پایا۔ تو اسلامی وقار، اسلامی اخوت بلکہ اسلامی تنظیم کو برباد کرنے اور انتشار پھیلانے کے لئے اپنے روپے کی بدولت خود مسلمانوں کے ہاتھوں سے اسلام کی بنیادیں گروا دیں۔ مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں نہ صرف جہاد کے مسئلہ کو مضحکہ انگیز بنایا۔ بلکہ اُن کی مقدس الہامی کتاب قرآن مجید پر حملہ ہوا۔ تو بھی وہ خاموش رہے۔

۵۔ ترکوں کے لئے جرمنوں نے ملک کے لئے دفاعی منصوبہ تو تیار کر دیا۔ مگر اس پر نہ تو ترکی حکومت نے عمل درآمد کیا۔ اور نہ ہی جرمنی نے اُس پر اُن کو عمل کرنے کے لئے کچھ کہا۔ لہٰذا اُن کی فوجیں منتظر رہیں۔ ارکینِ حکومت میں حسد، بغض اور کینہ بیحد تھا۔ رشوت اور آرام طلبی سے اُن کو فرصت نہ ملی۔ گو اسلامی حکومت تباہ و برباد ہونے لگی۔ مگر اتحادی جرمن کے کان پر جُوں تک نہ رینگی۔ ترکوں کے ہزارہا بہترین سپاہی یورپ کے محاذ پر مارے گئے۔

عراق

خوابیدہ شیر پر مگرمچھ کا حملہ گیلی پولی میں ترکی فوج اور اتحادی فوج ایک دوسرے سے جھڑپیں لے کر اور خون کی ندیاں بہا کر الگ الگ ہو گئیں۔ سمندری مگرمچھ نے خوابیدہ شیر پر حملہ کیا۔ دونوں زخمی ہوئے۔ مگرمچھ سمندر میں کود گیا اور ساحل کے قریب منڈلاتا رہا۔ یعنی اتحادی بحری بیڑہ وسطی سمندر پر برابر حاوی تھا۔ مگر شیر کے خوف سے اس سمندر کے ساحل پر اب اترتا نہ تھا۔

بحری اقتدار کا فائدہ لہٰذا اب مگرمچھ نے اپنی تیراکی کے فن سے یہ فائدہ اٹھایا۔ کہ اس نے دوسری جگہ محاذ قائم کر لیا۔ یعنی مگرمچھ نے اب خلیج فارس سے ہوتے ہوئے عراق میں ڈیرہ جمایا۔ ترکی شیر کچھ تو بوڑھا ہونے کی وجہ سے کچھ کوتاہ اندیشی سے یا اپنی جبلی عادت کی وجہ سے اپنی پرانی مار کی

طرف ہی دیکھتا رہا۔ اور اپنے شکاری کی زد میں بُری طرح سے آگیا۔
اس لئے میدانِ جنگ یعنی میسوپوٹیمیا کے جنگ کے حالات بھی ہم تفصیل سے نہ لکھیں گے۔ بلکہ ہم اپنے مقصد کے حصول کے لئے چیدہ چیدہ لڑائیاں یا حالات آپ کے سامنے پیش کریں گے تاکہ آپ خود رائے قائم کر سکیں۔ کہ ترکی حکومت نے غفلت سے کام لیا یا دُور اندیشی سے؟ اور جو حکومتیں ایسا کریں گی۔ اُن کا کیا حشر ہوگا؟ کسی میدان جنگ کے حالات کا صرف اُسی وقت صحیح طور سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ جبکہ اُس ملک کے تواریخی، سیاسی اور تمدنی حالات سے پُوری پُوری آگاہی ہو۔ ہر مسلم کا فرض ہے کہ اسلامی تاریخ کا نہایت باریکی سے مطالعہ کرے۔

عراق سے تعارف

عراق جسے میسوپوٹیمیا کے نام سے ۱۹۱۷ء میں پکارا جاتا تھا۔ تمام دُنیا میں تیل جیسی معدنیات کے لئے مشہور ہے۔ اس تیل سے پٹرول وغیرہ بنتا ہے۔ جس کے ذریعے موٹر گاڑیاں، ہوائی جہاز اور بحری بیڑے وغیرہ چلتے ہیں۔

عراق کی تاریخ اسلامی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہے یہ عراق ہی تھا جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کو قرآن مجید میں سب سے پہلا مسلم کہا گیا ہے پیدا ہوئے۔ عراق کے اسلامی، مذہبی اور تمدنی حالات بہت قدر و منزلت رکھتے ہیں۔ اسی عراق میں، امام

ابو حنیفہ، قاضی ابو یوسف اور امام یوسف رحمہم اللہ علیہم ہر فرد و بشر کو فقہ پڑھایا کرتے تھے اور یہی فقہ ہے جس پر اہل سنت و جماعت کی بنیادیں کھڑی کی گئیں۔ اور عراق ہی میں حضرت شاہ عبد القادر جیلانیؒ، خواجہ حسن بصریؒ، حضرت رابعہ بصریؒ اور حضرت منصورؒ جیسے پاکیزہ اسلامی رہبروں نے اسلامی دنیا کی خدمت کی اور اسی سرزمین میں اُن کے مزار موجود ہیں۔

شیعہ فرقے کی نظروں میں کربلا معلّٰے کی عزت، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے کم نہیں۔ شیعہ جماعت والے روزانہ اپنی نمازیں کربلا معلّٰے کی زیارت کے لئے دُعا مانگتے ہیں۔

عراق ہی کی سرزمین میں حضرت امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے۔ اور یہیں اُن کا مزار ہے۔ شیعہ جماعت جب آپ کے مزار کا طواف کر لیتے ہیں۔ تو اُسے حج کے ثواب کے برابر سمجھتے ہیں۔

شہر نجف اشرف بھی عراق میں ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں شیعہ جماعت کا سب سے بڑا مدرسہ ہے اور صرف مجتہد ہی اس مدرسہ سے سرٹیفکیٹ لیتے ہیں اور مذہبی قوانین اور مسائل پر فتویٰ دینے کا حق رکھتے ہیں۔ اسی شہر میں حضرت علیؓ کا مزار ہے آپ اسلام کے نہایت بہادر جرنیل اور مشہور سالار اور امام تھے۔ عراق کی سرزمین کو حضرت عباسؓ اور اُن کے بھائی کے مزاروں کا بھی شرف حاصل ہے۔

عراق کا شہر بغداد اسلامی حکومت کا بہت عرصہ تک دارالخلافہ بنا رہا۔ مگر اس حیثیت سے قبل عراق کے شہر بصرہ کو یوسف بن حجاج نے اپنا فوجی مرکز بنایا تھا۔ جہاں سے اس نے ایران۔ فارس، ترکستان اور ہندوستان کی طرف فاتح افواج روانہ کیں۔

عراق خلیج فارس کے شمالی حصہ پر واقع ہے ایران اس کے مشرق کی طرف ہے اور عربستان کی سطح مرتفع اس کے مغرب کی طرف ہے۔ درحقیقت عراق وہ نشیبی علاقہ ہے۔ جو کہ دریائے دجلہ اور فرات کی وادی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان دریاؤں میں طغیانی آتی ہے۔ تو عراق کا بہت بڑا حصہ سیلاب کے پانی میں غرق ہو جاتا ہے۔

۱۹۱۴ء میں اس علاقہ میسوپوٹیمیا کو دو ولایت میں تقسیم کیا گیا تھا۔ شمالی ولایت الجزیرۃ جس کی جنوبی حد شہر بغداد تھی اور جنوبی ولایت عراق عربی جو بغداد سے خلیج فارس تک تھا۔

برطانوی مشن عراق میں

حکومتِ برطانیہ نے غلاموں کی تجارت کی روک تھام اور بحری قزاقوں کے انسداد کے لئے درپردہ عراق کے سمندری علاقے اور دونوں دریاؤں کے جہاز رانی کے نقشے مکمل کر لئے تھے۔ اسی بہانے سے انہوں نے تمام ملک میں نہ صرف اپنی تجارت ہی پھیلائی۔ بلکہ تمام جنگی نقشے بھی تیار کر لئے۔ لہٰذا جنگ چھڑنے سے قبل برطانیہ کم از کم اقتصادی طور سے خلیج فارس اور عراق عرب پر بالکل حاوی تھا۔

جرمن عراق میں

بیسویں صدی کے آغاز میں جرمنی نے بھی اس ملک کی طرف توجہ کی اور انہوں نے "ینگ ترک پارٹی" کی مدد سے۔ ان علاقوں میں انگریزی اثرات کو کم کرنے کی سرتوڑ کوشش شروع کر دی اور انگریزی دکانیں جو بغداد اور کربلا میں تجارت کرتی تھیں۔ اُن کے خلاف وہاں کے باشندوں سے بائیکاٹ کرانے کی جدوجہد شروع کر دی۔

جرمنی کی تجویز یہ تھی۔ کہ وہ ایک ریلوے لائن استنبول سے براستہ بغداد خلیج فارس کے ساحل تک پہنچا کر برطانیہ کو ہند کی حفاظت کے خطرے کی تشویش میں اُلجھا دے۔ اس طرح پھر افغانستان کے راستے سے ہندوستان پر حملہ کرنا آسان بنا دے۔ اس حجاز ریلوے کی ایک اور شاخ ایلیپو (ALLEPO) (حلب) سے نہر سویز کی طرف بنانے کی تجویز تھی۔ تاکہ برطانیہ کا نہر سویز کا راستہ بند کر کے اُن کی ایشیائی سلطنت اور تجارت کو مشکلات میں ڈال دیا جائے۔

جرمنی اپنے تجارتی مفاد کی خاطر یہ چاہتا تھا۔ کہ ترکی کے ذریعے تمام افریقہ اور مراکش میں انگریزوں کے خلاف جہاد کرا دے۔ ان حالات میں ترکی پر صرف قفقاز کے پہاڑی علاقے میں سے گذر کر حملہ ہو سکتا تھا۔ اور ایسا کرنے میں رُوس کو پہاڑی علاقے کے باعث بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ مگر ترکی نے سمندری

راستے سے برطانوی حملے کو رد کرنے کے لئے کوئی ٹھیک دفاعی منصوبہ نہ بنایا۔

دریا اور نالے عراق عربی کا علاقہ بالکل چٹیل میدان ہے جس کو بے شمار برساتی نالوں نے کاٹ کر رکھ دیا ہے جب دریا طغیانی میں آتا ہے۔ تو ان نالوں سے پانی دُور دُور کے علاقوں کو سیراب کرتا ہے۔ کیونکہ دونوں دریاؤں کے کنارے سطح زمین سے کافی بلندی پر ہیں۔

یہ امر دلچسپ ہے۔ کہ بصرہ جو خلیج فارس کے شہر فاؤ (FAO) سے ۶۲ میل کے فاصلے پر ہے سطح سمندر سے صرف ½ ۷ فٹ بلند ہے۔ اور بغداد جو کہ تقریباً ۵۶۰ میل دُور ہے سطح سمندر سے صرف ۱۲۰ فٹ بلند ہے۔ درمیانہ آمارہ (AMARAH) جو بصرہ سے ۱۳۲ میل ہے، سطح سمندر سے صرف ۲۷ فٹ بلند ہے۔

دریائے شط العرب (SHAT-AL-ARAB) میں ریت پڑ جانے کی وجہ سے وہ جہاز جنکو ۱۹ فٹ گہرائی سے زیادہ پانی چاہیئے۔ بصرہ کی بندرگاہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔

دریائے دجلہ میں شہر قرنا تک صرف دریائی چھوٹے جہاز جا سکتے ہیں۔ مگر اس سے آگے صرف وہ جہاز جا سکتے ہیں۔ جو ½ ۳ فٹ پانی میں تیر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں جہاز رانی دریا کے پیچ در پیچ روانی کی وجہ سے بہت ہی مشکل ہے۔ اس لئے زیادہ لمبائی والے جہازوں

کی آمد و رفت ناممکن ہے۔
دریائے فرات میں پانی کی کمی اور ریت وغیرہ کی وجہ سے جہاز رانی اور بھی مشکل ہے۔ اس لئے اس دریا میں عموماً عام عربی کشتیاں جسے بلم کہتے ہیں استعمال ہوتی ہیں۔
عراق میں سڑکیں بالکل نہ تھیں۔ لہٰذا تمام تجارتی مال یا تو اونٹوں پر جاتا تھا یا دریا میں کشتیوں کے ذریعے سے جاتا تھا۔

عراق کی حکومت

عراق میں گو حکومت ترکی سلطنت کی تھی مگر درحقیقت یہ حکومت بالکل برائے نام تھی۔ تمام قبیلوں کے شیخ خودمختار تھے اور شاذ و نادر ہی ترکی کو مالیہ ادا کرتے تھے۔
برطانیہ کے روپیہ کے لالچ سے اپنے پاؤں خوب مضبوطی سے جما لئے تھے۔ دراصل وہ عراق کے سیاسی حالات سے ترکی حکومت کی نسبت زیادہ باخبر تھے۔

برطانیہ کا دفاعی منصوبہ

برطانیہ کو جرمنی کی ریشہ دوانیوں کے حالات سے بھی پوری پوری آگاہی تھی۔ لہٰذا حکومتِ برطانیہ نے حکومتِ ہند کو ترکی کے خلاف جنگ شروع ہونے ہی دفاعی کارروائی کے لئے احکام جاری کر دئیے تھے اس لئے جب ۳۱ اکتوبر کو ترکی نے جرمنی کے ساتھ جنگ میں لحاق کرنے کا اعلان کیا۔ تو اس وقت ہندوستانی فوج کا بیڑہ ۱۶ اکتوبر

سے بمبئی سے روانہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا یہ بحری بیڑہ برطانوی فوج کے ساتھ ۳۱ اکتوبر کو جزائر بحرین میں لنگر انداز تھا۔ اس کے مقابلے میں ترکی ملکی سیاست سے بے خبر مسلمانوں کے جذبۂ جہاد پر اعتماد کیے سو رہا تھا۔ لہٰذا دفاعی لحاظ سے وہ اس بغلی حملے کے لئے بالکل تیار نہ تھا۔

عسکری پاشا کی خوش فہمی

ہم اس بیان کی دلیل میں صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں۔ کہ جب ترکی حکومت نے اعلانِ جنگ کیا اور ان کو انگریزی حکومت کی پیش قدمی کا علم ہوا۔ تو غازی انور پاشا نے سلیمان عسکری پاشا کو عراق کی فوجی کمانڈ کے لئے منتخب کرتے وقت کوہ قاف کے میدان جنگ سے ایک چیدہ ڈویژن ہمراہ لے جانے کے لئے کہا۔ تو عسکری پاشا نے جو نہایت ہی بہادر اور جنگ آزمودہ جرنل تھا۔ غازی انور سے یہ کہا:۔

"کہ مجھے ان بہادرانِ اسلام کی ضرورت نہیں۔ میں عراق میں جہاد کا اعلان کروں گا اور وہاں کے مجاہدوں سے ہی انگریزوں کو نہ صرف عراق سے باہر نکال دوں گا۔ بلکہ ایران کا ملک بھی برطانوی فوج سے خالی کرا دوں گا۔"

لہٰذا سلیمان عسکری کے پاس یہ فوج تھی:۔

۳۸ ترکی ڈویژن کا ڈھانچہ:۔ آپ کو یاد ہوگا۔ کہ اس ڈویژن

میں سے سب نوجوان افسر اور سپاہی نکال کر دوسرے محاذوں پر بھیج دیئے گئے تھے۔ لہٰذا یہ ڈویژن برائے نام تھا۔

عربی رضاکاروں کی فوج:۔ جو رشوت کا شکار ہو کر برطانیہ کی زرخرید لونڈی بن چکی تھی۔

۳۵ ڈویژن کو دوبارہ ترتیب دیا جا رہا تھا۔ اور یہ فوج موصل کے گرد و نواح میں تھی۔

برطانوی فوج عراق میں برطانوی فوج میں ایک بریگیڈ، دو توپ خانے اور کچھ دریائی جنگی بیڑہ تھا۔ مگر ۱۴ نومبر ۱۹۱۴ء کو ایک طاقتور ڈویژن مع ایک رسالے کے اس فوج کی کمک کے لئے بھیجا گیا۔

ترکی فوج کا حملہ ۱۵ اپریل ۱۹۱۵ء کو سلیمان عسکری نے برطانوی فوج پر حملہ کیا۔ مٹھی بھر ترکی فوج تو بہادری سے لڑی۔ مگر عربی فوج نے غداری کی۔

سلیمان عسکری نے پیچھے نہ ہٹنے کی قسم کھائی تھی۔ لہٰذا وہ وہیں میدانِ جنگ میں نہایت بہادری سے ترکی دستے کے ہمراہ لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ مگر یہ قربانی برطانوی فوج کے ہلّے کو نہ روک سکی۔

برطانوی پیش قدمی برطانوی حملہ کا سیلاب تقریباً تین ہزار بوڑھے مگر جانباز ترکی سپاہیوں کی لاشوں کو روندتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ بصرہ کی فتح کے بعد کرنا برطانوی فوج

کے ہاتھ آیا۔ شہر کُرنا نہایت ہی اہم دریائی سفر اور تجارت کا مرکز تھا۔ کیوں کہ یہاں تک اچھے خاصے بڑے دریائی جہاز خلیج فارس سے آجا سکتے تھے۔ لہٰذا یہ دفاعی حیثیت سے بہت اہمیت رکھتا تھا۔ اس شہر کے برطانوی فوج کے ہاتھ میں آنے سے اب اب برطانوی بحری بیڑے کو خلیج فارس سے کُرنا تک پُورا اقتدار حاصل ہوگیا۔ بالفاظِ دیگر ایران اور عربستان کے ساحل کے باشندے برطانوی اقتدار کے قائل ہو گئے۔ کُرنا میں والیٔ بصرہ صبیحی بے نے اپنے آپ کو انگریزوں کے سپرد کر دیا۔ اس طرح سے ایک بہت ہی اہم دفاعی مرکز برطانوی فوج کے ہاتھ آگیا۔ جہاں بحری بیڑہ اُن کی پشت پناہ تھا۔ برطانوی فوج نے جب بصرہ، کُرنا، شائبہ پر قبضہ کرلیا۔ تو برطانوی فوج کے کمانڈر نے پہلے آہواز کے شہر اور قلعے کو فتح کیا اور اُس کے بعد برطانوی کمانڈر نے نمبر ۶ ڈویژن جو جنرل ٹاؤنسنڈ کے زیر کمان تھا کو شہر اماّرہ جو دریائے دجلہ پر واقع تھا فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔

چونکہ موسم گرما شروع ہوگیا تھا۔ لہٰذا برف کے پگھلنے کی وجہ سے دریائے دجلہ اور فرات میں طغیانی کا وقت آگیا تھا۔ اس لئے برطانوی فوج کے کمانڈر نے طغیانی سے قبل بہت سی عربی کشتیاں (بلم) اور تیل سے چلنے والے دریائی جہاز جمع کر لئے۔ تاکہ ان کی مدد سے برطانوی آگے بڑھ کر ترکی فوج کو عراق سے نکال دے۔ بلم کے

اندر لوہے کی چادر مڑھ دی گئی۔ تاکہ ڈائنل کی گولیوں سے برطانوی فوج کے سپاہیوں کو امان ملے۔ اور تمام پلٹن کے سپاہیوں کو کشتی چلانے کا کام سکھلایا گیا۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ نفر اُس میں سفر کر سکیں اور نقل و حرکت کو مخفی رکھا جا سکے۔

پلٹن سے بھری ہوئی کشتیوں (بلم) کے آگے دریائی جنگی جہاز بطور حفاظت گئے۔ ۴ جون ۱۹۱۵ء کو برطانوی فوج نے اُمارہ کا ترکی مورچہ فتح کر لیا۔

مزید پیش قدمی کا منصوبہ

اس فوج کے علاوہ برطانوی بارہ[۱۳] ڈویژن ایرانی علاقے میں نقل و حرکت کرتا رہا۔ تاکہ ایرانی تیل کے چشموں کی حفاظت بھی کرے اور جنرل ٹاؤنسنڈ کے میمنہ کو دشمن کے حملوں سے محفوظ رکھے۔ اُمارہ کے فتح ہونے پر بارہ[۱۲] ڈویژن نمبر ۶ ڈویژن سے آملا۔

چونکہ دریائے فرات پر شہر ناصریہ میں ترکی فوج کا ایک بڑا دستہ مقیم تھا۔ اور یہ دستہ برطانوی فوج کے میسرہ (بائیں فینک) اور عقب پر دریائے شط الحی کے راستے حملہ کر سکتا تھا۔ لہٰذا جنرل گارنج کو بارہ[۱۲] ڈویژن کے ساتھ ترکی فوج کو برباد کرنے کے لئے بھیجا گیا اور اُدھر ۶ ڈویژن کا کمانڈر جنرل ٹاؤنسنڈ کوت العمارہ پر حملے کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

جنرل گارنج کے مقابلے میں ترکی فوج نے شق الشقیہ جو دریائے

شط الحی اور دریائے فرات کے الحاق پر واقع تھا۔ مورچہ بندی کر رکھی تھی۔ برطانوی فوج نے ۱۳ اور ۱۴ جولائی کو ترکی فوج پر حملے کئے مگر وہ ناکام رہے۔ مگر ۲۵ جولائی کو وہاں کے مقامی عرب شیخ برطانوی فوج کی امداد پر آ گئے۔ لہٰذا ترکی فوج کو شکست فاش ہوئی۔ اور برطانوی فوج ۲۶ جولائی کو شہر ناصریہ میں فاتحانہ داخل ہو گئی۔

دجلہ کے کنارے نورالدین پاشا ترکی فوج کے ساتھ کوت العمارہ میں مورچہ بند تھا اور اس ترکی فوج کے میسرہ کی حفاظت عربی رضا کار رسالے کے ہاتھ میں تھی اور یہ رسالہ دریا کے مغربی کنارے پر متعین تھا۔

برطانوی حملے کی کامیابی جنرل ٹاؤنسنڈ نے ترکی کمانڈر کے ساتھ یہ چال چلی۔ کہ اس نے نورالدین پاشا کو برطانوی فوج کی نقل و حرکت سے یہ یقین دلایا۔ کہ وہ ترکی میمنہ پر حملہ کرے گا۔ مگر اس نے یہ دھوکہ دے کر ترکی میسرہ یعنی عربی رسالے کی جانب سے ترکی مورچہ پر حملہ کیا۔ برطانوی فوج کا یہ حملہ کامیاب رہا۔ اور ترکی فوج ہمت ہار کر بھاگ نکلنے میں اس لئے کامیاب ہو گئی۔ کیونکہ کوت العمارہ سے آگے دریائے دجلہ میں پانی بہت کم تھا۔ نورالدین نے اب سلیمان پاک (CTESIPHON سیٹسیفون) میں مورچہ بندی کر لی۔

برطانوی فوج ۵ نومبر ۱۹۱۵ء بمقام عزیزیہ (AZIZIYAH) پہنچ گئی۔ اس طرح سے تمام بصرہ ولایت برطانوی فوج کے ہاتھ آ گئی۔

دفاعی مبصرین کی رائے:۔ بعض دفاعی مبصرین کا یہ خیال ہے کہ برطانوی فوج کو کرنا اور ناصریہ سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ ان فتوحات کے طفیل ایرانی تیل کے چشمے اور خلیج فارس کی بحری نقل و حرکت محفوظ تھی۔ علاوہ ازیں ان علاقوں پر قبضہ ہونے کی وجہ سے جرمنی کی فوج ہندوستان پر ایران کے راستے سے حملہ نہ کر سکتی تھی

مقامی حالات۔ جذبہ جہاد کا پول ادھر مقامی حالات کچھ اور تھے۔ برطانوی فوج کو فتوحات زر کے زور سے آسانی سے حاصل ہو رہی تھیں۔ اسلامی دنیا کے جہاد کا پول کھلنے کے باعث ترکی حکومت اوسان خطا کر بیٹھی کیونکہ عرب صرف عراق ہی میں انگریزوں کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ بلکہ شریف مکہ لارنس کے ساتھ ساز باز کر کے تمام عربستان میں ترکوں کے خلاف بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر کے انگریزوں کے ساتھ کھلم کھلا مل گیا تھا۔ ایسے موافق حالات میں اگر برطانوی فوج کا سپہ سالار اپنی ذاتی ذمہ داری پر اپنی فوج کو آگے بڑھاتا چلا گیا۔ تو ہمارے قیاس میں وہ غلطی پر نہ تھا۔ خصوصاً جب تک کہ فتح جنرل نکسن کے قدم برابر چومتی رہی۔ علاوہ ازیں برطانیہ نے زر و زور سے مسلم علما اور امرا کو خرید لیا تھا۔ اسی لئے اُن کو یقین تھا۔ کہ جہاد کا نعرہ بے سود ہوگا۔

کرسمس کا تحفہ ان پیشقدمیوں پر نہ تو حکومت ہند اور نہ ہی دارالافس نے کوئی سوال یا اعتراض کیا۔ بلکہ جنرل نکسن کو یہ ہمت

دلائی گئی۔ کہ اگر ہو سکے۔ تو گیلی پولی کی شکست کو مات کرنے کے لئے دسمبر یعنی کرسمس کے موقع سے قبل بغداد کو فتح کر لیا جائے۔ تو برطانوی حکومت کے لئے اس فوج کی طرف سے یہ بہترین تحفہ برطانوی قوم کے لئے ہوگا

اس لئے ۱۸ نومبر ۱۹۱۵ء کو جنرل نکسن نے جنرل ٹاؤنسنڈ کو بغداد فتح کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی وار آفس نے جنرل نکسن کی مدد کے لئے دو انڈین ڈویژن (نمبر ۳، ۷) کو بطور کمک فرانس سے عراق روانہ کئے۔

ترکوں کا جوابی حملہ سلیمان پاک بغداد کے جنوب میں تقریباً ۱۸ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں نورالدین پاشا نے مورچہ بندی کی تھی۔ ان ایام میں غازی انور پاشا نے گیلی پولی کے فاتح جرمن سپہ سالار فیلڈ مارشل وان ڈرگالٹز کو نورالدین پاشا کی مدد پر دو ڈویژن دے کر بطور کمک بھیجا۔ لہٰذا جب ۲۲ نومبر کو ٹاؤنسنڈ کی فوج نے ترکی کے مورچہ بمقام سلیمان پاک پر حملہ کیا۔ تو اُس وقت ترکی کمک خصوصاً (توپ خانہ) پہنچ چکی تھی۔ ٹاؤنسنڈ کی فوج بہادری اور دلیری سے لڑی۔ مگر آخرکار ۲۳ نومبر کو ان کو مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔

برطانوی افواج کی پسپائی جنرل ٹاؤنسنڈ شکست کھا جانے کے باوجود نہایت تدبر اور استقلال کے ساتھ اپنی فوج کو پیچھے ہٹا کر ۲ دسمبر کو کوت العمارہ

پہنچ گیا۔

چونکہ ۷ دسمبر کو جنرل نکسن نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ جنرل ٹاؤنسنڈ کوت العمارہ میں محصور ہو جائے۔ لہٰذا تمام رسالہ اور ٹرانسپورٹ کوت العمارہ کو خالی کر کے علی الغربی میں باقی فوج کے ساتھ جا ملا۔ یہاں یہ برطانوی فوج فرانس سے نئے دو ڈویژنوں کی منتظر رہی۔ جو کمک کے لئے آ رہے تھے۔ تاکہ اس کی مدد سے دوبارہ آگے بڑھ کر ترکی فوج کو شکست دے۔

برطانوی جوابی حملے برطانوی کمک کے آنے پر عراق کی برطانوی فوج نے تین بار نہایت زبردست جوابی حملے ترکی فوج پر کئے۔ مگر وہ ناکامیاب رہے۔ آخر کار ۲۹ اپریل کو ٹاؤنسنڈ نے معہ اپنی فوج کے ہتھیار ڈال دئے۔

جنگی قیدیوں کے ساتھ فیاضی ترکی کمانڈر نے اس بہادر جرنل اور فوج کا بہت احترام کیا۔ اور اسے پوری آزادی سے استنبول میں رہنے کی اجازت دی۔ کوت العمارہ کو چھڑانے کے لئے کئی نئے برطانوی جرنل لگائے گئے۔ اور ناکامی پر اُن کو نکال دیا گیا۔ اور آخر کار دارآفس نے اس میدان جنگ کو حکومت ہند کے ہاتھ سے نکال کر اپنے پاس لے لیا اور اس فوج کا نیا کمانڈر جرنل ماڈ (MAUDE) مقرر ہوا۔

نیا برطانوی کمانڈر انچیف جرنل ماڈ نے سب سے پہلا

کام یہ کیا۔ کہ اپنی فوج کو نئے سرے سے منظم کیا۔ پھر اُس نے بار برداری سامانِ حرب، رسد اور خصوصاً ہسپتالوں کا خاص انتظام کیا۔ بعد ازاں اپنی شکست خوردہ فوج میں فتح مندی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے اُس نے نہایت مدبرانہ دفاعی منصوبے تیار کر کے دشمن کے چھوٹے چھوٹے دستوں کو شکست دینے اور اُن کے مورچوں پر قبضہ کرنے کے لئے سکیم بنائی۔ علاوہ ازیں ہندوستان سے مولوی، پنڈت، گرنتھی آئے۔ پادری انگریزی فوج کے لئے بلائے گئے۔ تاکہ پراپیگنڈہ کر کے فوج کا حوصلہ بڑھائیں۔

مصنف نے جنرل باڈ کے آنے پر حیرت انگیز تبدیلیاں دیکھیں جہاں پہلے ہم سپاہیوں کو اگر پیٹ بھر کر کھانے کو آٹا مل جاتا۔ تو ہم بہت غنیمت سمجھتے۔ اب سرکاری راشن میں گڑ کی بجائے چینی اور بھنے ہوئے چنوں کی بجائے بسکٹ وغیرہ کھانے کے لئے ملتے تھے

بہتر انتظام کی فضیلت

پہلے چوبیس ۲۴ گھنٹے میں پینے کے لئے ایک بوتل پانی ملتا۔ اب پانی نہ صرف افراط سے ملتا تھا۔ بلکہ دریا کے کنارے کے قریب جوار میں سپاہیوں کو برف بھی ملنے لگی۔ ٹین میں بند پھل، سگریٹ وغیرہ اب عام راشن کا حصہ بن گئے۔ پہلے تو مہینوں میں کہیں ایک خط اپنے گھروں سے ملتا تھا۔ مگر اب ڈاک مسلسل اور برابر آنے لگی۔ ان حالات نے فوج میں نئی رُوح ڈال دی۔ کسی نے سچ کہا ہے:۔

"پیٹ خالی تو عشق ٹائیں فش"

اب برطانوی فوج کی کمک کے لئے دریائی جہاز۔ ریلوے ٹرین موٹرین کام کر رہی تھیں۔

فتح کا خمار اُدھر ترکی فوج کوت العمارہ کی فتح سے مخمور ہو کر دانشمندی کو ہاتھ سے کھو بیٹھی۔ خصوصاً اس لئے کہ یہ ترکی کی برطانوی فوج کے خلاف دوسری فتح تھی۔ اور ۱۹۱۵ء میں عالمگیر جنگ کے حالات اتحادیوں کے بہت خلاف تھے۔ ترکی فوج اب بڑھتے بڑھتے دو آرمی کور کے برابر تھی جس کا کمانڈر رہلیل پاشا تھا۔

۱۶ اپریل ۱۹۱۶ء کو ترکی فوج کے سپہ سالار رہلیل پاشا نے نمبر ۱۳ آرمی کور کو ایران بھیج دیا۔ تاکہ وہاں اتحادیوں کے خلاف جہاد کا جذبہ پھیلائے اور اس طرح سے اپنی فوج کے لئے ہندوستان پر حملہ کرنے کا راستہ صاف کر دے۔ اس نمبر ۱۳ ترکی کور میں تقریباً تین ڈویژن تھے۔ گو اس ترکی فوج کی وجہ سے حکومتِ ہند بہت پریشان رہی۔ مگر اس فوج نے کوئی اہم یا نمایاں کام نہ کیا۔ فلسفۂ جہاد کا اثر ایرانیوں پر اتنا ہی ہوا۔ جتنا کہ عربستان اور عراق کے عربوں پر ہوا تھا۔

یہ واقعات جہاں اسلامی دنیا کے لئے سبق آموز ہیں۔ وہاں پر یہ عبرت ناک بھی ہیں۔

المناک حالات اسلامی حکومتوں کی رعایا نے جہاد کا لفظ پڑھا

یا سنا ضرور تھا۔ مگر اس کی اہمیت کو وہ بھول چکے تھے۔ انہوں نے اس حربے کو استعمال میں لانے کے لئے کوئی سیاسی منصوبہ نہ تو امن کے دوران میں بنایا اور نہ دورانِ جنگ میں اُنہوں نے اسے استعمال کرنے کی کوئی صائب تدبیر کی۔

مگر اتحادیوں نے لارنس، سرسدی، کاکس وغیرہ جیسے ڈپلومیٹک قابلیت کے لوگوں کی مدد سے ترکی حکومت کے علاقے میں جاسوسوں اور ریاکاروں کا جال پھیلا دیا تھا۔ ہندوستان کے زیادہ تر علما نے روپیہ کے لالچ میں دین کو بیچ کر اپنے فتوے لکھ کر ہندوستان میں تقسیم کر دئے تھے۔ جن میں انہوں نے خلیفۃ المومنین یعنی ترکی حکومت کے خلاف لڑنا جہاد قرار دے دیا تھا۔ مصنف بھی ایسے فتووں کا شکار بنا اور اُسے پہلی بار مولانا محمد علی جوہر نے ۱۹۲۲ء میں خواب غفلت سے بیدار کیا تھا۔

برطانوی فوج کی دوبارہ پیشقدمی

دسمبر ۱۹۱۶ء میں جب جنرل ماڈ کی فوج نے پیش قدمی شروع کی۔ تو اُس وقت اُن کے مقابلے میں صرف ایک ترکی آرمی کور یعنی نمبر ۱۸ تھی۔ جس میں نمبر ۴۵، نمبر ۵۱، اور نمبر ۵۲ ڈویژن تھے۔ جو فلیلیہ اور کوت کے مورچوں میں تھے۔ اور اہم وقت میں بھی نمبر ۱۳ آرمی کور کرمان شاہ اور ہمدان کے علاقے میں بیکار بیٹھی رہی۔

لہٰذا اس ایک ترکی کور کے مقابلے میں جنرل ماڈ نے دو آرمی کور یعنی فرسٹ اور تھرڈ اور ایک کیولری ڈویژن سے حملہ کیا بالفاظ دیگر برطانوی جنرل نے حملہ کے وقت ترکوں کے خلاف مخصوص محاذ پر اکثریت حاصل کرلی۔

یہ جنرل ماڈ کی خوش قسمتی تھی۔ کہ اس کے کمانڈ لینے سے قبل برطانوی جرنلوں نے برطانوی مورچے کو کافی مضبوط اور بہتر بنا دیا تھا۔ اور دفاعی نظریہ کے لحاظ سے برطانوی فوج ترکی مورچہ پر حملہ کرنے کے لئے بہت ہی موزوں پوزیشن میں تھی۔

جنرل ماڈ نے یہ اندازہ لگایا۔ کہ اس کی فوج دریائے دجلہ کے مغربی جنوبی کنارے کے مورچے کے خلاف دفاعی نقل و حرکت کرکے ترکی فوج کے عقب میں آسانی سے نہیں پہنچ سکتی۔ مگر اس کے مقابلے میں دجلہ کے مشرقی کنارے میں دفاعی نقل و حرکت کرکے برطانوی فوج آگے بڑھ کر ترکی فوج کی آمد و رفت کے راستے بند کر سکتی ہے اس طرح سے وہ ترکی فوج کے توازن کو الٹ پلٹ کر سکے گا۔ اس منصوبے کے تحت ماڈ نے یہ جنگی چال چلی کہ اس نے :-

۱۔ فسٹ کور کو حکم دیا۔ کہ وہ سنایات کے ترکی مورچہ پر شدید گولہ باری کرکے دشمن کی توجہ اس طرف مبذول کرے۔ اس طرح سے تھرڈ کور ۱۳ دسمبر کی رات کو شب خون کرکے دجلہ کے مغربی جنوبی کنارے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ کر دریائے شط الحی

اور دجلہ کے الحاق پر قبضہ کرے۔ اچانک حملہ کی وجہ سے برطانوی فوج ایسا کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

۲۔ جس وقت تھرڈ برطانوی کور آگے بڑھ رہی تھی اور ترکی فوج کی ساری توجہ اس طرف تھی۔ اُس وقت برطانوی رسالے کا ڈویژن دریائے دجلہ کو پار کرکے مشرقی کنارے پر حملہ آور ہوا۔ اُس نے ترکی فوج کے عقب کو خطرے میں ڈال دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ برطانوی پلٹن نے ترکی مورچہ پر حملہ کرکے بہت خون ریز لڑائی کے بعد جو ۱۴ دسمبر سے ۷ جنوری تک جاری رہی۔ برطانوی فوج نے ترکی فوج کو حیدری مورچہ سے نکال کر اُس پر قبضہ کرلیا۔

۳۔ اس فتح کے بعد برطانوی فوج نے مشرقی کنارے کی بجائے مغربی کنارے پر حملے کا زور بڑھا دیا۔ اور آخر کار بہت ہی گھمسان کی لڑائی کے بعد ۱۶ فروری کو ترکوں کو دھارا کے مورچہ سے بھی نکال دیا۔

اس طرح سے جنرل ماڈ جس نے دُور اندیشی سے دفاعی منصوبہ بنا کر دریا کے آر پار جانے کے لئے بہت سی کشتیاں جمع کرلی تھیں دشمن کی فوج سے کبھی اپنی فوج کو ایک طرف لڑاتا اور پھر رات کے اندھیرے میں دریا کے پار والی فوج کو کمک بھیج کر دوسرے کنارے سے ترکوں پر حملہ کرتا۔ اس طرح سے لڑائی لڑنے سے ۲۲ جنوری

تک اُس نے دشمن کے بہت ہی اہم مورچوں پر قبضہ کرلیا۔ اور بالآخر ترکی فوج مجبوراً ۲۴ جنوری کو پیچھے ہٹ گئی۔ اُدھر جرنل ماڈ کے حکم سے ان کے تعاقب میں دریا میں لڑاکا جہاز یعنی اگن بوٹ اور زمین پر برطانوی رسالے نے ان کا پیچھا کیا۔ اس طرح سے ترکی فوج سے تقریباً چالیس توپیں، بائیس ٹرنچ مارٹر، ۱۱ مشین گن اور دو برطانوی گن بوٹ جو ترکوں کے ہاتھ سلیمان پاک کی شکست کے بعد ہاتھ آئے تھے۔ پھر برطانوی فوج کے ہاتھ لگے۔

جہاں برطانوی فوج کے کمانڈر نے انتظامی معاملات پر توجہ دے کر انہیں نہایت اعلیٰ بنا لیا تھا۔ اُس کے متضاد ترکی سالار خواب غفلت میں سو رہا تھا۔

ترکی نمبر ۱۸ کور ایران میں بے کار وقت ضائع کر رہی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ ترکی جرنل دیدہ و دانستہ ہلیل پاشا کی مدد پر نہ آیا۔

ترکی فوج نے اس بار سلیمان پاک کے مورچے کو بچانے کی کوشش نہیں کی۔ لہٰذا ۷ مارچ کو برطانوی فوج کا ترکی فوج سے دریائے دیالہ کے کنارے پر آمنا سامنا ہوا۔ ترکی فوج یہاں پر بھی ڈٹ کر مقابلہ کئے بغیر پیچھے ہٹ گئی۔ اور جرنل ماڈ ۱۱ مارچ کو بغداد میں فاتحانہ طور پر داخل ہو گیا۔

ترکی فوج نے مصدیہ کے مقام پر جو بغداد سے ۳۰ میل شمال کی

طرف تھا۔ مورچہ بنا لیا۔ مگر یہاں پر بھی برطانوی فوج نے اُن کو جم کر بیٹھنے نہ دیا۔

اب جرنل ماڈ نے بغداد کے اردگرد اپنا مورچہ مضبوط کرنا شروع کیا۔ تاکہ دریائے دجلہ و فرات پر برطانوی فوج کا قبضہ رہے۔ اس لئے کئی ترکی مورچوں مثلاً فلوجہ، بیتھوبہ پر قبضہ کر لیا۔

قفقاز اور اُس کے بعد

سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ حکومت ترکیہ اُس وقت کیا کر رہی تھی۔ اور عراق کے حالات سے کیوں بے خبر تھی؟

ترقی :۔ کرنل مصطفےٰ کمال گیلی پولی کی کامیابی پر ترقی پا کر کمال پاشا بن گیا۔ کمال پاشا نے دنیا کو دوبارہ دکھلا دیا۔ کہ محمدؐ میں جب جذبۂ جہاد عود کر آتا ہے۔ تو شیر ببر بن کر لڑتا ہے اور کامیابی اُس کے پاؤں چومتی ہے۔

جرمن جرنل کی واپسی استنبول (قسطنطنیہ) کی سلامتی نے تمام ترکی باشندوں کو کرنل کاشناخوں

بنا دیا۔ تمام ترکی گیلی پولی (انا فارطہ) کی فتح پر نازاں تھے اور اُن کا ناز بجا تھا۔ پسمان وان سانڈرس نے انا فارطہ کی کامیابی کو معجزہ کے نام سے پکارا۔ اس لفظ معجزہ کے استعمال سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ پسمان وان سانڈرس چونکہ لڑائی کی کامیابی سے مایوس ہو چکا تھا۔ لہٰذا اُس نے جرمن سپاہیوں کو اُس محاذ سے نکال لیا تھا۔ تاکہ اس صورت میں انا فارطہ میں برطانوی فوجوں کو فتحمندی حاصل ہو۔ تو اُس کے جرمن سپاہی دشمن کے ہاتھ قید ہونے سے بچ جائیں اور شاید اسی وجہ سے اُس نے کمال کو اُس محاذ کا سالارِ اعظم مقرر کیا۔

کمال پاشا کی آؤ بھگت

کمال پاشا کو استنبول بلایا گیا۔ اور اُس کی شان میں تمام شہر کو سجایا گیا۔ تاکہ اس مردِ مجاہد کی صحیح معنوں میں پرانی روایات کی طرح سے آؤ بھگت کی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کمال پاشا کے استنبول آنے پر لوگوں میں سرگوشیاں ہوئیں۔ کہ کون سے ترکی رہنما پر اعتماد کیا جائے۔ انور پاشا دلیر و بیباک ہے۔ مگر جذبات کی رَو میں بہ جاتا ہے۔ جمال پاشا کی فوج فلسطین میں شکست خوردہ حالت میں ہے۔ کمال پاشا نے ترکوں کے گھر کو بچا لیا ہے۔ اس جنگ کے اثرات لوگوں پر زیادہ گہرے اس لئے تھے۔ کیونکہ اُنہوں نے اتحادی دشمنوں کے گولوں کی آوازیں اپنے کانوں سے

سُنی تھیں۔

غمگین کمال استنبول والوں نے کمال پاشا کا نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا۔ مگر اُن کو دیکھ کر یہ حیرت ہوئی کہ کمال پاشا غمگین تھا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ بہرحال عوام کو اس وجہ کے معلوم کرنے میں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ کیونکہ کمال پاشا نے عوام سے جرمنی کی دوستی کو بہت مہنگا بتایا۔

کمال پاشا نے عوام سے یہ بھی کہا۔ کہ جس وقت انا فارطہ محاذ پر مرگ و زیست کا سوال تھا۔ تو جرمن سپہ سالار اپنے وطن کے جرمن دستوں کو امن کی جگہ پر ہٹا کرلے گیا۔ کمال پاشا نے اس بات کے دہرانے میں یہاں تک ہی اکتفا نہ کیا۔ بلکہ اُس نے اپنے وطن کے اراکین کو بھی یہی کہا۔ مگر اُسے افسوس ہوا۔ جب یکے بعد دیگرے سب نے اپنی بیچارگی کا اعتراف کیا تو اُس کو اپنے ہم وطنوں کی کم ہمتی پر افسوس ضرور ہوا۔ مگر وہ پھر بھی ہمت نہ ہارا۔ اب کمال پاشا نے موقع ملنے پر صدر اعظم طلعت پاشا سے اس بات کو دُہرایا مگر وہاں سے کوئی جواب نہ ملا۔

انور کی ایک اور غلطی انور پاشا کو کمال پاشا کی تگ و دو کا حال معلوم ہوا۔ تو اُس نے اپنی پارٹی کے دفتار کو دوبارہ حاصل کرنے کی ٹھان لی۔ لہٰذا اس نے تمام

ترکی افواج میں سے ایک لاکھ سے کچھ زائد بہترین تجربہ کار افسر اور سپاہی چن کر اس کو ایک آرمی کور کی شکل دی۔ اور اس جری لشکر کو وہ رُوسیوں کے خلاف قفقاز کے علاقے میں لے گیا۔ تاکہ رُوسی فوج کو شکست دے کر اپنے وطن کا ہیرو بن جائے۔

کمال پاشا نے اس دفاعی منصوبے کی پھر مخالفت کی۔ اور ارکینِ سلطنت کو مشورہ دیا۔ کہ پہلے اپنے وطن کو محفوظ بنایا جائے سردیوں کے آغاز میں قفقاز کے برفانی علاقے میں پیش قدمی کو اُس نے نپولین کی ماسکو کی پیش قدمی سے مشابہت دی۔

انور پاشا پر جنون سوار تھا۔ برف کی سردی، گرم کپڑوں اور خوراک کی کمی کے باعث ترکی لشکر کا بے حد نقصان ہوا۔ گو لڑائی ابھی شروع بھی نہ ہوئی تھی۔

ناموافق حالات موسم بہار کا آغاز نہ ہوا تھا۔ کہ رُوسیوں نے ہلّہ بول دیا اور وہ آگے بڑھتے بڑھتے ارض رُوم کے بہت سے علاقے پر قابض ہو گئے۔

اُدھر فلسطین کے حالات اچھے نہ تھے۔ انور پاشا خود استنبول اس بہانے پر آ گیا۔ کہ بحیثیت وزیر جنگ سب محاذوں کے حالات سے خبردار رہ سکے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کمال پاشا کو ان افواج کی کمانڈ دے دی۔ کمال پاشا نے گو چاہا۔ کہ اس ذمہ داری کے لینے سے انکار کر دے۔ مگر اپنے وطن کی محبت نے اُسے مجبور

کردیا۔ ہر مجاہد میں یہ کمزوری پائی جاتی ہے۔ کہ وہ وطن کے خطرے کو اپنی جان اور مال عزت کے عوض خرید لیتا ہے۔ لہٰذا کمال پاشا نے اگر یہ ذمہ داری اپنے سر پر لے لی۔ تو کوئی نئی بات نہ تھی۔

انور پاشا نے مزید کمک۔ سامانِ حرب و رسد بھیجنے کا وعدہ کیا۔ مگر اس کا ایفا نہ کیا۔ کمال پاشا کے معاون یعنی عصمت اور کاظم اس محاذ پر تھے۔ عصمت قابل ترین اور بے حد محنتی افسر تھا۔ جو عمل کا شیدائی اور گفتار سے پرہیز کرتا تھا۔ کاظم بہت جفاکش اور قابل اعتماد ماتحت افسر تھا۔ جسے اگر صحیح احکام دے کر کوئی کام سپرد کر دیا جائے۔ تو پھر وہ اپنی جان تک لڑا کر مقصد حاصل کر لیتا تھا۔

کمال پاشا نے جب اپنی فوج کا معائنہ کیا۔ تو اسے بہت ہی بُری حالت میں پایا۔ کم خوراک۔ شدید سردی اور مناسب کپڑوں کے نہ ہونے کے باعث سپاہی ضعیف اور لاغر تھے سامان حرب۔ باربرداری کی وجہ سے وہ اعلیٰ نقل و حرکت کے اہل نہ تھے۔ علاوہ ازیں ان ترکی سپاہیوں اور افسروں کو اس پہاڑی علاقے کی لڑائی کے دفاعی اصولوں پر تربیت نہ دی گئی تھی۔

کمال کے خطوط

ان حالات کو دیکھ کر کمال پاشا نے وزیر جنگ انور پاشا کو خطوط لکھے اور کمی کو پورا کرنے کی درخواست کی۔ کمال پاشا کو کوئی جواب نہ ملا۔ اور

کمال پاشا کو جواب یا مدد ملنے کی توقع نہ تھی۔ وہ انور پاشا کی مفلانہ کمزوریوں کو خوب جانتا تھا۔ لہٰذا اس نے بچاؤ کی لڑائی کا منصوبہ تیار کیا۔ تاکہ اپنی فوج کو دم بھی لینے دے۔ اُس کی تنظیم بھی کر سکے۔ اور تربیت بھی۔ اس طرح سے بہت ممکن ہے کہ کچھ وقت ملنے کے باعث اُسے کمک اور سامان رسد وغیرہ بھی مل جائے

قدرت پھر کمال کی مدد پر

قدرت دوسری بار کمال پاشا کی مدد پر آتی ہے۔ روس میں بغاوت کا شعلہ سینٹ پیٹرس برگ سے نکل کر تمام ملک میں پھیل گیا۔ اس لئے کمال پاشا کو سانس لینے کا موقعہ مل گیا۔ کیونکہ دارالخلافہ کی بغاوت نے روسی فوجوں میں ہیجان پیدا کر دیا۔ اُن کے قدم پیشقدمی کرتے ہوئے رُک گئے۔ اور اب اُن میں کمزوری کے اثرات نمایاں ہونے لگے

کمال پاشا نے جیسے ہی ان اثرات کو دیکھا اور اپنی فوج کو جسے وہ چونکہ تازہ دم اور منظم کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ لہٰذا اُس نے اب روسیوں پر حملہ کر دیا۔ اور شمال کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ حتّٰی کہ وہ وان اور موش کے شہروں پر قابض ہو گیا۔

فاتح کمال

اس فتح کے بعد وہ باطوم کی طرف بڑھا۔ اور ارضی افواج کو شکست پر شکست دے کر اُن کو تباہ کر دیا۔ اس طرح سے کمال پاشا نے دفاعی سیاسی اُصول کے بموجب اپنے مفتوح علاقے کو پھیلا دیا۔ تاکہ اُس کے قینک (پہلو) محفوظ ہو جائیں

بالفاظ دیگر اُس نے وہ دفاعی سیاسی غلطی نہ کی۔ جو کہ صلیبی تاتوں نے کی تھی۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے علاقے میں دُور تک تو گھس گئے مگر ان کا مقبوضہ علاقہ چونکہ گہرائی کے لحاظ سے چوڑائی میں بہت کم تھا۔ لہٰذا مسلمان مجاہدین نے اُن کے فلینکوں پر مسلسل حملے کرکے ان کے سلسلۂ آمدورفت کو خطرے میں ڈالا۔ اور پھر اُس کو برباد کرکے صلیبی فوجوں کو اسلامی علاقے چھوڑنے پر مجبور کردیا۔

انور کا حسد کمال پاشا اس علاقے کو اور بھی وسیع کرنے کا منصوبہ تیار کرکے اُس پر عمل کرنے کو ہی تھا۔ کہ اُسے انور پاشا نے واپس بُلا بھیجا۔ کیونکہ اُس کی دُوسرے محاذ پر ضرورت تھی۔

انگریزوں کا بغداد پر قبضہ ہوچکا تھا۔ اب وہ موصل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یمن ترکوں کے ہاتھ سے جاچکا تھا۔ تمام عربستان میں لارنس نے بغاوت کھڑی کردی تھی۔ شام اور فلسطین میں ترک سپاہی پسپا ہو رہے تھے۔

کمال اور جرمن سپہ سالار کا منصوبہ جرمن جرنل نے دستور کے بموجب کمال پاشا کو سونے سے بھرا ہوا بکس بطور تحفہ بھیجا۔ تاکہ کمال پاشا کو اپنی طرف راغب کرے۔ کمال پاشا نے اس تحفہ کو رشوت کہہ کر اُسے نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔

کمال کا کورٹ مارشل

آخر کار انور پاشا نے کمال پاشا کو بلا بھیجا۔ کمال پاشا نے یہاں بھی مجوزہ دفاعی منصوبے کی سخت مخالفت کی۔ جرمن جرنل نے اس مخالفت کو حکم عدولی قرار دے کر انور پاشا سے کمال پاشا کا کورٹ مارشل کرنے کی اجازت طلب کی۔

کمال پاشا نے ملازمت سے استعفیٰ پیش کیا۔ آخر کار انور پاشا نے کمال پاشا کو رخصت پر بھیج دیا۔ اور اس طرح استنبول میں بیکاری کی زندگی بسر کرنے لگا۔ وہ اپنے وطن کی حفاظت کے لئے بیچین تھا۔ مگر وہ بے بس تھا۔

انور پاشا نے جرنل فالکنہائن کے ترمیم شدہ دفاعی منصوبے کو منظور کر لیا۔ اس کا مفصل ذکر ہم نے اگلے تیسرے باب میں لکھا ہے۔ مگر ہم مناسب یہ سمجھتے ہیں۔ کہ کمال پاشا کی اس مخالفت کے اسباب اسی مقام پر لکھ دیں۔ تاکہ ہم یہ سمجھ سکیں۔ کہ کمال پاشا نے ایسا کیوں کیا؟

سیاسی نظریہ اور سٹرٹیجی میں تصادم

کمال پاشا کے نظریہ میں بغداد کی دفاعی حیثیت کچھ نہ تھی۔ وہ سب سے پہلے جرنل ایلنبی کی پیش قدمی کو عزم سے روک کر پھر برطانوی فوج کو شام سے واپس نکالنے کے لئے مصر تھا۔ بغداد کی واپسی کمال پاشا کی نظر میں

محض جذبات کو صلاحیت دینے والی فتح تھی۔ جس کے حصول کے لئے ترکوں کا خون بہانا بے کار تھا۔

کمال اس امر کے بھی خلاف تھا کہ ترکی کی فوج کو بہت سے محاذ پر پھیلا دینا خصوصاً جب کہ ترکی کے پاس ہتھیار بہت ہی کم تھے، مناسب نہیں۔ بالفاظ دیگر کمال پاشا مصر تھا، کہ پہلے اپنے گھر کی حفاظت کو مضبوط کر لیا جائے اور اس کے بعد بتدریج دشمن کو یکے بعد دیگرے ہر محاذ پر شکست دے کر اپنے ملک سے نکال دیا جائے۔

ترکوں میں احساس کمتری اور اس کا توڑ | مصطفےٰ کمال کے مدح جرمن

مارشل وان ساٹلدرس کو انور پاشا نے جرمنی میں واپس بھیج دیا تھا۔ جنرل وان فالکنہائن انور پاشا کو خوش رکھنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے اپنے دفاعی منصوبے کو انہیں خیالات کے بموجب تیار کر دیا۔ بدقسمتی سے وان فالکنہائن اُن جرمن افسروں میں سے تھا، جو ہٹلر کی طرح سے جرمنوں کو تمام دنیا کی اقوام سے بہتر سمجھتا تھا۔ لہٰذا جب اس جرمن سپہ سالار نے ایلدرم اور پاشا ثانی کے دو ترکی آرمیز (ARMIES) کو مرتب و منظم کیا۔ تو پاشا ثانی یعنی ساتویں آرمی کا سپہ سالار مصطفےٰ کمال پاشا کو مقرر کیا۔ مگر وہ ایسا کمانڈر تھا جس کے ہاتھ میں کچھ اختیار نہ ہونے کے

باعث محض نمائشی عہدہ تھا۔ درحقیقت اُس آرمی کو لڑانے کا اختیار جرمنی مشن کے ہاتھوں میں تھا۔ اور ترکی افسران جرمن افسروں کے ماتحت تھے۔ بالفاظ دیگر انور پاشا نے ترکی افسروں اور سپاہیوں کی کمزوری کو قبول کر لیا تھا۔

اس کے برعکس کمال پاشا اعلانیہ یہ کہتا رہا تھا۔ کہ جرمن افسر اور سپاہی انا فارطہ (گیلی پولی) کے محاذ پر جب حالات نازک ہو گئے۔ تو گرم موسم بہانہ کر کے ترکوں کو اُن کے حال پر وہاں چھوڑ آئے۔ یہ قدرت کا کرشمہ تھا۔ کہ کمال پاشا وہاں پر ترکوں کو دوبارہ مجاہد بنانے میں چونکہ کامیاب ہو گیا۔ اس لئے میدان جنگ میں فتح نے بھی اُس کے قدم چومے۔

اب ہم اس فیصلے کو ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔ کہ آیا کمال پاشا میں حب الوطنی تھی یا نہیں اور اُس کا استعفیٰ دینا صحیح تھا یا غلط! مصنف کو اس کا ذاتی تجربہ ہے۔ لہٰذا وہ سو فیصدی کمال پاشا کے فیصلے سے متفق ہے۔ درحقیقت مصنف نے ایسے ہی حالات میں اس بڑے رہنما مجاہد کی تقلید کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کی کوشش کا نتیجہ وہی نکلا۔ جو کہ کمال نے اختیار کیا تھا۔ یعنی وقت سے قبل اپنی حکومت کو اُسے پنشن پر مجبور کیا۔

مصنف پہلے اپنی اور آزاد کشمیر کی افواج کو منظم کرنے اور وسائل نقل و حمل اور حرب و رسد بہتر بنانے کے بعد ہندوستان

کی فوج پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا۔ مگر برطانوی کمانڈر انچیف نے بیٹری پتن پر تمام توپ خانے کے گولے ضائع کرنے کے بعد اس بنا پر حکومت کو عارضی صلح کے لئے مجبور کیا۔ اور ہندوستان کو سیاسی حالات پر قابو پانے کا موقع دے دیا۔ اگر جرنل گریسی بیٹری پتن پر گولے ضائع نہ کرتا۔ تو کشمیر کے حالات دوسرے ہوتے ہندی فوج ہمت ہار چکی تھی۔ گریسی نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا جواب آئندہ صفحات میں ملاحظہ کیجئے۔

بغداد کی طرف

ترکی حکومت کی غفلت:۔ انور پاشا خوابِ غفلت سے اب بیدار ہوا اور اس نے نمبر ۱۸ کور اور نمبر ۱۲ کور کو جس نے روسی فوج کو آغاز جنگ میں آگے بڑھنے سے روک رکھا تھا، خلیل پاشا کی (نمبر ۱۳ کور) مدد کا حکم دیا۔ تعجب یہ ہے۔ کہ اتنی دیر کے بعد ہائی کمانڈ کو یہ محسوس ہوا۔ کہ روسی فوجی طاقت ختم ہو چکی ہے اور اس ترکی دستے کو برطانوی فوج کے خلاف لڑانا زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ لیکن خلیل پاشا نے کیوں کہ نمبر ۱۸ ترکی کور کو جو ایران میں بیکار پڑی تھی۔ واپس نہیں بلایا۔ یہ بھی ایک معمہ ہے۔ خصوصاً جب کہ اسے برطانوی فوج کی طاقت روز بروز بڑھتی نظر آ رہی تھی۔ یہ دوسری بار تھا جبکہ ترکی حکومت کے خفیہ نگار اور جاسوس دشمن کی نقل و

حرکت کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ کر سکے یا ترکی جرنلوں نے اس نہایت ضروری صیغۂ اطلاعات سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

گیلی پولی کی لڑائی میں ایک تو قدرت نے مدد کی تھی دوسری طرف مصطفےٰ کمال پاشا کی بے باکی قابلیت اور بہادری نے ترکی حکومت کو مفتوح بننے سے بچا دیا تھا۔ مگر اس بار قدرت ترکوں کی مدد پر نہ آئی۔ کیونکہ فیلڈ مارشل وان گالٹز ترکی کمک کی فوج کو نومبر ۱۹۱۵ء میں دو منزلہ سفر روزانہ طے کرا کر جس اس وقت حلب کے قریب پہنچا جبکہ برطانوی جنرل ماڈ عراق میں ترکی فوج پر قریباً مکمل فتح حاصل کر چکا تھا۔

بے جا تغافل

خلیل پاشا بہادر اور وطن کا وفادار ضرور تھا۔ مگر اس نے پہلے ہی فتح کے حاصل ہوتے ہی اعتدال اور دور اندیشی کو بالائے طاق رکھ دیا اور پھر اس نے گھمنڈ کے باعث اپنی غلطی کی تلافی کرنے کی کوشش نہ کی۔ کیونکہ اگر نمبر ۱۲ ترکی کور دسمبر ۱۹۱۶ء کی لڑائی میں اس کے ساتھ شامل ہو جاتی۔ تو اگر ترکوں کو فتح نہ بھی ہوتی، تو بھی کم از کم برطانوی پیش قدمی رک جاتی۔ اور بہت ممکن تھا۔ کہ اگر غازی انور اس نمبر ۱۲ ترکی کور کو جو روس کے محاذ پر بے کار بیٹھی تھی۔ اس وقت بطور کمک بھیج دیتا۔ تو اس محاذ پر جنگ کا نقشہ بدل جاتا۔ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ غازی انور کی ساری توجہ یورپ کی جنگ کی طرف تھی اور اسے

اپنے گھر کی مطلق خبر نہ تھی۔

خلیل پاشا کو کوت العمارہ کی فتح کے نشے نے اس قدر مدہوش کر دیا تھا۔ کہ اس کے قیاس میں نہ آیا۔ کہ جہاں ترکی آرمی کو صرف تین ڈویژن کی ہے اور اُن ترک ڈویژنوں میں نفری اب بہت کم رہی ہے۔ وہاں دشمن کے ڈویژن کی تعداد پلٹن، توپ خانہ، رسالے میں بہت زیادہ ہے اور برطانوی باربرداری کا انتظام کہیں بہتر اور افضل ہے۔ پھر بھی اُس نے مزید مدد نہ مانگی۔

اس کے بمقابل حکومت برطانیہ نے اپنی غلطی محسوس کر لی تھی۔ اور اس کا تدارک کر لیا تھا۔

برطانوی مشہور دفاعی مبصر لیڈل ہارٹ

بغداد میں جب برطانوی فوج گیارہ مارچ ۱۹۱۷ء کو داخل ہوئی۔ تو تمام دُنیا پر اس فتح کا بہت بڑا اثر ہوا اور اس کی وجوہات یہ تھیں:۔

۱۔ بغداد شہر الف لیلےٰ کی مقبول کہانیوں کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ اور مقبول خلائق عام تھا۔

۲۔ برطانوی فوج کی یہ پہلی فتح تھی۔ جس نے اب مایوسیوں کی تاریکی فضا میں کامیابی کی روشنی کی لہر دوڑا دی۔

اب جب کہ ہم تمام واقعات کو انصاف کی نظر سے دیکھتے ہیں، تو یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے، کہ درحقیقت یہ فتح اس قدر

شاندار نہ تھی۔ جتنی کہ اُس وقت نظر آئی۔

اس جنگ میں دفاعی سیاست (سٹریٹجی) اور انتظام نظم و نسق گو اعلےٰ پیمانے کا درست اور معقول تھا۔ مگر ماتحت سالاروں نے فن حرب میں کئی کمزوریاں دکھلائیں۔ انہوں نے بہت عمدہ مواقع ہاتھ سے کھو دیئے۔ اور اپنی تعداد اور اپنی تعداد اور سامانِ حرب کی کثرت سے پورا پورا فائدہ نہ اٹھایا۔ ہم مانتے ہیں۔ کہ میدانِ جنگ کا علاقہ کئی لحاظ سے بہت دشوار گذار تھا۔ مگر دفاعی مورخین یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ اس محاذ پر کھٹمل کو مارنے کے لئے لوہار کا بڑا ہتھوڑا استعمال کیا گیا۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ وہ کھٹمل بھی مرنے سے بچ نکلا۔

یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ جنرل ماڈ کی قابلیت اور اہم شخصیت کا ان امور سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اُس نے میسوپوٹیمیا میں پہنچ کر وار آفس کی پالیسی یعنی محض تیل کے چشموں کے بچاؤ کے منصوبے کو یکسر قدمی کے روپ میں ڈھال دیا۔ جنرل ماڈ نے میدان جنگ سے اپنے دفاعی نتائج کو ایسے مؤثر الفاظ میں لکھا۔ کہ وار آفس والے نے جنرل ماڈ کو پیش قدمی کرنے کی اجازت دے دی اور ماڈ کے اس مشورے کو بھی مان لیا۔ کہ اُس کی فوج سے الحاق کرے۔ گورنمنٹ کی حکومت کا اُس وقت تک تقریباً خاتمہ ہو چکا تھا۔

جنرل ماڈ نے ۱۹۱۶ء کا موسم گرما اور موسم خزاں کا وقت، نظم و

نسق کو نہایت اعلیٰ بنانے میں صرف کیا۔ یعنی اس عرصے کو اس نے حملہ کی تیاری اور فوجوں کی تربیت میں استعمال کیا۔

جہاں جرنل ماڈ نے فوجوں کو محنت و مشقت کا عادی بنایا۔ وہاں پر اُس نے اُن کے آرام، علاج و معالجہ، خوراک و اسلحہ اور گولہ بارود کا پورا پورا انتظام کیا۔ اُس نے ساتھ ساتھ سلسلۂ خبر رسانی کو جہاں بہتر بنایا۔ وہاں اُس نے ہر قسم کے سامان سدِ حرب کے ذخائر میدانِ جنگ میں جمع کئے۔ بالفاظ دیگر اُس نے نپولین کی تقلید کر کے اپنے مورچے کو ایک مضبوط دفاعی مرکز بنا لیا۔

اس مرکز سے اب وہ طویل عرصہ کے لئے حملہ آور کی حیثیت سے جنگ کو کامیابی سے جاری رکھ سکتا تھا۔ اُس کا دفاعی منصوبہ نہ صرف صائب اور معقول تھا۔ بلکہ بے باکی کے ساتھ معقول بھی تھا۔ جب جرنل ماڈ ۱۱ مارچ کو بغداد میں داخل ہوا۔ تو اس کا نام اس شہر کے بے شمار مگر مشہور فاتحین کی فہرست میں لکھا گیا۔"

اسباق دفاعی روایات کو تازہ کرنے کے لئے ہم نے اس مہم کے حالات بہت مختصر لکھے ہیں۔ مگر ہم اُمید کرتے ہیں۔ کہ اس بیان میں ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ جنگ میں نہ تو بہت سی مشینیں کام آتی ہیں۔ اور نہ ہی بہت بڑی نفری کے سپاہی۔ دونوں صورتوں میں ایک آدمی یعنی اعلیٰ قابلیت کے سپہ سالار کی ضرورت ہے۔ جو کہ ان مشینوں یا آدمیوں کی

صحیح طور سے صحیح موقع پر استعمال کر سکے۔ اس شخص کی مقناطیسی طاقت سے یہ مشینیں اور آدمی مناسب ترتیب اور بہتر نظم و نسق سے فاتح فوج کی صورت میں بدل جاتے ہیں۔ ترکی فوج جب تک آزمودہ کار سالار مصطفےٰ کمال یا وان ڈرگالٹز کے ماتحت لڑتی رہی۔ تو فتحیاب رہی۔ اور جہاں سلیمان عسکری یا ہلیل پاشا جیسے دلیر مگر کوتاہ اندیش افسران نے اُن کو لڑایا۔ اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

یہی حالات ہم نے برطانوی فوج میں مگر تھوڑے پیمانے میں پائے۔ یا یوں کہیئے کہ جب تک برطانوی سپہ سالاروں نے محض فن حرب ہی کی طرف توجہ کی۔ وہ کامیاب نہ ہوئے۔

سپہ سالار کا فرض ہے۔ کہ وہ اس بات کا خیال رکھے۔ کہ اُس کی فوج کو پیٹ بھر کر کھانا ملتا ہے یا نہیں۔ علاج اور آرام کا انتظام تسلی بخش ہے یا نہیں اور اُس کی فوج نقل و حرکت کی اہلیت بھی رکھتی ہے یا نہیں۔ مگر یہ اقتدار اُسے اُسی وقت حاصل ہوگا۔ جبکہ وہ نظم و نسق اور انتظامی اُمور میں پوری توجہ دے گا۔ یعنی جہاں وہ فوج کو لڑانے کا بہترین منصوبہ تیار کرے۔ وہاں پر اُسے اپنے منصوبے پر عمل کرنے کی اہلیت کے لئے باربرداری، سامانِ رسد حرب وغیرہ کے ذخائر کا پورا پورا انتظام کرنا چاہیئے۔

حکومت ہند نے ہندوستانی سپاہی کے صبر، تحمل، جفاکشی کے

غلط معنی اخذ کئے ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۶ء تک انڈین آرمی کے دستوں کی وردی، سامانِ حرب، باربرداری اور سامانِ رسد وغیرہ کی حالت بہت ہی افسوسناک تھی۔ حکومت ہند محکمہ انڈین ملٹری اکاؤنٹ کے زیر اثر تھی۔ انہوں نے غالباً فارسی زبان نہ پڑھی تھی اور نہ ہی فن حرب کے اصولوں سے شناسا تھے۔ ورنہ جہاں نپولین نے یہ کہا ہے۔ کہ فوج خالی پیٹ نہیں لڑ سکتی، اس جرنل سے کہیں پہلے شیخ سعدیؒ نے یہ فرمایا تھا۔

زر بدہ مرد سپاہی را تا جان بدہد
گر زر ندہی سر نہ دہد در عالم

بالفاظ دیگر مرد مجاہد سے ہمیشہ نہایت فیاضی سے پیش آؤ خصوصاً ایام جنگ میں اُن کے ساتھ دریا دلی سے سلوک کرو۔ حکومت جب دشمن سے جنگ کرنے کی ٹھان لیتی ہے۔ تو اُسے فوج کی ضروریات مہیا کرنے میں کنجوسی کا برتاؤ نہ کرنا چاہیئے۔

انور پاشا جو کہ وطن کا شیدائی تھا۔ اب اوچھے ہتھیاروں اور حسد پر کیوں اُتر آیا۔ یعنی حسد کی آگ نے ترکی کو تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا۔ حالات یہ ثابت کرتے ہیں۔ کہ کمال پاشا راستی پر تھا۔ مگر انور ذاتی خوشنودی کی خاطر بے جا احکامات جاری کرتا رہا۔ لیکن کسی کو اُسے روکنے کی قدرت نہ تھی۔ یہ بات بتاتی ہے۔ کہ عوام کو بالعموم اور ارکین سلطنت کو بالخصوص علم

دفاع کے بنیادی اصولوں سے پورے طور سے واقفیت ہونی چاہیئے مثلاً اگر کمال پاشا کی یہ تجویز کہ پہلے ایلنبی کو فلسطین سے نکال لو اور پھر عراق کی طرف جاؤ۔ پر سنجیدگی سے غور کیا جاتا۔ تو برطانیہ کو بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ کیونکہ عربوں کو ترکوں کے خلاف بغاوت کرنے کا نہ تو وقت ملتا اور نہ ہی وہ حالات پیدا ہوتے، جن کی مدد سے عربوں کی ہمت بڑھتی۔

لہٰذا سب سے اہم سبق یہی ہے۔ کہ ہر مسلمان کو اصلاحی علم دفاع کے اصولوں سے واقفیت ہونی چاہیئے۔ اور یہ بھی کہ جنگجو بہادر وطن پرست شخصی اقتدار کو ہاتھ سے جاتا ہوا دیکھ کر ایسے غلط اقدام اٹھاتا ہے جیسے کہ انور پاشا نے اٹھائے۔

کمال پاشا جرمنی میں

مصطفےٰ کمال پاشا استنبول چلا گیا۔ اور ہیرا پیلس ہوٹل میں مقیم ہوا۔ تاکہ روزمرہ کے حالات سے باخبر رہے۔

انور پاشا کو بہت جلد معلوم ہو گیا، کہ اس نے کمال پاشا کو ناراض کر کے سخت غلطی کی ہے اور اس نے ترکی افسروں اور سپاہیوں کے ان احساسات کو بھی معلوم کر لیا۔ کہ وہ جرمن افسروں کی اپنے مقابلے میں فضیلت کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گے لہٰذا اس نے جرمنوں اور ترکوں میں بہت جلد خوشگوار حالات

بنانے کی تدبیر سوچی۔ انور نے مناسب یہی سمجھا۔ کہ کمال پاشا کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرے۔ لہٰذا اس نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ سلطان اور کمال دونوں جرمنی میں جا کر جرمن قوم کی عظمت کا جائزہ لیں اور یورپ کے محاذ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد ان دونوں کو جرمنی کے فاتح ہونے کا یقین حاصل کریں۔ اس طرح سے سلطان بھی انگریزوں سے پھر سے ساز باز کرنے کے ارادوں کو ترک کر دے گا۔ اور کمال پاشا جرمنوں کی کامیابی کے اثرات سے متاثر ہو کر ان کے ساتھ تعاون کرے گا۔

خلیفہ نے بیماری کا عذر پیش کیا اور اپنی جگہ اپنے ولی عہد وحید الدین کو بھیجنے کی تجویز پیش کی۔ کمال پاشا کو جب یہ حکم ملا۔ تو اس نے یورپ جانے کو اپنے لئے خوش قسمتی تصور کیا۔

ولی عہد کو نصیحت

کمال پاشا جب ولی عہد سے پہلی بار ملا۔ تو اسے یہ دیکھ کر بہت مایوسی ہوئی کہ ولیعہد بے وقوف، سیاسی حالات سے بے خبر، کند ذہن اور آرام طلب قسم کا انسان ہے۔ کمال پاشا نے دوران گفتگو میں شاہزادے کو یورپ کے سفر میں باوردی رہنے کا مشورہ دیا۔ تاکہ جرمنی کے تمام افسران اور عوام پر اس بات کا اثر ہو۔ کہ شاہزادہ ترکی نژاد ہونے کی وجہ سے محاذ کی فوجی کو شاہی شان و شوکت پر ترجیح دیتا ہے۔ اس نصیحت کے بعد بھی جب ولی عہد

استنبول کے اسٹیشن پر شاہی لباس میں پہنچا، تو کمال پاشا کو بہت مایوسی ہوئی۔

کمال کی مایوسی کی انتہا نہ رہی، جب ولی عہد نے گارڈ آف آنر کے فوجی دستے کا معائنہ کر کے ایسی احمقانہ غلطیاں کیں۔ جن پر عوام تماشائیوں اور سپاہیوں نے ہنسی اڑائی۔

عبرت ناک نصیحت

کمال پاشا نے دل میں یہ تہیہ کر لیا۔ کہ دفاعی مشیر کی حیثیت سے وہ ولیعہد کو جرمنی پہنچنے سے قبل راہ راست پر لانے کی کوشش کریگا۔ لہٰذا جب وہ ولیعہد کی گاڑی میں اس کے ساتھ ملنے کے لئے گیا۔ تو تھوڑی سی گفتگو کے بعد کمال پاشا بہت خوش ہوا۔ کہ ولیعہد نے استنبول کے ریلوے پر جان بوجھ کر ایسا طرز عمل اختیار کیا تھا۔ تاکہ جرمنی کے افسران اسے ایک نادان انسان سمجھتے رہیں اور وہ اسی طرح سے اُن کے دلی ارادوں اور منشاء سے آشنا ہوتا رہے گا۔ کیونکہ ایک مجہول انسان پر وہ زیادہ پابندیاں نہ لگائیں گے۔

وہ اصحاب جنہیں ہندوستان میں برطانیہ کے راج میں نوابوں اور راجاؤں کے ولیعہدوں یا مہاراج کماروں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہوگا، تو اُن کو ان سے مل کر اسی قسم کا تجربہ ہوا ہوگا۔ کیونکہ ہند کی حکومت بھی ایسی روشن ضمیر ولیعہد یا حکمران کو زیادہ دیر تک

اپنی جگہ پر قائم نہ رہنے دیتی تھی۔ یہ امر اس قدر عیاں ہے۔ کہ مزید بیان کا محتاج نہیں۔ ہاں یہ کہنا ضرور پڑتا ہے۔ کہ ترکی کے خلیفہ اور اُس کے ولیعہد کا غیر ملکی حکومتوں اور اپنے با اقتدار لوگوں کے سامنے وہی درجہ تھا۔ جو کہ حکومتِ ہند کے عہدِ حکومت میں وائسرائے اور پولیٹکل افسران اور ریاست کے نامزد وزراء کا تھا۔ لہٰذا اپنے اقتدار اور شخصی وقار کے لئے وہ ہر قسم کے روباہی طریقے استعمال کرتے تھے۔

کمال پاشا نے اپنے کانوں سے ولیعہد سے جب انا فارطہ کے جنگ کے حالات سُنا اور یہ بھی یہ الفاظ تشکر بھی کہ "پاشا تم نے اپنی قوم پر بڑا احسان کیا ہے کہ تم نے استنبول کو بچا کر ترکوں کی عزت کو برقرار رکھا ہے" تو کمال پاشا پر اپنے وطن کے ولیعہد کی ذات میں قوم اور ملک کی بہتری کے امکانات روشن ہو گئے۔ اور اس پر یہ بات حل گئی کہ کیونکہ ولیعہد ایک باخبر انسان ہے۔

کمال پاشا نے ولیعہد کو اچھی طرح سے ذہن نشین کرا دیا کہ وہ صرف اُن جگہوں یا محاذوں کو ہی ملاحظہ نہ کریں جو جرمنی حکومت اُنہیں دکھلانا چاہتی ہے۔ بلکہ ہر جگہ جا کر حالات کا صحیح جائزہ لگائیں۔ اور یہ معلوم کریں کہ "آیا ترکی حکومت کو جرمن حکومت کا ساتھ دینے میں خسارہ تو نہیں ہوگا؟"

کمال یورپ کے میدان جنگ میں | شاہزادے کی ریل

گاڑی جرمنی ائی کمانڈ کے مستقر (جرنل ہیڈ کوارٹر) کے اسٹیشن پر جا کر رکی۔ یہ مستقر جنگل میں بستیوں سے دُور ایک نامعلوم سی جگہ پر تھا۔ قیصر جرمنی اور جرمنی افواج کا سپہ سالار دان ہنڈنبرگ مع اپنے سٹاف افسروں کے ترکی شاہزادے کے استقبال کے لئے موجود تھے۔

ولیعہد نے جب کمال کا قیصر سے تعارف کرایا، تو قیصر کے چہرے کے اثرات سے ایسا ظاہر ہوا، کہ وہ اس نامور اور قابل سپاہی کو میدانِ جنگ سے دُور بے کار سے مشن پر دیکھ کر حیران سا ہے۔ لہٰذا قیصر نے یہ یقین کرنے کے لئے کہ یہ کمال پاشا واقعی گیلی پولی کا ہیرو کرنل مصطفےٰ کمال اور قفقاز کا فاتح کمال ہے ہے۔ تو اُس نے کمال پاشا سے یہ سوال کیا۔ کہ کیا وُہ گیلی پولی میں سولہویں رجمنٹ (جسے پاکستانی لحاظ سے بریگیڈ کہنا چاہیے) کا کمانڈر تھا۔ اس کا جواب جب کمال پاشا نے لفظ ہاں سے دیا۔ تو تمام فوجی افسروں نے اُس پر دوبارہ نظر ڈالی۔

ہنڈنبرگ نے ولیعہد اور ترکی مشن کو مرعوب کرنے کی غرض سے اپنے فوجی مستقر کے آپریشن رُوم (جنگی محاذ پر غور و خوض کی جگہ جہاں نقشہ جات وغیرہ ہر لمحہ کے حالات کو بتاتے ہیں) میں لے گئے۔ اور نہایت ہی مؤثر طریقے سے اپنے دفاعی منصوبے کے کارگر اور کامیاب ہونے پر دلائل پیش کئے اور یہ ظاہر کیا۔

کہ جرمنی جلد اپنے مخالف اتحادیوں کو ختم کر دے گا۔
اس جگہ سے اب ترکی مشن کو جرمنی کے ایک آرمی کے ہیڈ کوارٹر میں لے گئے۔ تاکہ ترکی شہزادہ یہ دیکھ لے۔ کہ جرمن فوج فرانس کے خاصے بڑے حصے پر قابض ہے۔ اس آرمی کے مستقر میں بھی جرمن آرمی کمانڈر نے اپنے پہلے حملوں کی کامیابیوں کا ذکر کیا۔ جب کمال پاشا نے یہ دیکھا۔ کہ شاہزادہ ان لوگوں کی چرب زبانی سے مرعوب ہو گیا ہے۔ تو اس نے آرمی کمانڈر سے یہ کہا۔ یہ تو پرانے واقعات ہیں۔ آپ کو ہم کو یہ بتائیں۔ کہ اب آپ کا کیا ارادہ ہے اور آپ کب اور کس دفاعی منصوبہ پر اتحادیوں کے خلاف حملہ کریں گے؟
آرمی کمانڈر نے اس کے جواب میں اس حملے کا ذکر کیا۔ جو کہ جرمنی کی فوج کئی دن سے اتحادیوں کے خلاف ورڈون کے محاذ پر کر رہی تھی۔ آرمی کمانڈر نے جب یہ امید ظاہر کی۔ کہ اس حملے کا فیصلہ بہت جلد ان کے حق میں ہو گا۔ تو مصطفےٰ کمال خاموش نہ رہ سکا اور اس تشریح کی موشگافی کرتے ہوئے کمال پاشا نے جرمن آرمی کمانڈر سے یہ سوال کیا۔ کہ اس منصوبہ کا مقصد (OBJECT) کیا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آپ کا پروگرام (OBJECTIVE) کیا ہے؟
جرمن آرمی کمانڈر نے جو جواب اس کا دیا۔ اس بیان پر کمال پاشا

نے مزید اعتراضات کئے اور آخر میں یہ کہا۔ کہ اس حملے کے کرنے سے جرمن لاتعداد قیمتی جانیں بے فائدہ کھوئے گا۔ لہٰذا کمال پاشا کے نظریہ کے بموجب یہ دفاعی منصوبہ صائب نہیں ہے۔

کمال پاشا کا امتحان

جرنل لونڈنڈراف جو کہ چیف آف امپیریل جنرل سٹاف تھا۔ یہ سب باتیں سن رہا تھا۔ وہ کمال پاشا کی قابلیت کا معترف تھا مگر اس کے خیال میں کمال پاشا کا اس مشن پر آنا جرمنی کے مفاد کے سخت خلاف تھا۔ سردست اس نے یہی مناسب سمجھا۔ کہ ولی عہد اور ترکی کے پاشا کو اور قریب ہو کر دیکھے۔ چنانچہ ہنڈنبرگ نے ولی عہد اور کمال پاشا کو رات کے وقت کھانے کی دعوت دی اور کھانے کے بعد ہنڈنبرگ نے کمال پاشا سے تنہائی میں اس لئے باتیں کیں۔ کہ وہ اس نوجوان کے متعلق صحیح اندازہ لگا سکے۔ اثنائے گفتگو میں کمال پاشا نے فیلڈ مارشل ہنڈنبرگ کو جرمنی کی شکست کا یقین دلایا۔ اور اپنی دلیل میں کمال پاشا نے عراق، یمن، فلسطین، شام، ایران اور بلقان کے نازک حالات بیان کرتے ہوئے یہ صاف لفظوں میں کہا۔ کہ "ترکی افواج میں ہر چیز کی کمی کی وجہ سے بیچینی ہے۔ اور جرمن فوج وہاں پر ان کو اور بھی مصری کے گڑھے کی طرف دھکیل رہی ہے۔ لہٰذا ترکی کا ہتھیار ڈال دینا کوئی تعجب انگیز

واقعہ نہ ہوگا اور اگر ترکی کا خاتمہ ہوگیا۔ تو جرمن کا فاتح ہونا ناممکن ہے۔ کمال پاشا نے جرمن جرنل کو جو سپہ سالار بھی تھا، اُس کی غلطی کا احساس دلاتے ہوئے اس خطرے کے تدارک کی طرف توجّہ دلائی۔

سنڈنبرگ کے لئے یہ بیان کافی تھا۔ لہٰذا ترکی مشن بہت جلد اپنے وطن کو واپس چلا گیا۔ اور استنبول پہنچ کر کمال پاشا کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔ تاکہ وہ اس محبّ الوطنی خیالات کی سزا بُھگتے۔ مصنّف کو بھی اپنے وزیر دفاع کی ایسی غلطیوں کے خمیازہ میں پنشن پر مجبور ہونا پڑا ؎

سیکھ اُسے دیجئے جسے سیکھ سہائے
سیکھ نہ دیجئے باندرا کو جو بجے دگھڑ بجا

فلسطین کی جنگ

دفاعی تاریخ یہ وہ میدانِ جنگ تھا جس میں شکست نے ترکی حکومت اور اسلامی جذبے کے وقار کو سخت نقصان پہنچایا۔ اگر دفاعی سیاسی اُصول یعنی "پرنسپلز آف وار" (PRINESP LES OF WAR) غیر معتبر ہوتے اور گذشتہ جنگوں کو مطالعہ کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوتا۔ تو نہ ہی ملٹری ہسٹری یعنی دفاعی تواریخیں لکھی جاتیں اور نہ ہی اُن ملکوں کے جغرافیائی حالات ان تواریخوں میں لکھے جاتے۔

جغرافیائی حالات زمانہ ازل سے جس ملک میں لڑائیاں لڑی جاتی ہیں۔ اُس ملک کے جغرافیائی حالات مثلاً پہاڑ، صحرا اور آب و ہوا اُن لڑائیوں کی سٹریٹجی پر بہت بڑا اثر رکھتی ہیں۔ نپولین نے اپنے دفاعی اُصولوں کی کتاب میں یہ ضرور لکھا ہے۔ کہ دراصل ملکوں کی حدود کے لئے دریا، پہاڑوں کا سلسلہ یا صحرا رکاوٹوں کا کام دیتے ہیں۔ لڑائی لڑتے

وقت دریا سب سے کم مزاحم ہوتے ہیں۔ اور اُس سے زیادہ پہاڑوں کا سلسلہ اور سب سے اہم رکاوٹ صحرا ہیں۔ مگر اس کی اس تحریر سے یہ مراد کبھی نہ تھی۔ کہ یہ رکاوٹیں ناقابل گذر ہیں

تاریخ کے حالات کو بھلا دینے کی سزا

یہ صحرا ہی تھے۔ جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پار کر کے تمام دنیا میں اسلام پھیلانے کی بنیاد رکھی۔ ان احوال کو بھول کر چونکہ اسلامی حکومت خواب غفلت میں سو رہی تھی۔ چنگیز خان صحرا کو پار کر کے بغداد آیا۔ اور اُسے جلا کر خاک کر گیا۔ اس صحرا کی رکاوٹ کی صحیح اہمیت نہ سمجھنے کی وجہ سے شاہ رچرڈ اشرف کے مقام پر صلاح الدین کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گیا۔ اگر صلیبی جنگوں کے نائٹ دمشق پر قبضہ کر لیتے اور مسلمانوں کے پاس یہ فوجی اڈہ نہ ہوتا۔ تو ممکن ہے۔ تاریخ کے اوراق کچھ اور مضمون لئے ہوتے۔ صحرا کی صحیح صحیح اہمیت اور مدینہ کو اپنا مستقر بنا کر آنحضرتؐ نے مسلم دفاعی مبصروں کے غور و فکر کے لئے ایک بہت بڑی اہم روایت چھوڑی ہے

تاریخ اپنے واقعات دُہراتی ہے

فلسطین کی اس جنگ نے ہمیں یہ بتلایا ہے۔ کہ تاریخ اپنے واقعات دُہراتی ہے۔ کئی صدیوں کے بعد یہ نہایت اہم فیصلہ کن جنگ پھر دریب السلطانیہ

یعنی شاہی سڑک پر لڑی گئی۔ اسلامی مجاہدوں سے پہلے اسی راستے پر یونانیوں، عربوں اور شامیوں، ایرانیوں وغیرہ کی لڑائیاں ہوئیں۔ مثلاً تقریباً 253 برس سے زائد ہوئے۔ رومانی شہر کے قریب مصریوں اور اہل فارس کی لڑائی اسی نواح میں ہوئی تھی۔ ایکسر شہر سے ہی نپولین ناکامیاب فرانس کو واپس لوٹا تھا۔

جغرافیائی حالات سے تعارف

اگر ہم مصر سے روانہ ہوں۔ تو ہمارا راستہ کنار کے ساحل کے قریب سے گذرتا ہے۔ خصوصاً جبکہ ہم صفا کے صحرائی علاقے میں سے گذرتے ہیں۔ وہاں سے پھر یہ راستہ فلسطین کے زرخیز علاقوں میں سے گذرتا ہے۔ یہ حصہ بہت پر فضا ہے۔ کیونکہ کہیں تو پُر فضا میدان ہیں اور کہیں دشوار گذار گرد لچسپ پہاڑی راستے اور اس طرح سے یہ راستہ دمشق اور حلب (ایلیپو) سے ہوتا ہوا بغداد کو چلا جاتا ہے۔ اسی راستے پر جہاں بڑے بڑے فاتح گذرے ہیں۔ وہاں اسے بزرگانِ دین نے بھی اپنے قدموں سے شرف بخشا ہے۔

تجارت اور جغرافیہ

تجارت نے بھی اسی راستے سے بہت فروغ پایا ہے اور اسی راستے سے مشرق اور مغرب کے باشندوں کو تبادلِ خیالات کا موقعہ ملا۔ یعنی یہ

راستہ کہیں تو صحراؤں میں سے گذرتا ہے۔ کہیں دلدلوں میں سے کہیں پہاڑی علاقوں اور دریاؤں کی گہری اور نہایت پُرخم وادیوں میں سے۔

اسی راستے سے ۱۹۱۶ء سے ۱۹۱۸ء تک کی لڑائی میں برطانوی فوج نہر سویز سے ایلیپو گئی اور اس طرح پانچسو میل سے زائد فاصلہ طے کیا اور اس طرح سے صفائے بحر فلسطین اور شام کو فتح کیا۔ مفصلہ بالا بیان سے صاف ظاہر ہو گیا ہوگا۔ کہ برطانوی کمانڈر جسے اس علاقے کو فتح کرنے کے لئے وار آفس نے حکم دیا۔ تو اسے یہ واضح کیا گیا۔ کہ اسے پانی کی بہت بڑی قلت ہوگی۔ برسات کے زمانے میں تمام علاقہ ایک دلدل بن جاتا ہے۔

علاوہ ازیں کہیں اس علاقے میں شدت کی گرمی ہے اور کہیں سخت سردی۔ اچھے اور معتبر نقشے عنقا ہیں۔ اس لئے فوج نہ صرف ہر قسم کے علاقے میں لڑنے کے قابل رہے بلکہ ہر قسم کے مصائب اور سختیوں کو انسان اور بار برداری کے جانور دونوں استقلال سے برداشت کرنے کے قابل ہوں۔

سڑک راہ: گو سمندر کا قرب ضرور تھا۔ مگر یہاں سمندر کا ساحل ایسا خراب تھا۔ کہ اس پر کوئی بھی اچھی بندرگاہ نہ تھی۔ غالباً یہی وجہ تھی۔ کہ عرب کے لوگ فطری طور پر سیاحت اور مشکلات کے عادی ہونے کے باوجود اس ساحل پر اچھی بندرگاہ

نہ بنا سکے۔

آثار قدیمہ عربوں کی بے شمار کوششوں کے شاہد ہیں۔ اور غالباً اسی وجہ سے یہ عربی حکومت جہاں بڑی زبردست بحری حکومت تھی، بحری حکومت نہ بن سکی۔ خصوصاً جب تیل سے جہاز چلنے لگے۔ تو کوئلہ اور لوہے اور لکڑی کی کمیابی کے باعث یہ لوگ باقی لوگوں سے اس لیے پیچھے رہ گئے۔ کہ انہوں نے دُور اندیشی سے کام نہ لیا۔ مثلاً جاپان بہت سی اشیا برآمد کرنے پر بھی نہایت اہم صنعتی ملک ہے۔

بندرگاہیں اس علاقے میں جافہ ہی ایسی بندرگاہ ہے جو کہ معمولی قسم کی بندرگاہ کہلائی جا سکتی ہے اس کے بعد بیروت اور الیگزنڈریٹا کم درجے کی بندرگاہیں ہیں ان وجوہات سے گو برطانیہ کو اپنی بحری طاقت سے پورا فائدہ اٹھانے کا موقع نہ ملا۔ پھر بھی برطانوی بحری بیڑے نے بہت لاجواب کام کیا۔

سڑکیں اس علاقے میں سڑکیں بہت کم تھیں۔ صحرائی علاقہ ریتیلا تھا۔ جہاں بڑی بھاری موٹر گاڑیاں نہ چل سکتی تھیں۔ کاشت شدہ علاقے میں چند سڑکیں تھیں۔ مگر وہ بھی بھاری آمد و رفت کے قابل نہ تھیں اور برسات میں تو سب راستہ دلدل بن جاتا ہے۔ مدیل والا حصہ ابھی تک ترکوں کے پاس تھا۔

تُرکی فوج۔ حکومت اور باشندے وغیرہ

تُرکی ریلوے تُرکی فوج کا بڑا فوجی ہیڈ کوارٹر استنبول میں تھا۔ اور اس شہر کے بالمقابل یعنی باسفورس کے مشرقی ساحل پر ریلوے کا سب سے بڑا مرکز حیدر پاشا تھا۔ یہاں سے ہی تمام سامانِ حرب و رسد وغیرہ فلسطین اور عراق کی افواج کو جاتا تھا۔ تقریباً دو سو میل تک چھوٹی سٹینڈرڈ ریلوے لائن (۳ فٹ ۶ انچ چوڑی) میٹھی ریلوے اسٹیشن تک ان دونوں محاذوں کو ہر قسم کا سامان اور کمک پہنچاتی ہے۔

اُن ایامِ جنگ میں ریل کی پٹڑی طورس پہاڑ اور امنوس پہاڑ کے آر پار نہ جاتی تھی۔ کیونکہ ریل کے لئے ٹنل (غار) تیار نہ ہوئے تھے۔ تمام سامان ان پہاڑوں کے آر پار ہر قسم کی مخالف بار برداری کے ذریعے جاتا تھا جس کی وجہ سے بہت ہی وقت ضائع ہوتا اور اول بدل میں خرچ بھی کافی ہوتا۔

علاوہ ازیں جیسے جیسے اس ریلوے لائن پر آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ تو دوسری قسم کی اور دشواریاں یہ تھیں۔ کہ ریل کی پٹڑی مختلف سائز (ناپ) کی تھی۔ لہٰذا یہاں بھی سامان و مسافروں کو ایک قسم کی ریل سے دوسری قسم پر تبدیل کرنا پڑتا۔ اس طرح سے دارا اور الغول شہروں کے سٹیشنوں تک چھ بار تبدیلیاں کرنی پڑتیں۔ اور سفر کا آخری حصہ یعنی ۲۵۰ میل پیدل طے کرنا پڑتا۔

غازہ سے حیدر شاہ تک تقریباً ۱۳۰ میل کا سفر تھا۔ اور کوئلہ کی کمی کی وجہ سے لکڑی استعمال کرنی پڑتی اور ریلوے لائن کے کئی حصوں میں لکڑی بھی کمیاب تھی۔ لہٰذا راستے میں جہاں جنگل آیا۔ وہاں مسافروں کو (جو ایام جنگ میں اکثریت سے فوجی ہوتے) چند گھنٹوں کے لئے اتار دیا جاتا۔ تاکہ ریل کے انجن کے لئے کافی لکڑی کاٹ کر لے آئیں۔ یعنی جو باقی سفر کے لئے درکار ہوتی۔ ریل کی گاڑیوں اور انجنوں کے لئے ورکشاپ بہت کم ہونے کی وجہ سے اکثر اوقات بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

نقل و حمل ملک کے اندر آمد و رفت کے حالات کا ہم پہلے برطانوی فوج کی مشکلات کے سلسلے میں ذکر کر چکے ہیں۔ ترکوں کے لئے یہ اثرات اور بھی اہم اور دشوار تھے۔

جہاں برطانیہ، ہندوستان۔ برما۔ مصر اور دوسرے علاقوں سے فوج کے لئے کمک لے سکتا تھا۔ وہاں اُسے ولایت سے موٹر گاڑیاں، اور باقی ممالک سے باربرداری کے جانور مثلاً اُونٹ، گھوڑے، خچر آسانی سے مہیا ہو سکتے تھے۔ علاوہ ازیں مصر کے ملک سے لاکھوں قلیوں نے اس جنگ میں بہت ہی نمایاں کام کیا۔

ترکی کئی برس سے مختلف محاذوں پر جنگ کرتا چلا آ رہا تھا لہٰذا اس کے ملک کے باشندے لڑائی کے اخراجات اور نقصانات کو پورا کرنے کے لئے ٹیکس ادا کرتے کرتے تھک گئے تھے۔

۱۹۱۶ء میں ترکی کی حکومت میں شامی۔ کرد۔ ترک وغیرہ باشندے تھے۔ اور یہ لوگ دراصل عارضی صلہ کے طور پر فوج میں بھرتی کئے جاتے تھے۔ ایام جنگ میں بھرتی جبراً ہوتی تھی۔ مگر سب سے بہادر جفاکش اور مستقل مزاج اور بھوک پیاس کو جھیلنے والا اناطولیہ کا ترک سپاہی تھا۔

گو سلطنت عثمانیہ میں ہر بچہ کا کھلونا تلوار تھا۔ مگر سائنس نے طاقت کو جیت لیا تھا۔ لہٰذا سلطنت عثمانیہ کے ان بہادروں کو اپنی بہادری دکھانے کا موقع کم ملتا تھا۔ یا یوں کہیے کہ حکومت کی کمزوریوں سے یہ ملک طاقتور سے کمزور بن گیا۔

حربی صنعت عثمانیہ حکومت میں تعلیم بہت کم تھی۔ سامان

حرب و صنعت کے لئے فیکٹریاں اور کارخانے نہ تھے۔ دمشق کی تلوار اب کھلونا یا عجائب گھروں میں نمائشی آلہ بن کر رہ گئی تھی۔

عبرت

سپاہی تو کیا فوج کے زیادہ تر افسر بھی معمولی تعلیم یافتہ تھے۔ فوج میں حربی آلات کی بہت کمی تھی۔ یہ عبرت انگیز بات ہے کہ جس ملک اور حکومت نے توپ خانے کی ایجاد کو بے انتہا فروغ دیا۔ اور کئی صدیاں اس فن کی ماہر بنی رہیں۔ وہ اب عیش و عشرت، کم فہمی اور غفلت کا شکار بن کر دنیا کی معذور حکومتوں میں شمار ہونے لگی۔

۱۹۱۲ء میں ینگ پارٹی کے وقار کے آغاز کے ایام تھے۔ ان نوجوانوں نے ملک کو نئی زندگی اور تمدن دینے کی ٹھان لی۔ جوش اور غلط جذبے کے تحت وہ مذہب کو بھلا بیٹھے۔ اس غلط فہمی کا ان کو بہت بڑا تاوان دینا پڑا۔

بلغاریہ جیسی چھوٹی سی حکومت کے سامنے ترکی فوج چونکہ ایثار دلیری اور مجاہدانہ جذبے سے نہ لڑی۔ لہٰذا ترکوں کو شکست فاش ہوئی۔ اس زبردست نقصان اور ندامت نے ان کو کسی قدر خواب غفلت سے جگا دیا۔

چونکہ اس پارٹی کی نظریں جرمنی کی طرف امداد لینے کی غرض سے اٹھی ہوئی تھیں۔ لہٰذا ترک اس سبق کا فائدہ نہ اٹھا سکے۔ ترکوں کو برطانیہ پر اعتماد نہ تھا۔ جرمنی نے جیسا ہم پہلے ذکر کر چکے

ہیں۔ فیلڈ مارشل وان سانڈرس کو بہت سے فوجی ماہروں کے ہمراہ بھیجا۔ اس مشن نے ابھی کام آدھا بھی نہ کیا تھا کہ عالمگیر جنگ شروع ہوگئی۔ اگر غازی انور پاشا جرمن مشن سے پورا تعاون کرتا۔ تو شاید مخالف پارٹی کے اثرات کم ہوتے پر یہ فوجی مشن بہت سی کمی کو پورا کر دیتا۔ مگر یہ ترکی کی بدقسمتی تھی۔ کہ انور اور وان سانڈرس میں نہ بنی۔ تعجب تو یہ ہے کہ وان سانڈرس کے خلاف خود جرمنی کی سول ڈپلومیٹک وزارت خارجہ کے کئی افسر تھے۔ ایسے حالات میں ناکامیابی تعجب خیز نہیں ہو سکتی۔

عدد اگر ترکی فوج کے کاغذی خانہ پری کے لحاظ سے چھتیس (۳۶) ڈویژن تھے۔ جن کی تعداد ۸۰۰،۰۰۰ دو لاکھ سپاہی تھے۔ مگر درحقیقت ۷۰۰،۰۰۰ لاکھ سے زیادہ اس فوج میں کبھی سپاہی فراہم نہ ہوئے

مجاہدا ور تعلیم جرمنی مشن کے لئے مشکل مرحلہ یہ تھا۔ کہ سپاہی تعلیم سے بے بہرہ ہونے کے باعث توپ خانہ۔ محکمہ مراسلات، ہوائی جہاز۔ موٹروں کی مختلف فوجی دستوں میں اعلیٰ پیمانے پر کام چلانے کے اہل نہ تھے۔ لہٰذا یہاں جرمنی کے سپاہی لگائے گئے۔ یہ کمی بادی النظر سے اگر دیکھا جائے۔ تو جرمن سپاہیوں نے پوری کر دی۔ مگر جرمنی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مگر جرمنی کے سپاہیوں کے لئے جہاں

بھی وہ ہوں۔ نہایت اعلیٰ کھانا۔ رہائش و علاج کا انتظام کیا جائے۔
اُدھر ترکی سپاہی کو بسا اوقات نہ تو پیٹ بھر کر کھانا ملتا نہ دوائی اور نہ ہی گولہ بارود۔ لہٰذا مسلم سپاہی جرمنی سپاہیوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک کے مشاہدات سے بہت ناراض ہو گیا۔ یہی غلطی (کوکم درجہ پر) حکومت برطانیہ نے برطانوی اور ہندوستانی سپاہی کی تنخواہ۔ خوراک، پوشاک و رہائش میں فرق رکھتی۔ اس وجہ سے ہندوستانی سپاہی انگریزوں کی حکومت سے ناراض ہو گیا۔ اور اسی وجہ سے انگریز کا وقار ہندوستان سے جاتا رہا۔ مصنف نے جنگ عظیم دوم کے بعد بریگز کمیٹی سیوری کمیٹی اور سکنز کمیٹی کے نائب صدر ہونے کی حیثیت سے ہندوستانی اور گورکھا سپاہیوں میں ناراضگی کے احساس کو بہت نمایاں طور پر پایا۔

ترک سپاہی جرمنی اور ترکی حکومتوں کی مذکورہ غلطیوں کے باوجود یورپ کے دفاعی مبصرین کی متفقہ رائے یہ تھی۔ کہ ترکی فوج ایک بہت زبردست طاقت تھی۔ یعنی جسے حقیر دشمن سمجھنا حماقت تھی۔

علاوہ ازیں جس وقت فلسطین کی جنگ کا آغاز ہوا۔ تو اس وقت تک ترکوں نے اتحادی (برطانوی اور فرانسیسی) بری اور بحری فوج کو گیلی پولی میں شکست دی تھی اور عراق عرب میں بھی

سینائی پاک کے مورچے سے پیچھے ہٹا کر کوت العمارہ کے محصورین کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں اُس وقت تُرکی فوجیں صحرا کو پار کر کے نہر سویز پر حملہ کر رہی تھی۔ قفقاز میں بھی ترکوں نے غیر معمولی بہادری اور عزم کا مظاہرہ کیا تھا۔ اور پہلے روسیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا اور پھر اُسے لوٹا دیا تھا۔

تمام دفاعی مبصرین اس بات پر ہی ہم خیال ہیں۔ کہ جن مصیبتوں، تختیوں اور جفاکشی کو ترکی سپاہی جھیل سکتا ہے اور وہ بھی جبکہ اُسے فتحیابی کہیں نظر نہ آ رہی ہو۔ اُن حالات میں کسی ملک کا سپاہی ایسی کڑی آزمائش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

فیلڈ مارشل برڈوڈ نے ایک فوجی سکوٹ کی ڈنر پارٹی میں تقریر کرتے ہوئے یہ کہا تھا۔ کہ "اگر مجھے انگریز افسر اور ترکی سپاہی دے دیئے جائیں۔ تو میں دُنیا بھر کی فوجوں کو شکست دے سکتا ہوں" یہ قدرتی امر ہے کہ اس اظہار پر برطانوی افسروں نے سخت شور مچایا۔ مگر سچ آشکار ہو کر ہی رہتا ہے۔

دُوسرے اثرات ان باتوں کے باوجود کئی ایسے اثرات ہیں۔ جن کا اثر لڑائی کے آخری نتیجہ پر بہت نمایاں ہوتا ہے۔ مثلاً:۔

(۱) شامی، مصری، صفاکے عربوں اور فلسطین و عراق کے عربوں

کا اس جنگ کے متعلق نظریہ کیا تھا؟ اس نظریے کہ ترکوں کی جدوجہد پر کیا اثر ہوا؟

غلط فہمی مصری:۔ ترکوں کو مصریوں کے متعلق بہت غلط فہمی تھی۔ کہ برطانیہ سے جنگ کا اعلان ہوتے ہی مصر کا بچہ بچہ بھی برطانیہ کے خلاف جہاد کے علم کے تلے آجائے گا۔ اس میں کلام نہیں کہ کچھ لوگ ترکی حکومت کے ہمدرد تھے۔ مگر اس وقت زیادہ تر مصری اس فکر میں تھے۔ کہ زیادہ روپیہ کہاں سے ملے گا اور اس لئے ترکوں کے دوست نہ تھے۔ یہی حال صفا کے عربوں کا تھا جو بحیثیت جاسوس راہبر یا باربرداری کے اونٹ مہیا کرکے انگریزوں سے زیادہ سے زیادہ روپیہ وصول کرنے کی فکر میں تھے۔ "جہاد" کا لفظ ان لوگوں کی نظروں میں اس وجہ سے کوئی حقیقت نہ رکھتا تھا کہ ترکی حکومت نے قومی جذبات کا شکار ہوکر اس طرف توجہ ہی نہیں کی کہ ان کو صحیح معنی میں جہاد کی سپرٹ سے آشنا کیا جاتا۔

شامی اور عربی شامی اور فلسطینی عرب گو کئی صدیوں سے ترکوں کی رعایا تھے۔ مگر انہیں بھی ترکوں سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ یہ لوگ بھی جیتنے والوں کا ساتھ دینے والوں میں سے تھے یا جہاں سے زیادہ زر وصول ہو سکے۔

برطانیہ کے وعدے دوسرا سیاسی مسئلہ یہ تھا کہ انگریزوں نے پرشیدہ طور سے کہیں تو عربوں کو آزادی دینے اور آزاد حکومت بنانے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ اور کہیں وہ بلفور کمیشن کے کرتا دھرتا تھے۔ علاوہ ازیں برطانیہ نے فرانس کے سائیکس پیکٹ پر دستخط کر دئے تھے۔ اور یہودیوں کو بیت المقدس میں آزاد حکومت دینے کا وعدہ کر دیا تھا۔ اس طرح انہوں نے ان تمام ترکوں کو سیاسی ریشہ دوانیوں سے جکڑ کر اپنا زر خریدہ غلام بنا لیا تھا یعنی جہاں مسلمانوں کو اُن مقدس مقامات میں آزاد حکومت بنانے کا وعدہ کیا۔ وہاں اسی سرزمین پر یہودیوں کو آزاد حکومت دلانے کا یقین دلا کر عہد نامے پر دستخط ثبت کئے۔

جرمن کے خواب اُدھر جرمنی کا یہ خیال خام تھا۔ کہ ترکی حکومت کو اتحادی بنا کر "جہاد" کے اعلان سے تمام اسلامی دنیا کو نہ صرف جذباتی طور پر اپنا ہم خیال بنا لیا جائے گا۔ بلکہ جہاد کی مدد سے ترکی حکومت کا بچہ بچہ اس لڑائی میں اپنی جان دے دے گا۔ اور برطانوی اور فرانسیسی حکومت کے مسلمان بھی ترکی

کے خلیفۃ المسلمین کے اعلان "جہاد" سے اپنی حکومتوں کی جڑیں ہلا دیں گے جہاد کے فلسفے کے ذریعے ترک اور جرمن کامیاب ہو جاتے بشرطیکہ وہ انگریزوں کی طرح سیاسی منصوبہ بنا کر اس پر تزم سے عمل کرتے۔ مگر ترکی افسر چونکہ مذہب سے ناواقف تھے۔ لہٰذا وہ ناکام رہے۔ اس غلط فہمی سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جرمنی کا دفتر امور خارجہ اور جرنل سٹاف کے مراسلے نگار کس قدر غلط تھے۔

دفاعی فضیلت اس کے علاوہ جرمنی کے دفاعی مبصرین کا یہ خیال تھا۔ کہ ترکی کو جنگ میں جھونک دینے سے وہ اپنے دشمنوں کے خلاف حملہ کرنے کے وقت مرکزی صورت حاصل کر لیں گے۔ اس طرح سے وہ برطانیہ کے خلاف جہاں چاہیں گے حملہ کر سکیں گے۔ مگر انہوں نے ترکی ملک کے سلسلہ آمد و رفت کا غلط اندازہ لگایا۔ فلسطین کے جنگ کی اہمیت کا پتہ اس بات سے چلتا ہے۔ کہ اس جنگ کا محاذ قائم کرنے میں برطانیہ کے دفاعی اراکین نے بہت سرگرمی سے کام لیا۔

فرانس اور برطانیہ فرانس کے میدان میں تقریباً برابر کی کشمکش تھی۔ گیلی پولی میں برطانیہ نے زک اٹھائی عراق عرب میں بھی ترکوں کا پلہ ابھی تک بھاری تھا اور اب ترک نہر سویز کو بند کرنے کی فکر میں تھے۔

برطانوی عزم و نظم گو ابتدا میں برطانوی فوج نہ تھی پر محض

اس کے بچاؤ کی غرض سے لائی گئی تھی اور انہوں نے محض بچاؤ کے مقصد سے لڑائی لڑی۔ مگر بعد ازاں برطانوی کمانڈر نے یہ محسوس کیا کہ اگر وہ اپنا بچاؤ کا مورچہ فلسطین کی حدود تک لے جائے، تو اس سے ایک تو اس کے دشمن کو پیچھے ہٹنا پڑے گا اور دوسرے ترکی فوج کو یہ ملکہ حاصل نہ ہوگا۔ کہ وہ نہر سویز کے ہر حصہ پر یعنی جہاں وہ چاہے حملہ کر سکے۔ کیونکہ فلسطین کی حدود پر راستوں کے قبضے میں آجانے سے برطانوی فوج ترکوں کے مورچے کے میسرہ پر اپنا مورچہ بنا سکے گی۔ لہٰذا اس برطانوی مورچہ بندی سے ترکی فوج کی نقل و حرکت خطرے میں پڑ جائے گی۔

برطانوی سٹریٹیجی عملی میدان میں

اس کے علاوہ اس پیشقدمی سے اتحادی فوج کے دوسرے محاذوں کے لڑاکا سپاہیوں کے حوصلے بڑھیں گے۔ لہٰذا اس کا اثر تمام جنگ کے نتیجے پر اچھا ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس محاذ کے قائم کرنے سے نہر سویز کے بچاؤ کی فوج کا خرچ کم ہو جائے گا۔ مگر سب سے اہم سیاسی فائدہ یہ ہوگا۔ کہ اس پیشقدمی سے ترکوں کی رعایا کے اور ان لوگوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ جو حکومت کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے۔

۲۔ اور اس طرح گھر میں آگ لگ جانے سے ترکی حکومت اپنی فوجیں عربستان میں روانہ کرے گی۔ جرمنی کا دباؤ یورپی محاذ پر کم

ہو جائے گا۔

۳۔ آخر کار جرمنی کا وہ خواب کہ وہ مرکزی حملہ آور کی حیثیت اختیار کر لے۔ اِس محاذ کے قائم ہونے سے شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔ اور برطانیہ کا ہندوستان، آسٹریلیا اور دیگر ایشیائی مقبوضات سے سلسلہ آمد و رفت محفوظ ہو جائے گا۔ اور اس طرح سے اس محاذ کی وجہ سے جرمنی کی اتحادی فوج کے پہلو میں کاری زخم لگانے کا ذریعہ پیدا ہو گیا۔

فلسطین کی جنگ سے تعارف

اس جنگ کے حالات کو اگر بہ نظر غائر مختلف زمان خرں کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے تو دفاعی سیاست اور فن حرب کو سمجھنے میں آسانیاں ہوں گی۔ انگریزی فیلڈ سروس ریگولیشنز میں جنگ کے اثنائے تغیر کو حسب ذیل تین منزلوں یا حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے:۔

۱۔ **پہلی منزل**: جس میں دو مخالف فوجوں کے ہراول دستوں کی آپس میں جھڑپ۔ اور ان ہراول دستوں کی آڑ میں دونوں طرف کی فوج کے کمانڈر اپنے اپنے دفاعی منصوبوں کو آخری شکل دیتے ہیں اور اپنے ہراول دستوں کے باعث دونوں فوجیں خفیہ طور سے نقل و حرکت کر کے دشمن کے خلاف پوری طاقت کے ساتھ جھڑپ کرنے کے لئے تیار ہوتی ہیں۔ تاکہ جلد سے جلد آخری فیصلہ اور فضا بلی

حاصل ہو جائے۔ یہ وہ وقت تھا۔ جو ۱۹۱۴ء کے اگست سے شروع ہوا۔ اور اُس وقت ختم ہوا، جب برطانیہ کی فوج نے آگے بڑھنا شروع کیا۔

ترکوں کی طرف سے یہ وقت جنوری ۱۹۱۵ء سے شروع ہوا۔ جبکہ اُن کی فوج کے دستے نہر سویز پر حملہ آور ہوئے۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ برطانیہ کی فوج کو یہ معلوم نہ ہو سکے۔ کہ ترکی کا بڑا حملہ کہاں پر ہوگا اور کب ہوگا؟

۲۔ دُوسری منزل:۔ وہ ہوتی ہے۔ کہ دونوں مخالف فوجیں آپس میں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ اور دونوں ایک دوسرے کو کاری زخم لگا کر اپنے مخالف پر برتری حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ تاکہ فیصلہ کُن لڑائی کے لئے راستہ صاف ہو جائے۔ یہ وہ ایام ہیں۔ جن کا آغاز ۱۹۱۶ء میں ہوا۔ اور ۱۹۱۷ء کے آخر تک رہا۔

۳۔ تیسری منزل:۔ یہ وہ منزل ہے۔ جس میں ایک فوج کا کمانڈر جب فوقیت حاصل کرنی مقصود ہوتی ہے۔ دشمن کو شکست فاش دے کر اُس کی طاقت کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ اسی منزل میں کمزور فوج کا کمانڈر ان دفاعی منصوبوں کو عمل میں لانے کی فکر میں ہوتا ہے جس کی مدد سے وہ مکمل تباہی اور آخری شکست سے بچ جائے اور ان حالات میں کبھی تو وہ میدان چھوڑ

کر کسی نئے مورچے پر لڑنے کی تجویز کرتا ہے اور کبھی محصور ہو جاتا ہے۔ غرض کہ اُس کی تدابیر یہ ہوتی ہیں۔ کہ جنگ کے فیصلے کو التوا میں ڈال دیا جائے۔ تاکہ مزید کمک کی مدد سے وہ دشمن پر فوقیت حاصل کر کے آخر کار اُسے شکست فاش دیدے۔ یہ منزل ۱۹۱۸ء میں وقوع پذیر ہوئی۔ اتفاق سے ان تینوں منزلوں کی کش مکش تین علاقوں میں ہوئی یعنی:-

۱۔ پہلی مڈبھیڑ ——— صفا کے صحرا میں لڑائیاں
۲۔ تغیر کے لئے کش مکش ——— فلسطین کی جنگ و جدل۔
۳۔ فیصلہ کن جنگ ——— شام کی فیصلہ کن پیشقدمی اور جنگ

لہٰذا اب ہم اندازہ لگا سکیں گے۔ کہ لڑائیاں مختلف مقامات پر کیوں ہوئیں اور دونوں سالاروں کے منصوبے کن دفاعی اصولوں کے تحت عمل میں لائے گئے تھے۔

مڈبھیڑ برطانیہ نے ۲۲ نومبر کو بصرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہی اس حکومت نے ترکی کو بغلی گھونسہ دینے کی تیاری بھی کر لی تھی۔ چنانچہ انہوں نے دسمبر ۱۹۱۴ء تک مصر میں کافی بڑی فوج جنرل سر جان میکسویل کے ماتحت جمع کر لی تھی۔ قانونی نقطۂ نگاہ سے مصر اُس وقت ترکی کے تحت تھا۔ مگر عملاً بہت عرصہ سے برطانیہ مصر کا حکمران تھا۔

اگست ۱۹۱۴ء میں جب اول عالمگیر جنگ شروع ہوئی

تو اُس وقت عباس حلیمی پاشا خدیو مصر (جو اس وقت مصر کا حکمران تھا) ترکی حکومت سے ملنے استنبول گیا ہوا تھا عباس حلیمی انگریزوں کا بہت مخالف تھا۔ اس لئے انگریزوں نے نہر سویز کی حفاظت کی غرض سے مصری وزارت کو اس بات پر مجبور کیا۔ کہ وہ یہ اعلانِ جنگ کرے کہ:۔

۱۔ مصر برطانیہ کے دشمنوں سے جنگ کرے گا۔

۲۔ عباس حلیمی کو تخت سے برطرف کر کے اُس کی جگہ شہزادہ حسین کو بادشاہِ مصر بنائے گا جس کا یہ مطلب ہے کہ مصر ترکی سے آزاد ہو جائے گا۔

۳۔ برطانیہ نے ترکوں کے خلاف مصر کی حفاظت کا سارا خرچ اپنے ذمہ لے لیا جس کے لئے اُنہوں نے برطانیہ سے عہد نامہ کر لیا تھا۔ اور اس عہد نامے میں یہ بھی وعدہ کیا گیا تھا۔ کہ مصریوں کو اس جنگ میں ترکوں کے خلاف کسی حیثیت میں استعمال نہ کیا جائے گا مگر یہ وعدہ ایسا تھا جسے برطانیہ کسی طرح سے ایفا نہ کر سکا۔

نہر سویز نہر سویز تقریباً سو میل لمبی ہے۔ اور کسی جگہ ستو گز چوڑی ہے۔ اس نہر کی گہرائی بہت ہے یہ نہر صحرائی علاقے میں کھودی گئی ہے۔ اور زراعتی حصہ تقریباً ۲۵ میل نہر سے دُور ہے۔ اس لئے نہر سویز کے شہر مثلاً سویز،

اسماعیلیہ، پورٹ سعید میں باشندوں کے پینے کا پانی دریائے نیل سے آتا ہے اور یہ میٹھے پانی کی نہر قاہرہ سے اسماعیلیہ جاتی ہے۔ اور وہاں سے ایک شاخ شمال کی طرف پورٹ سعید اور دوسری شاخ جنوب کی طرف سویز کو جاتی ہے۔

میٹھے پانی کی نہر قاہرہ سے ریلوے لائن بھی اس میٹھے پانی کی نہر کے ساتھ ساتھ جاتی ہے۔ لہٰذا اگر پانی کی نہر کو تباہ کر دیا جائے۔ تو ان تینوں شہروں کے باشندے پیاسے ہلاک ہو جائیں۔ یہ امر قابل غور ہے کہ یہ تباہی مصر کی جانب سے لائی جا سکتی ہے ورنہ اگر ترک دوسری جانب سے بڑھ کر ان شہروں پر قابض ہو بھی جائے تو ان کو پینے کا پانی نہ ملتا۔ اس لئے ان شہروں پر قبضہ کرنے کے لئے پانی کے معاملے پر بات کرنا ضروری تھا۔ لیکن ترکوں کا مقصد ان شہروں پر قبضہ کرنا نہ تھا۔ بلکہ سویز نہر کو جہاز رانی کے ناقابل بنانا ان کا مقصد تھا۔ انگریزوں نے اس لئے نہر کی حفاظت کے لئے آغاز جنگ سے کافی بڑی فوج مقرر کر دی تھی۔

ترک میدانِ عمل میں ادھر ترکوں نے پیش قدمی کر کے ریلوے لائن اور نقل کے قصبوں پر مورچہ بندی کر کے صحرائی راستوں کا دروازہ بند کر دیا۔ ۱۹۱۴ء میں ترکوں کا ایک کور نمبر ۵ اڈانا اور دوسرا ترکی کور نمبر ۴ دمشق میں تھا۔

جمال پاشا کی کمزوری جیسا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ان ترکی کوروں کی فوج نہ تو تعداد کے لحاظ سے اور نہ ہی اسلحہ کے لحاظ سے مکمل تھی۔ اس فوج کو چہارم آرمی سے نامزد کیا گیا تھا۔ اس فوج کا کمانڈر جمال پاشا تھا جو کہ ینگ ترکی پارٹی کا اعلیٰ رکن تھا۔ بدقسمتی سے جمال پاشا تجربہ کار اور قابل جرنیل نہ تھا۔ اس میں بحیثیت گورنر قابلیت اچھی تھی۔ اس کے اپنے اہل وطن لوگوں میں سے بہت سے اس کے دشمن تھے اور یہ کہا گیا ہے۔ کہ وہ سارا وقت اپنی پارٹی میں پھوٹ ڈالنے اور لڑائی کرانے میں صرف کرتا تھا۔

جمال کوچک نمبر ۵ ترکی کور کا کمانڈر جمال کوچک تھا۔ جو بہادر اور قابل افسر تھا۔ اور فلسطین کی جنگ میں اس نے کافی نمایاں حصہ لیا تھا۔ نمبر ۵ کور کا چیف آف سٹاف ایک جرمن کرنل پس وان کریسنیٹن تھا۔ یہ جرمن دلیر اور باعزم تھا اور اس نے بارہا برطانوی فوج کو کافی نقصان پہنچایا تھا۔

نہر سویز پر حملہ جمال پاشا نے کرنل پس وان کریسنیٹن کو تقریباً بیس ہزار فوج کا دستہ جس میں زیادہ تر عرب فوج تھی دیا۔ اور اس غرض سے بھیجا۔ کہ نہر کے کسی حصہ پر قبضہ کر کے جہاز رانی کو روک دے۔ یا دوسری صورت میں نہر کو تباہ کر دے۔ اس فوج میں کوئی توپ خانہ نہ تھا۔ مگر ان توپوں کو کھینچنے کے لئے

گھوڑے اور خچر نیز بار برداری کے لئے اونٹ تھے۔ ہوائی جہاز بالکل نہ تھے۔ مگر بدوی عربوں کا رسالہ اس میں شامل تھا۔

یہ ترکی فوج ۳ر فروری کی رات کے وقت نہر سویز تک پہنچ گئی۔ اور چند دستے نہر کے پار بھی گذر چکے تھے۔ کہ اچانک برطانوی حفاظتی فوج کو پتہ چل گیا جنہوں نے نہایت زبردست گولہ باری کر کے اس ترکی فوج کے حملے کو پسپا کر دیا۔ اس جرمن افسر کا بیان ہے۔ کہ صحرا میں سخت آندھی کی وجہ سے ترکی فوج نے بجائے ۲ر فروری کی شام کے وقت حملہ کرنے کے ۳ر فروری کی صبح تین بجے کے قریب حملہ کیا۔ کرنل کریس نے تمام عرب فوج کی بزدلی کی شکایت لکھی ہے۔

ترکی دفاعی منصوبے میں کمزوری

رات کے حملے کی ناکامی کے باوجود جمال پاشا نے جو کہ میدان جنگ میں موجود تھا۔ کرنل کریسٹن کو حکم دیا۔ کہ دن کے وقت وہ تو سم اور سید اپیم کے درمیان حملہ کرے مگر یہ حملہ بھی ناکام رہا۔ کیونکہ اس کا منصوبہ صائب نہ تھا۔ مثلاً ترکوں نے فردان اور کنٹارہ کے شہروں پر جو (FAINT) دھوکا دینے کے لئے حملہ کیا۔ وہ بہت بے دلی سے کیا۔ اس لئے برطانوی افسر پر صاف ظاہر تھا کہ یہ دھوکا دینے کے لئے ہے۔ علاوہ ازیں ترکوں نے اپنی ریزرو دیہی محفوظ فوج کو جو کہ ایک ڈویژن

سے زائد تھی، استعمال نہ کیا بلکہ ترکوں نے کسی محاذ پر بھی بیباکی، عزم اور دلیری سے حملہ نہیں کیا۔ ترکوں نے بلاشبہ جہاں بہت بڑی فوج صحرا کے پار لاکر نظم کی قابلیت کا اظہار کیا، وہاں انہوں نے برطانوی فوج کے کمانڈر کے دماغ میں یہ صحیح خیال پیدا کر دیا۔ کہ مصر کو نہر سویز کی حفاظت، نہر سویز کے کناروں کے قریب تک ہی نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ انہیں صحرا کے اُن راستوں پر بھی قبضہ کرنا چاہیئے۔ جن پر اس صحرا میں سے دشمن کی بڑی فوج گذر سکتی ہے۔ یعنی برطانوی جرنل نے اپنی اس غلطی کو کہ صفا کا صحرا ناقابل گذر ہے۔ تسلیم کر کے اُس کا تدارک کرنا شروع کیا۔ اس ٹاکرے میں برطانوی فوج نے بھی دلیری کا ثبوت نہ دیا۔ کیونکہ انہوں نے ترکی فوج کا پیچھا نہ کیا۔ اس لئے ترکی حملہ آور فوج اپنے فاتح دشمن کے نیچے سے شدید نقصان اُٹھائے بغیر اپنے مستقر کی طرف ہٹ گئی۔

مصری باشندے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سیاسی لیڈر جمال پاشا کو مصر کے باشندوں کے صحیح جذبات سے قطعی لاعلمی تھی۔ اور اس کو یقین تھا۔ کہ ترکی حملہ آور فوج کی خبر پاتے ہی مصر کا بچہ بچہ برطانوی فوج کے خلاف جہاد کرے گا۔ لہٰذا مصری عوام پر ان حملوں کے کچھ بھی اثرات نہ دیکھ کر اُسے سخت مایوسی ہوئی۔ اس لئے وہ جلد ہی اپنے

دار الحکومت کو واپس چلا گیا۔ غالباً اُس نے دل میں مصریوں سے یہ کہا کہ "اس غداری کے صلے میں تم جہنم میں جلو" اور جنگ کی ذمہ داری اب اُس نے اپنے ماتحتوں کے سر تھوپ دی۔

پراپیگنڈہ مفقود تھا

مگر سوال یہ ہے۔ کہ کیا ترکی حکومت یا جمال پاشا (جو کہ اس حکومت کی ٹکڑی کا ایک رکن تھا) نے پراپیگنڈہ، روپیہ کا لالچ۔ ایجنٹوں وغیرہ کو اس حملے سے قبل اپنے ملک میں دشمن کے خلاف کیوں نہ استعمال کیا؟ اگر نہیں تو قصور کس کا ہے؟ صحیح اسلامی جذبہ مسلمانوں میں بہت زمانے سے مفقود ہو چکا تھا۔ رہنماؤں کو اس ڈھول کے پول کی سیاسی کمزوری کو تسلیم کر کے اس کو دور کرنے کے عمل کو اختیار کرنا چاہیئے تھا۔ اس لاعلمی نے ترکی حکومت کو بار بار مختلف موقعوں پر ہزیمت دکھلائی۔ گو ہم تمام مسلمانوں کو بری الذمہ نہیں کرتے۔ مگر ہم ترکی حکومت اور اسلامی رہنماؤں کو بہت بڑے قصوروار ٹھہرائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اگر وہ اپنا دفاعی منصوبہ بناتے وقت اس پراپیگنڈے کے ساتھ روپیہ کے لالچ کو بھی استعمال کرتے۔ تو یہ ضرور ممکن تھا۔ کہ وہ برطانوی فوج کو بہت دشواریوں میں ڈال دیتے۔ برطانوی جنرل سر جان میکسویل بہت تجربہ کار افسر تھا اور اُس نے اپنے خفیہ ایجنٹوں کا زبردست جال پھیلا رکھا تھا اور اُس نے یہ خوب سمجھ رکھا تھا کہ

پیٹ خالی تو عشق ٹائیں فش

ترکی جانباز دستے اس کے علاوہ ترکوں نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے سے نہر سویز یا میٹھے پانی کی نہروں کو جانباز دستوں سے تباہ کرانے کا کوئی منصوبہ تیار نہ کیا۔ انگریزوں نے اس ہتھیار کو ترکوں کے خلاف کیسے کارآمد طور سے استعمال کیا۔ وہ ہم آگے چل کر بتلائیں گے۔

اسباق جب ہم باریک بینی سے دیکھتے ہیں۔ تو ہم صرف یہی رائے قائم کر سکتے ہیں کہ ترکی حملے کے منصوبے کو دور اندیشی اور صائب رائے سے تیار نہیں کیا گیا تھا۔ اور جب حملہ کیا گیا۔ تو حملہ آور ترکی فوج میں نہ تو عزم تھا نہ بیباکی اور نہ ہی وہ جوش و خروش سے آگے بڑھے۔ تعجب یہ ہے کہ ترک فوج کے کمانڈر نے اعلیٰ فوج کا ڈویژن تو محفوظ رکھا، جسے ایک گولی چلانے کا بھی موقع نہ ملا اور پھر یہی فوجی دستہ جمال پاشا کو باحفاظت نہر سویز سے غازہ لے آیا اور نہر پر حملہ عربی ڈویژن سے کرایا۔ جس کی وفاداری پر شک ہونے کے علاوہ نہ تو وہ پورے طور سے تربیت یافتہ تھا اور نہ ہی اس اہم کام کے لئے اس کے پاس مناسب اسلحہ تھا۔

موقع کھو دیا درحقیقت ترکوں نے یہ موقع کھو دیا۔ جو پھر ان کے ہاتھ نہ آیا۔ ہم غازی انور کو بھی بری الذمہ نہیں

کرنے اور دراصل وہ اس شکست کا بہت حد تک ذمہ وار تھا۔ کیونکہ اس نے اپنے گھر کی فکر نہیں کی اور اپنے خود غرض آقا کی خاطر اپنی بہترین فوج اور اسلحہ کو کوہ قاف کے میدان جنگ میں روس کے خلاف فنا کرا دیا۔

سیاسی راہنماؤں کی ذمہ واری

سیاسی راہنماؤں کو یہ جانچنا چاہیئے کہ اپنے مفاد کی حفاظت اور ان کا حصول کم از کم قربانی سے ہو سکتا ہے اتحادی بننے سے اپنے بنے بنائے گھر کو تباہ کر دینا عقلمندی سے بہت ہی بعید ہے۔ غازی انور اپنے پرانے دشمن روس سے جو کہ اب کمزور ہو چکا تھا۔ بدلہ لینے کے جذبے میں اس قدر دیوانہ ہو گیا کہ اس نے اپنے فرض منصبی یعنی اپنے ملک کی حفاظت کو صرف سخت خطرے ہی میں نہ ڈال دیا۔ بلکہ اسے برباد بھی کر دیا۔

روسی محاذ کی غلط اہمیت

روسی محاذ کو برقرار رکھنے کے خیال میں غازی انور نے شام، مصر، فلسطین، عراق وغیرہ کو بھلا دیا۔ اور اس نے کرنل کریس کو حکم دیا۔ کہ چھوٹے چھوٹے حملے کر کے وہ نہر سویز کی برطانوی فوج کو پریشان کرتا رہے۔ دراصل اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ برطانیہ کی توجہ اس محاذ پر زیادہ ہو گئی۔ اور اس طرح سے ترکی حکومت نے برطانیہ کو ان کی دفاعی غلطی بتلا دی۔

انور اور جہاد غازی انور نے جب ۱۹۱۴ء میں عراق اور فلسطین کے محاذوں پر جہاد کے جذبے کو کہیں نہ پایا۔ تو خواب غفلت سے قدرے بیدار ہوا۔ اب ترکوں اور جرمنوں کو یہ یاد آیا۔ کہ افریقہ میں سنوسی فرقہ ابھی زندہ ہے جو اٹلی۔ فرانس اور انگریزوں کے خلاف ترکی کی مدد ۱۹۱۱ء میں کرتا رہا اور بہت ممکن ہے۔ اب دوبارہ وہ ان کا معاون بن جائے۔ غازی انور نے اپنے سوتیلے بھائی نوری بے اور جعفر پاشا کو جو عراقی عرب تھا۔ سنوسیوں کے پاس اکسانے کے لئے بھیجا۔

سنوسی سید احمد سنوسیوں کا شیخ تھا۔ اور جنرل میکسویل نے کافی عرصہ تک اسے اپنے ساتھ ملائے رکھا۔ خصوصاً جبکہ مصر میں فوج کافی نہ تھی۔ مگر نوری بے کے وفد پہنچنے پر اس نے ترکوں کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا۔

سوڈان ترکوں نے سوڈان کے علاقے ڈارفور کے بادشاہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ نوری بے نے یہ دو ملکی منصوبہ بنایا۔ کہ انگریزی فوج پر ایک طرف سے تو سنوسی سیوا نخلستان سے حملہ کرے۔ اور اسی وقت شاہ ڈارفور خرطوم پر حملہ کرے

سنوسیوں کے حملے سنوسیوں نے نومبر ۱۹۱۵ء میں حملے شروع کر دئے۔ اور کئی لڑائیاں ہوئیں۔ آخرکار برطانیہ کی فوج کا پلہ بھاری ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ ۲۰ جنوری ۱۹۱۶ء

کو جنرل پینیٹن نے آگا گیا کے مقام پر سنوسیوں کو شکست فاش دی۔ سنوسی بھاگ نکلے جعفر پاشا حوزخمی ہوگیا تھا پکڑا گیا جعفر پاشا بعد ازاں انگریزوں کے ساتھ مل گیا اور حجاز کے عربوں کو ترکوں کے خلاف اکساتے ہیں اس نے بہت نمایاں حصہ لیا جس کے صلے میں اسے کے۔ سی۔ ایم۔ جی (K.C.M.G) کا خطاب ملا۔ اور بعد ازاں وہ نئے عراق کا وزیر اعظم بنا۔

جب مئی ۱۹۱۶ء میں شاہ دارفور کو بھی شکست فاش ہوئی تو برطانوی فوج نے ساری توجہ سید احمد سنوسی پر صرف کر دی اور جگہ جگہ اس کا پیچھا کر کے اسے پے در پے شکستیں دے کر سیوا کے نخلستان سے بھگا دیا۔

ترکی منصوبے کی خامیاں

یہ ترکی منصوبہ بھی خامیوں سے بھرپور تھا۔ نوری بے ناتجربہ کار تھا۔ اس نے سنوسیوں اور دافور کے قبائل کو بالکل غلط طریقہ اور اصول جنگ کے تحت لڑایا۔ یہ دونوں قبائلی فوجیں باقاعدہ نہ تھیں۔ لہٰذا ان فوجوں کو اگر باقاعدہ فوجی حربی اصول کی بجائے برطانوی فوجوں کے خلاف گوریلوں کی لڑائی کے اصولوں پر لڑایا جاتا۔ تو یہ عربی فوج برطانوی فوج کو بہت پریشان کر سکتی تھی۔ مثلاً اس وقت برطانوی فوج کے پاس ہوائی جہاز بہت کم تھے۔ لہٰذا کبھی تو وہ اپنے جائے پناہ سے نکل کر افریقہ کی ایک

جگہ پر حملہ کرتے اور جیسے ہی برطانوی فوج وہاں تعاقب میں آتی۔ تو وہ منتشر ہو کر دوسری جگہ جمع ہو کر حملے کرتے۔ یہ عربی فوج ایسا کام آسانی سے کر سکتی تھی۔ کیونکہ اُن کے پاس نہ بھاری قسم کا اسلحہ تھا۔ اور نہ ہی آہستہ رفتار بار برداری تھی۔ کیونکہ ان کے ہر سپاہی کا دو ہفتہ کا سامانِ رسد اُس کے اپنے اُونٹ پر تھا۔ اس کے برعکس برطانوی فوج بھاری اسلحہ اور اُس کی بار برداری کے باعث بہت پابند تھی۔ لہٰذا ترکوں نے یہ موقع بھی اپنی غلطیوں سے ہاتھ سے کھو دیا۔ لہٰذا وہ عرب جو پہلے سے پوشیدہ طور سے ترکوں کے خلاف تھے۔ اب اعلانیہ طور سے برطانیہ سے مل گئے۔ خصوصاً جبکہ انہوں نے برطانیہ کو روز بروز طاقتور بنتے دیکھا۔ برطانیہ نے انہیں عربوں کو ترکی فوج کے خلاف جس طرح استعمال کیا۔ اگر ترک یہی حربی اُصول استعمال کرتے۔ تو جنگ کے نتائج دوسرے ہوتے۔ بدقسمتی سے ترکی افسر حدیث دفاع سے نابلد تھے۔ وہ گفتار کے غازی تو تھے مگر کردار کے غازی نہ تھے

جنرل مری سنہ ۱۹۱۶ء کے آغاز میں جنرل سر آرچی بالڈ مری برطانوی فوج کا کمانڈر انچیف مقرر ہوا۔ جنرل مری نے فروری سنہ ۱۹۱۶ء میں اپنا دفاعی منصوبہ وار آفس لنڈن کو بھیج دیا۔ اور اُس میں اُس نے یہ لکھا۔ کہ ہمیں محض بچاؤ کے دفاعی اُصول کی بجائے "حملہ آور بچاؤ" کے دفاعی اُصول پر عمل کرنا چاہیئے۔

یعنی برطانوی فوج جو محض بچاؤ کرتی رہی ہے۔ اب ترکوں پر لگاتار حملے کر کے اُن کو دُور صحرا میں بھگا دے۔ تاکہ اس طرح سے نہر سویز بالکل محفوظ ہو جائے۔ لہٰذا اُس نے یہ تجویز کی۔ کہ برطانوی فوج کو ایلریش (ELARISH) اور کوسیما (KOSSAIMA) پر قبضہ کرنا چاہیئے۔ تاکہ صفا کے صحرائی راستوں کو ترک فوج پر بند کر دیا جائے۔

عربوں کی بغاوت ۱۹۱۶ء کے موسم گرما میں عربستان کے عربوں نے ترکوں کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔ لہٰذا جہاد کی تلوار کو مسلمانوں نے اعلانیہ توڑ کر پھینک دیا۔ اس طرح سے نہ صرف ترکی کی حکومت کا وقار جرمنی کی نظروں میں گر گیا۔ بلکہ تمام دنیا میں مسلمان بدنام ہو گئے۔ اب نہ صرف ایران۔ افغانستان، عربستان بلکہ تمام دنیائے اسلام بے ہتھیار ہو کر کس مپرسی کی حالت میں گرفتار ہو گئی۔

شریف مکہ جب مکہ معظمہ کے شریف حسین نے ترکی حکومت کے خلاف علم آزادی بلند کیا۔ تو برطانیہ کی حکومت نے اُسے ہر قسم کی امداد کا وعدہ کیا۔

یمن:۔ یہی نہیں، یمن کے امام یحییٰ اور وائی اسیر سید ادریس نے بھی ترکوں کے خلاف برطانیہ سے مل کر لڑنے کا اعلان کر دیا۔ اس عرب امداد کے بدلے برطانیہ نے کچھ شرائط کے تحت عربوں کو آزادی دینے کا اقرار کیا۔

شام شریف حسین نے پہلے خود جنگ آزادی شروع نہ کی بلکہ سب سے پہلے شام میں بغاوت پھیلائی۔ جمال پاشا نے سیاسی مصلحت کو نظر انداز کر کے ظالمانہ اور جارحانہ کارروائی کر کے عربوں کو اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔

عرب بحیثیت گوریلا برطانیہ نے تمام عرب قیدیوں کو گوریلا لڑائی کے اصول سکھلا کر مصر اور دیگر مقامات سے حجاز بھیج دیا۔ اسمیں جمال پاشا بھی تھا جو لارنس آف عربیا کا سب سے بڑا معاون و مشیر بنا۔

برطانوی پراپیگنڈہ حجاز اور عربستان میں جنگِ آزادی کا ڈھونگ رچانے کے بعد برطانیہ نے تمام عرب علاقوں میں ترکوں کے خلاف زہر پھیلا دیا۔ اس مرض کو برطانوی سونے اور زر نے بہت ہی موذی اور خطرناک بنا دیا۔ اور جہاد کے اثرات زائل کرنے کے لیے برطانیہ نے جہاں جہاں بھی مسلمان موجود تھے نہایت قابلیت سے پراپیگنڈہ کیا۔ کہ عام علماء اور سجادہ نشینوں کو تو کیا، اتحادیوں نے بڑے بڑے کے علماء مثلاً شیخ الاسلام تک کو خرید لیا۔

برطانوی دفاعی منصوبہ برطانوی فوج نے اب اپنے دفاعی منصوبے کے مطابق ایلیش کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ مگر انہوں نے یہ پیشقدمی نہایت نظم و نسق سے کی۔ ریلوے لائن بچھائی۔ سڑکیں تیار کیں، تاکہ فوج کو سامان رسد و اسلحہ باقاعدہ اور بافراط میدانِ جنگ میں پہنچ سکے۔ مصر سے لاکھوں مصریوں کو ان کاموں کے لیے لیبر کور (بطور قلی) زبردستی بھرتی کیا گیا۔ چونکہ

برطانوی کمانڈر کو یہ یقین ہو گیا تھا۔ کہ ترک اس پیشقدمی کا سخت مقابلہ کریں گے۔ اس لیے برطانوی فوج کے کمانڈر عربوں کی مدد سے صحرا میں وہ تمام تالاب جو حکومت رُوما اور اس کے بعد صلیبی فوج نے وسطی صحرائی راستے میں بنائے تھے تباہ کر دیئے۔ تاکہ ترکی فوج برطانوی فوج کے میمنہ یا میسرہ پر اچانک حملہ نہ کر سکے۔ کیونکہ ان تالابوں کے سوا اس صحرا میں کہیں بھی پانی دستیاب نہ ہو سکتا تھا۔ ترکی فوج کے سالار کی یہ غفلت تھی۔ کہ اُس نے ان تمام تالابوں کی حفاظت کے متعلق کوئی انتظام نہ کیا۔ ان تالابوں کی تباہی کی وجہ سے ترک اب کئی اہم صحرائی راستوں کو استعمال نہ کر سکتے تھے۔ اور ان کی نقل و حرکت کا دائرہ محدود ہو گیا۔ لہٰذا برطانوی سالار کو اپنے دشمن کی نقل و حرکت کا پورا پورا پتہ چل جانے کی اُمید ہو گئی۔ برطانوی فوج نے اپریل ۱۹۱۶ء میں قاطیا (KATIA) پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے ہراول دستے آگے بھیجے۔

ترکی ہائی کمانڈ اور جمال پاشا

جمال پاشا بھی مسلسل ترکی ہائی کمانڈ کو بار بار کمک کے لیے درخواست کرتا رہا۔ مگر استنبول میں اُس کے مخالفوں نے ہمیشہ کچھ نہ کچھ التوا کروا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمال پاشا اپریل میں اپنے دفاعی منصوبے کے مطابق دوبارہ نہر سویز پر پیشقدمی نہ کر سکا۔ مگر جرمن کرنل وان کریسنٹین (VON KRESSENTEIN) اس کمک کے نہ پہنچنے

کے باوجود بھی خاموش نہ بیٹھا۔ اور اپریل میں وہ دوبارہ نہر سویز کی طرف آگے بڑھا۔ اُس کے پاس کل دو پیدل پلٹنیں۔ ایک کمپنی عربی رضاکار پلٹن۔ ایک عربی رضاکار رسالہ اور ڈیڑھ بیٹری پہاڑی توپ خانہ کی فوج تھی اور اس کی کل فوج میں تقریباً تین ہزار نفر، چھ توپیں اور چار مشین گنیں تھیں۔

کرنل وان کریسنٹین نے اس فوج کے ساتھ برطانوی فوج جو قاطیا میں مقیم تھی پر اچانک چھاپا مارا۔ برطانوی فوج کا وہاں ایک رسالے کا بریگیڈ تھا اور دوسرے رسالے کا بریگیڈ اٹھارہ میل کے فاصلے پر صالح کے مقام پر تھا۔

نامکمل کامیابی ترکوں کا یہ حملہ کامیاب رہا اور برطانوی فوج قاطیا کو خالی کر کے پیچھے ہٹ گئی۔ مگر ترکی حملہ آوروں نے چونکہ پسپائی کے وقت برطانوی فوج کا پُرجوش تعاقب نہ کیا۔ اس لیے یہ فوج تباہی سے بچ گئی۔ مگر یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ کرنل وان کریسنٹین کو یہ خبر مل گئی ہو۔ کہ انگریزی فوج کی کمک آ گئی ہے اور اس لیے وہ قاطیا سے پیچھے ہٹ گیا۔

پس ہمتی اس حملے کے تین ماہ کے بعد تک ترکوں نے کوئی حملہ نہ کیا۔ اور برطانوی فوج اپنا مورچہ مضبوط بناتی گئی۔ درحقیقت ترکی فوج کا کمانڈر اپنی کمک کی انتظار میں رہا۔ اور یہ عرصہ برطانوی فوج کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوا۔ اور اب انہوں نے وہاں پورا ٹنک

رسالے کا ڈویژن جمع کر لیا اور انہوں نے رومانی کے شہر کو بہت مستحکم بنا لیا۔

ترکوں کا حملہ کرنل وان کریسنٹین نے جولائی ۱۹۱۶ء میں پھر چھاپے مارنے کے لیے اپنی فوج کو آگے بڑھایا اور اس بار اس کے پاس ایک اناطولوی ترکوں کا ڈویژن تھا اور کچھ جرمن فوج کے دستے تھے۔ اس بار اس کے پاس بارہ ہزار رائفل کے سپاہی، تینتیس ۳۳ توپیں اور اڑتیس ۳۸ مشین گنیں تھیں۔ جب ترکی فوج بیرالی آباد (BIREABD) کے قریب پہنچی۔ تو برطانوی فوج کو اس کا پتہ چل گیا۔ لہٰذا برطانوی فوج کے 52 ڈویژن، 53 ڈویژن، چھتیس توپیں۔ 42 ڈویژن اس ترکی فوج کے مقابلے کے لیے کنٹارہ (KANTARA) جو رومانی سے 25 میل کے فاصلے پر ہے۔ لڑائی کے لیے جمع ہوئے۔ اس کے علاوہ دو رسالے کے بریگیڈ رومانی میں تھے اور دو اور رسالے کے بریگیڈ کنٹارہ کے قریب مورچہ میں تھے انکے علاوہ ایک رسالے کا بریگیڈ اور شتر سواروں کی چار کمپنیاں اور چار شتر سواروں کے سکواڈرن الفردان (ALFERDAN) میں بطور گارڈ کے موجود تھے۔

برطانوی کمانڈر برطانوی فوج کے کمانڈر نے یہ اندازہ صحیح لگا لیا تھا۔ کہ ترکی فوج برطانوی فوج کے میمنہ پر حملہ کر کے اُسے پیچھے ہٹا کر پھر باقی فوج کو گھیرے میں لینے کی کوشش کرے گی۔ برطانوی فوج کا میسرہ بالکل محفوظ تھا۔ کیونکہ اس علاقے میں بہت بڑے ریتلے ٹیلے تھے جن پر فوج خصوصاً توپ خانہ بالکل

نقل و حرکت نہ کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ پرانے نالوں کے برباد کر دیئے جانے کی وجہ سے وہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ اس لیے جنرل لارنس نے جو اس برطانوی فوج کا کمانڈر تھا۔ یہ منصوبہ بنایا کہ ترکوں کی فوج سے اسی علاقے میں مڈبھیڑ کرنے کے بعد ترکی فوج کے وسطی حصے پر اپنی پلٹن سے جوابی حملہ کرے۔ جب اُس کی پلٹن یہ حملہ کر رہی ہو۔ تو اس وقت برطانوی رسالہ ترکوں کے میسرہ پر عقب سے حملہ کر کے ترکی فوج کو تباہ کر دے۔

24 جولائی کو ترکی فوج نے رُومانی سے دس میل کے فاصلے پر مورچہ بندی کر لی۔ اور کئی دن تک آگے نہ بڑھے۔

برطانوی پیشقدمی کی تیاریاں

اُدھر جنرل مری نے ۹ اگست کو اس علاقے کی برطانوی فوج کے لیے گیارہ ہزار اُونٹ بھیج دیئے۔ تاکہ اگر ترک آگے نہ بڑھیں تو برطانوی فوج پیشقدمی کر کے اُن کو اپنے راستے سے ہٹا دے۔ اس علاقے میں سوائے اُونٹ کے اور کوئی باربرداری کام نہ آ سکتی تھی۔ برطانوی فوج کی موٹروں کی باربرداری اتنی اچھی نہ تھی جیسی آجکل ہے اور جنرل مری نے حکم دیا۔ کہ اگر ترکی فوج پیشقدمی نہیں کرتی۔ تو برطانوی فوج 13 اگست کو آگے بڑھے۔ میدان جنگ کا برطانوی فوج کا کمانڈر ہر روز رسالے کے ایک بریگیڈ کو ہر روز علی الصبح

دشمن کے مورچے کی طرف دیکھ بھال کے لیے بھیجتا۔ اور یہ بریگیڈ شام کے وقت اپنے کیمپ میں آجاتا۔

ترکی تیاری اور غداری کرنل وان کریسنٹین نے انگریزی فوج کی اس مقررہ قسم کی دیکھ بھال سے فائدہ اٹھانے کی ٹھان لی اور جب ۳ر اگست کی شام کو برطانوی رسالہ گھر کو لوٹا۔ تو اس نے ترکی فوج کو ان کے پیچھے پیچھے روانہ کیا۔ تاکہ برطانوی فوج پر شبخون مارے۔ اُدھر برطانوی فوج کے رسالے کے کمانڈر نے اُس رات ایک بریگیڈ کو اتفاق سے بطور احتیاط رات کے وقت تمام برطانوی کیمپ کی حفاظت کے لیے متعین کیا تھا۔ چنانچہ جب ترکی فوج آگے بڑھی۔ تو اس رسالے کے بریگیڈ کے دستوں نے تمام برطانوی فوج کو ترکی فوج کے حملے سے آگاہ کر دیا۔ اس لیے ترکی فوج کے مقابلے کے لیے برطانوی فوج تیار ہو گئی اور مقابلہ سخت ہوا۔

۴ر اگست کو ترکی فوج کے حملے کا زور زائل ہو چکا تھا۔ ادھر برطانوی فوج کے رسالے کے جوانوں کی مدد کے لیے نئی کمک پہنچ چکی تھی اور اب برطانوی پلٹن کے دونوں ڈویژن منصوبہ کے بموجب آگے بڑھ رہے تھے۔ برطانوی فوج کو فتحیابی تو ضرور ہوئی۔ مگر دشمن شکست فاش سے اس لیے بچ گیا کہ "برطانوی رسالہ گہری ریت کی وجہ سے تیز رفتاری سے آگے بڑھ کر ترکوں کو گھیرے میں نہ لا سکا"۔ یہ عذر دراصل ایک

برطانوی مورخ کا ہے۔ جو بے بنیاد ہے۔

اس بار پھر کرنل کریسنٹین حالات کا صحیح طور سے جائزہ لے کر اپنی فوج کو تباہی سے بچا کر لے گیا۔ اور یہ اُس کی عقلمندی تھی۔ کہ وہ اپنی بڑی غلطی کو فوراً پہچان کر اپنے دشمن کے پنجے سے بچ نکلا۔ گو وہ اپنے دو تین ہزار قیدی، کچھ توپیں اور سٹین گنیں دشمن کے ہاتھ چھوڑ گیا۔ مگر یہ قابل تحسین بات ہے۔ کہ وہ اس قدر سامانِ حرب اور توپیں ایسی گہری ریت میں سے نکال کر لے گیا۔ بلکہ برطانوی رسالہ بہت بڑی تعداد میں اُس کے تعاقب میں تھا۔

برطانوی رسالے نے عزم اور جفاکشی سے کام نہ لیا۔ ورنہ ترکی فوج بچ کر نہ نکلتی۔

برطانوی پیشقدمی اب برطانوی فوج بڑھتی ہوئی ایلریش پہنچ گئی گو ترکوں نے جگہ جگہ مقابلہ کیا۔ ایلریش پہنچنے سے اب برطانوی فوج ایسے علاقے میں پہنچ گئی۔ جہاں پینے کا پانی سبزی ترکاری گھوڑوں کے لیے چارہ وغیرہ کافی تھا پینے کا پانی کافی ملنے سے بار برداری کا بہت اہم مسئلہ حل ہو گیا۔

برطانوی رسالے کا استعمال چونکہ رسالہ ریتلے صحرا سے باہر نکل آیا تھا۔ لہٰذا اب برطانوی کمانڈر نے رسالے کو نہایت بے باکی سے استعمال کیا۔ مثلاً ادھا با اور رافع رسالے والوں کی مدد سے فتح کر لیے۔ رافع کے نزدیک

ریگستان صرف ساحل کے ساتھ ساتھ دو میل چوڑائی تک رہ جاتا ہے اور اس زمین میں جَو کی کاشت ہوتی ہے۔ گو یہاں سڑکیں نہیں ہیں۔ مگر یہ زمین کافی سخت ہے۔ اور گھوڑے اور انسان کے چلنے کے لیے اچھی ہے۔ موٹریں بھی خشک موسم میں چل سکتی ہیں۔

فلسطین کی دہلیز جنرل مرّی نے یہ محسوس کیا۔ کہ اب وہ فلسطین کی دہلیز پر قدم رکھے ہوئے بیٹھا ہے اور غازہ اور برشیبا اس مکان کے دروازے ہیں۔ غازہ ساحلی سڑک کا محافظ ہے۔ اور اگر شہر پر قبضہ نہ ہو۔ تو آگے بڑھنا محال ہے جنوبی اور مشرقی علاقے کے پہاڑی اور دشوار گذار راستے میں پانی کا ذخیرہ صرف اسی شہر کے قرب وجوار میں ہے۔ اس لیے برشیبا شہر اس علاقے کے لیے ایک چابی کی مانند ہے۔ ان دونوں شہروں کو دنیا کے مشہور فاتحین نے فتح کرنے میں لاکھوں جانوں کا نقصان کیا۔ اور ان شہروں کے فتح ہونے پر حکومتوں کی قسمتیں بدلیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس فاتح نے فلسطین سے گذر کر آگے بڑھنا چاہا ہے وہ ان شہروں کے قلعوں کو فتح کئے بغیر آگے بڑھنے کی جرأت نہ کر سکا۔ غازہ شہر کے گرد و نواح میں باغات ہیں جن کے گرد جانوروں سے بچانے کی غرض سے کوار گندل (CACTUS) کی باڑیں لگائی گئی تھیں اور یہ شہر ریتلے ٹیلوں پر آباد ہے۔ یہ باڑیں دس فٹ اونچی تھیں اس لیے شہر حملوں سے محفوظ تھا۔ شہر کے نواح میں ریتلے

میدان بھی تھے۔ غازہ سے ساحل کے ساتھ ساتھ جافہ کو سڑک جاتی ہے اور جافہ سے دوسری سڑکیں یہاں سے بیت المقدس اور برشیبا کو جاتی ہیں۔ غازہ میں شیخ علی منشور کی درگاہ ہے۔ روایت ہے کہ سیمسن (SAMSON) نے اس قلعہ کے ستونوں کو توڑا تھا۔

برشیبا سے شمال کی طرف ہیبدان کو سڑک جاتی ہے۔ جو آخرکار بیت المقدس کو چلی جاتی ہے اور اسی سڑک سے نابلوس کو بھی جا سکتے ہیں۔ ترکی فوج برابر باقاعدگی سے پیچھے ہٹتی چلی گئی۔ اور برطانوی فوج آگے بڑھتی چلی گئی۔

ترکی کی دفاعی چال ترکی فوج میں اس وقت بہت اعلےٰ نئی قسم کے چند ہوائی جہاز آئے تھے۔ اوران جرمنی ہوائی جہازوں نے برطانوی کمپنیوں پر بم برسا کر اُن کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ اس لیے برطانیہ کے رسالے کے ڈویژن بہت پریشان تھے۔ لیکن جب ان حالات میں بھی کرنل وان کریسنٹین برطانوی فوج سے سخت مزاحمت کیے بغیر پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ تو برطانوی فوج کو یہ خیال ہوا۔ کہ ترک غازہ اور برشیبا میں ڈٹ کر مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

جرنل ڈوبل برطانوی فوج کے اس دستے کا کمانڈر تھا۔ اُس نے مسلسل آگے بڑھنے کا منصوبہ بنا لیا۔ اس لیے اُس نے سامانِ حرب

رسد کا ذخیرہ وغیرہ جمع کرنا شروع کر دیا۔

غازہ پر برطانوی حملہ

جرنل ڈوبل نے یہ دفاعی منصوبہ بنایا کہ وہ اپنی فوج کو اس طرح تقسیم کرے :-

۱۔ تقریباً گیارہ ہزار رسالے کے سوار چالیس توپوں کے ساتھ غازہ کے شہر کو شمال مشرق اور جنوب مشرق کی جانب سے تخمیناً پندرہ ۱۵/۱ میل کے فاصلے سے نصف دائرے کی شکل میں گھیر لیں۔ تاکہ اس شہر سے دشمن برطانوی فوج کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے۔

جرنل ڈوبل کو یہ اُمید تھی۔ کہ ترکی فوج کا بڑا حصہ اور اُس کی کمک اس طرح سے اس فوج سے جب گتھم گتھا ہو جائے گا۔ تو پلٹن اپنے دشمن کو بے خبر رکھتے ہوئے جنوب مشرق سے اس رسالے کے پیچھے پیچھے بڑھ کر دشمن پر اچانک پیشقدمی کر کے مورچہ پر قبضہ کر سکے گی۔ اس رسالے کے دستے کے علاوہ جرنل کے پاس دو ڈویژن پلٹن اور چار توپخانے کے بریگیڈ تھے۔ جرنل ڈوبل نے شبخون مارنے کا فیصلہ کیا تھا۔

ترکی فوج غازہ میں اندازاً چار ہزار نفر پلٹن اور بیس ۲۰ عدد توپ خانے کی توپیں تھیں۔ یعنی ترکوں کے مقابلے میں حملہ آور برطانوی فوج کے پاس کم از کم بیس ہزار نفر سپاہی اور ایک سو دس مختلف قسم کی توپیں تھیں۔ ۲۵ مارچ کی رات کے ۲½ بجے برطانوی فوج نے پیش قدمی شروع کی اور ۲۶ مارچ کی صبح ۷ بجے رسالے کے دستے اپنی اپنی جگہ پہنچ گئے۔ اور برطانوی فوج کے رسالے نے ترکی فوج کے ڈویژن کمانڈر

کو معہ اُس کے سٹاف کے تقریباً ۹ بجے صبح پکڑ لیا۔ جبکہ وہ اپنی موٹر گاڑی میں غازہ کی طرف جا رہا تھا۔ کیونکہ اُسے برطانوی فوج کی نقل و حرکت کا کچھ علم نہ تھا۔

برطانوی حملے کی سست رفتاری

مگر برطانوی پلٹن اپنی جگہ پر متعین وقت پر نہ پہنچی۔ جرنل چیٹوڈ نے پلٹن کو کئی بار جلد سے جلد حملہ کرنے کے لیے مراسلات بھیجے۔ ساتھ ہی اُسے شمالی سمت سے اپنے رسالے کو آگے بڑھنے کے لیے حکم دیا تھا۔ تاکہ غازہ کو جلد سے جلد فتح کر لیا جائے۔

پلٹن گہری دُھند کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکی۔ اور گو اُنہوں نے دُھندلی فضا کے دُور ہونے کا تقریباً دو گھنٹے انتظار کیا تھا۔ پھر بھی وہ المنتار (ALIMUNTAR) کے ٹیلے کے چھ ہزار گز کے قریب ۸ بجے صبح تک پہنچ گئے۔ المنتار کا حاصل کرنا اُن کا مقصد تھا۔ ادھر جرنل چیٹوڈ اپنے مقامی سپہ سالار جرنل ڈوبل کو جلد سے جلد روانہ کرنے کے لیے برابر درخواست کرتا رہا۔ آخر کار دوپہر کے وقت 53 ڈویژن (پلٹن) نے حملہ کرنا شروع کیا۔ اور چار بجے بعد دوپہر برطانوی پلٹن شہر کے گرد و نواح کے ٹیلوں پر قابض ہونے لگی۔ جرنل ڈوبل نے اُسی وقت پلٹن کے دُوسرے ڈویژن کو جو محفوظ تھا۔ اپنی اگلے پلٹن کے ڈویژن کو حملہ میں مدد دینے کا حکم دے دیا۔ اُدھر سے چیٹوڈ کے بھیجے ہوئے رسالے نے بہت ثابت قدمی سے آگے بڑھ کر پلٹن کا اس حملے میں

ہاتھ بٹایا اور تقریباً چھ بجے شام جبکہ ترکی مورچے کا بہت سا حصہ برطانوی فوج کے ہاتھ آچکا تھا۔ برطانوی فوج کے ماتحت سالاروں کو پیچھے ہٹ آنے کا حکم ملا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ جنرل ڈوبل اور چٹیوڈ نے مل کر یہ طے کیا تھا۔ کہ اگر غازہ شام تک فتح نہ ہو۔ تو لڑائی کو بند کر کے اپنے اپنے مرکزی اڈوں پر واپس آجانا چاہیئے۔ اس فیصلہ کی کچھ اور وجوہات بھی تھیں۔ یعنی :-

۱۔ چونکہ رسالے کے گھوڑوں نے تقریباً بیس گھنٹوں سے پانی نہیں پیا تھا اور اب اندھیرا ہو رہا تھا۔ لہٰذا چٹیوڈ نے رسالے کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔

۲۔ برطانوی فوج کے سپہ سالار کو ترکی کمک کے غازہ کے قریب آنے کی خبر مل چکی تھی۔ اس لیے اُس نے یہ مناسب نہ سمجھا۔ کہ اس کی فوج اجنبی زمین پر رات کے وقت آگے بڑھے اور عقب سے گھیرے میں آجائے۔ اس لیے مناسب یہی سمجھا گیا۔ کہ فوجوں کا پیچھے ہٹ جانا ہی بہتر ہوگا۔ خصوصاً جبکہ سپہ سالار اور پلٹن کے کمانڈر جنرل ڈوبل کو معلوم نہ تھا کہ اُس کی پلٹن نے باوجود مستحکم مورچہ اور خاردار باڑوں اور دشمن کی دلاوری کے المنتار کی گھاٹیوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ گو انہوں نے درحقیقت دشمن پر بہت ہی کاری ضرب لگا کر میدان مار لیا تھا۔ مگر عدم خبر رسانی کے باعث یہ محنت اکارت گئی۔ اور برطانوی فوج پیچھے ہٹ آئی۔

مفصلہ بالا بیان سے یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے۔ کہ برطانوی پلٹن نے حملہ کرنے میں دیر لگائی۔ مگر یہ خیال قابل غور ہے۔ کہ عموماً تماشہ بین یہ کہتے ہیں۔ کہ پیدل فوج کے کمانڈر مخصوصہ مورچے پر حملہ کرنے میں اس قدر دیر کیوں کرتے ہیں۔ یہ سوال درحقیقت اُن کی لاعلمی یا ناتجربہ کاری پر منحصر ہے۔ کیونکہ وہ بھول جاتے ہیں۔ کہ اجنبی زمین پر اور پھر دُھند میں بلا دیکھے بھالے خصوصاً بہادر دشمن پر حملہ کر دینا اپنی موت سے کھیلنا ہے۔

دُشمن کے مورچہ پر حملہ سے قبل ۱۔ کارگر حملہ کرنے سے قبل پیدل فوج کے چھوٹے سے چھوٹے سالار سے لے کر بڑے سے بڑے سالار تک اُس زمین کا جس پر کہ انہیں حملہ کرنا ہوتا ہے۔ دُوربینوں سے خُوب اچھی طرح سے معائنہ کرتے ہیں اور پھر پیش قدمی کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

۲۔ علاوہ ازیں بڑے سالار اپنے ماتحتوں کو اور یہ ماتحت اپنے ماتحتوں کو احکام جاری کرتے ہیں۔

۳۔ تار برقی، موٹر کے استعمال اور ہوائی نگار نویس اور اطلاعات کے باوجود پلٹن کو آخرکار پیدل چل کر حملہ کرنا پڑتا ہے۔

۴۔ ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رہے۔ کہ پیدل سپاہی کے اپنے جسم پر وردی اور اپنے ذاتی استعمال کے ہتھیاروں کے علاوہ خوراک پانی اور گیس سے بچاؤ کا سامان لدا ہُوا ہوتا ہے۔ یہ سب مل کر وزنی چیزیں بن جاتی

ہیں اور اس وزن کا اثر سپاہی کی نقل و حرکت کی طاقت اور رفتار پر پڑتا ہے۔

۵۔ اس کے ساتھ ساتھ پیدل فوج کے حملے کو کارگر بنانے کے لیے توپ خانوں، ہوائی جہازوں، رسالوں، ٹینکوں، محکمہ ہسپتال، سامانِ رسد و بار برداری غرض سب کا مکمل انتظام کرنا ہوتا ہے۔

۶۔ تعاونی مراسلات۔ تار برقی۔ ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعے سے پلٹن کے مختلف حصّوں اور مختلف فوجی شعبوں کو پہنچائے جاتے ہیں۔ ان سب کاموں میں وقت لگتا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ اگر سٹاف اور فوج کے سالار نہایت ہی اعلیٰ تربیت یافتہ ہوں۔ تو اس وقت میں کمی کی جا سکتی ہے۔ مگر عملاً یہ ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ کسی ملک میں کبھی بھی اتنی بڑی فوج نہایت ہی عمدہ سدھی ہوئی نہیں ہوتی۔ جو کہ عالمگیر جنگ یا عام جنگ چھڑنے پر اپنے ملک کی فوری حفاظت کر سکے۔

مالی صرفہ اس قدر بڑی فوج کو ہر وقت تیار رکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے ہر حکومت اپنی اپنی فوج کو جنگ چھڑنے کے امکانات پر بڑھانا شروع کرتی ہے۔ بالفاظ دیگر امن کے زمانے کی فوج ایک بڑے ڈھانچے کا کام دیتی اور اس ڈھانچے میں نئی بھرتی شدہ فوج گوشت پوست کا کام دے کر اپنے ملک کی حفاظتی جنگ لڑتی ہے۔

اس بحث سے سب سے اہم نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ ملک کے ہر دانشمند کو دفاعی سیاست اور فن حرب کا ماہر ہونا چاہیئے اور فن سپہ گری کو

سمجھنا ہر مسلم کے لیے لازم ہے۔ کیونکہ ہر تندرست مسلم پر جہاد فرض ہے۔

اسباق اس جنگ سے ہم یہ بھی سبق سیکھ سکتے ہیں۔ کہ خفیہ نگار اور محکمہ مراسلات کی نا اہلیت پر جنگ فتح سے شکست میں بدل جاتی ہے۔ اگر ترکی خفیہ نگار چوکس ہوتے۔ تو ان کی بے خبری میں برطانوی فوج غازہ کو گھیرے میں نہ ڈال سکتی اور نہ ہی لاپروائی سے ان کے جرنل معہ اپنے سٹاف کے پکڑے جاتے۔

برعکس اس کے اگر برطانوی ذریعہ مراسلات اچھا ہوتا تو برطانوی فوج کو کئی ہزار نفر کی قربانی نہ دینی پڑتی۔ جو کہ بعد ازاں اُن کو اسی غازہ شہر کے حاصل کرنے میں دینی پڑی۔ اس جنگ کے فیصلہ میں التوا برطانوی فوج کے خود بخود پیچھے ہٹنے سے ہُوا۔

برطانوی فوج کے کمانڈر کو نصف شب کے قریب یہ اطلاع ملی تھی۔ کہ اُس کی فوج نے المنتارہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ مگر اُس وقت تک اُس کی فوج کافی دُور پیچھے ہٹ چکی تھی۔ یعنی اس وقت تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ لہٰذا وہ بے بس ہونے کے باعث خاموش ہو گیا۔

ادھر ترکی فوج کو اللہ تعالےٰ نے غیبی امداد دی۔ یعنی ترکی فوج ایسے وقت پر اُس مورچہ پر معہ اپنی کمک کے دوبارہ پہنچی۔ جبکہ برطانوی فوج وہ جگہ چھوڑ چکی تھی۔

ہم اسے غیبی مدد اس لیے کہتے ہیں۔ کہ ترکی فوج کے سپہ سالار وان کریسنٹین کو ۲۶ مارچ ۸ بجے صبح خبر ملی کہ اُس کے دشمن نے غازہ

پر حملہ کر دیا ہے۔ لہٰذا اُس نے صرف اُس وقت غازہ کے قرب وجوار ہی کی فوجوں کو غازہ کی فوج کی کمک کے لیے جانے کا حکم دیا۔ مگر وہاں پر نہ صرف سلسلہ مراسلات خراب تھا۔ بلکہ ترکی حکام کی کاہلی اور کم نظری کی وجہ سے اس قدر تساہل برتا گیا۔ کہ نزدیکی مقامات کی فوجیں بھی شام کے وقت غازہ سے کہیں دُور تھیں اور اس لیے برطانوی فوج کا خود بخود پیچھے ہٹ جانا محض غیبی تھا۔

کچھ اور اسباق ہیں۔ جن پر تبصرہ کرنا لازمی ہے۔ ابھی تک جہاں ہم ذریعہ مراسلات اور طریقۂ حملہ پر کچھ لکھ چکے ہیں۔ وہاں پر ہم نے یہ بھی بتایا۔ کہ ایسی غلطیوں کا ہونا نہ ہونے سے زیادہ ممکن ہے۔ کیونکہ آغاز جنگ کے وقت طرفین فوجوں کا بہت بڑا حصہ ناتجربہ کار افسروں اور سپاہیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

جنگ پر طائرانہ نظر اب ذرا جنگ کے حالات کو پھر سے دیکھئے ادھر برطانوی سپہ سالار نے حاصل کی ہوئی فتح کو لاعلمی کی وجہ سے ہاتھ سے کھو دیا۔ ادھر ترکی کمک کے سپہ سالار وان کریسنٹین نے کمکوں کو آگے بڑھنے سے اس لیے روک دیا۔ کہ کہیں رات کے اندھیرے میں دشمن کے جال میں نہ پھنس جائیں اُدھر غازہ شہر کی فوج کے ترکی کمانڈر نے یہ خیال کر کے کہ غازہ تو ہاتھ سے جا چکا، اپنے آلۂ تار برقی کو تباہ کر دیا اور اس طرح سے وہ دُنیا سے بے خبر ہو گیا۔

ان واقعات سے کیا ہم یہ سبق نہیں سیکھ سکتے۔ کہ میدانِ جنگ میں سپہ سالار کو مایوسی یا خطرے سے ڈرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے اور اُمید کو اپنا مددگار رہنا چاہیئے۔ طرفین نے یہ غلطیاں اس لیے کیں کہ دونوں فوجوں کے سپہ سالار میدانِ جنگ سے دُور مقیم تھے اور مقامی حالات کی خبریں دیر سے ملتی تھیں۔ جمال پاشا بھی میدان سے دُور اپنے آرام دہ محلات میں مقیم تھا۔ برطانوی سپہ سالار جنرل مری قاہرہ میں مقیم تھا۔ خبریں اُن حالات میں اس کو بہت ہی دیر میں پہنچتی تھیں اور اس طرح سے اُسے وار آفس لندن سے دیر سے احکامات ملتے تھے۔ فوج کے سپہ سالار کو میدان جنگ سے قریب تر رہنا چاہیئے۔ تاکہ مراسلات جلد سے جلد اُس تک پہنچ جائیں۔ جن سپہ سالاروں نے ان وجوہات سے کہ اُن کی جان کو زیادہ خطرہ نہ ہونا چاہیئے اور اُن کو مقامات اثر پذیر ہونے سے بچنے کے لیے بھی میدان کارزار سے دُور رہنا چاہیئے اپنا وطیرہ بنایا۔ اُن کو آخر کار مُنہ کی کھانی پڑی ہے۔

منصوبے کو تکمیل دینے وقت، وقت کی طوالت نے کئی فاتحین کو شکست فاش کا مزہ چکھایا۔ ہر ایک سالار کو یہ لازم ہے کہ منصوبے کی تکمیل میں کم سے کم وقت صرف کرنے کی انتہائی کوشش کرے۔ آجکل لڑائیاں ایک نہایت وسیع میدان کارزار میں لڑی جاتی ہیں۔ اس لیئے تکمیل کار کے وقت کی کمی اور بھی ضروری ہوگئی ہے۔

اس زمانے میں تندرستی اتنی ہی لازمی ہے۔ جتنی کہ ایام ماضی

میں تھی۔ گو آجکل ہم پلٹن کو ہوائی جہاز۔ موٹر لاریاں، ٹینکوں پر سوار کرا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا سکتے ہیں۔ مگر آخری مرحلے پر سپاہی اپنے جسمانی اور دفاعی حالات کے صائب ہونے پر ہی فتح حاصل کر سکتا ہے۔ آخر کار مشین کو چلانے والا حوصلہ مند انسان ہونا چاہیئے۔ اُس کے اعصاب کی کمزوری سے مشین چلنے سے رُک سکتی ہے کیونکہ خطرہ کی صورت میں عصبی المزاجی غلط فیصلہ دلواتی ہے۔ لہٰذا جہاں مشین نے انسان کو مضبوط تر بنا دیا ہے۔ وہاں پر اُس کی عصبی المزاجی اس مشین کو ناکارہ بنا کر انسانی زیست کو اور بھی زیادہ خطرات میں ڈال دیتی ہے۔

ایک سوال سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ آخر کار برطانوی سپہ سالار جنرل مری نے غازہ کے بارے میں قاہرہ میں بیٹھے بیٹھے کیوں فیصلہ کیا اور وہ خود میدانِ کارزار کے قریب کیوں نہ آیا؟ حقیقت یہ ہے کہ جس زمانے میں جنرل مری نے یہ احکامات جاری کئے اُن ایام میں چند بہت اہم واقعات پیدا ہو چکے تھے مثلاً غازہ کے حملہ کے دو ہفتے قبل یعنی ۱۱ مارچ کو جنرل مارڈ نے بغداد کو فتح کر لیا تھا۔

اس کے علاوہ انہی ایام میں ترکی نے رُوس کے خلاف آرمینیا میں جان کی بازی لگا رکھی تھی۔ وار آفس لندن کا یہ خیال تھا کہ جنرل مری کے پاس پیدل سپاہ ترکوں سے کم از کم پچاس فیصدی زیادہ ہے۔

اور رسالہ تو کئی گنا زیادہ ہے اور برطانوی سپہ سالار کے پاس اپنے دشمن کے خلاف توپ خانہ اور اُس کے گولے بہت زیادہ ہیں۔ نیز جرنل مری اپنی فوج کی آگے بڑھنے کی خبریں برابر بھیجتا رہتا تھا اس لئے وہ اس بات پر مصر ہوا۔ کہ ترکوں کو جلد از جلد شکستیں دے کر میدان جنگ سے ہٹا دیا جائے۔ تاکہ اس کامیابی کا سہرا بجائے رُوس کے اُن کے سر پر ہو۔ اس وقت جرنل مری نے ملک کی فضائی دشواریوں کا صحیح اندازہ نہ لگاتے ہوئے تیز رفتاری سے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا اور خود اس لیے وہاں بیٹھا رہا۔ کہ اس قدر بڑے دفتر کو ایک دم کہاں لے جائے اور وہ بھی کیسے اور بات تو یہ ہے کہ آرام طلبی انسان کی فطری کمزوری ہے۔

غازہ کی اس شکست نے وار آفس کو سناٹے میں ڈال دیا۔ مگر پھر بھی انہوں نے جرنل مری کو دوبارہ آگے بڑھنے کے لیے حکم دیا اور اور جرنل مری نے اس بار نہ صرف بری فوج سے کام لیا بلکہ بحری فوج کے کئی بڑے جہازوں کو حکم دیا۔ کہ ساحل کے قریب ترین مورچہ پر بھاری توپوں سے آگ برسائیں۔

اُدھر ترکی فوج کو برطانوی سپہ سالار کے مقاصد کا پتہ چل گیا تھا۔ اور اُس نے بہت سرگرمی سے غازہ اور اس کے قرب وجوار کی حفاظت کرنے کی ٹھان لی۔

۷ اپریل کو برطانوی فوج نے حملہ کیا تھا۔ اور ۸ اپریل بعد دوپہر

جرنل ڈوبل کو جب یقین ہو گیا۔ کہ اب جنگ کو جاری رکھنا محض اپنی فوجوں کو دشمن کے بھینٹ چڑھانا ہے۔ تو اُس نے شام کے وقت اپنی فوجوں کو پیچھے ہٹا لیا۔ کیونکہ اُس وقت تک برطانوی فوج کے کئی ہزار سپاہی ہلاک یا زخمی ہو چکے تھے۔

برطانوی سپہ سالار کی سبکدوشی اس جنگ میں ناکامی کے باعث لندن کے دارآفس نے جرنل مری کو سپہ سالاری سے سبکدوش کر دیا اور اُس کے ساتھ جرنل ڈوبل کی جگہ جرنل چلیوڈ متعین ہوئے۔

جرنل ایلبنی جرنل ایلبنی جیسے ہی جرنل مری کی جگہ سپہ سالار ہُوا تو اُس نے پہلے کاموں میں سے ایک یہ کام کیا۔ کہ اپنا ہیڈ کوارٹر قاہرہ سے رافعہ (RAFA) کے قریب لے گیا۔ تاکہ میدانِ کارزار سے قریب تر ہو جائے۔ اُس کے ساتھ ساتھ اس نے تمام افواج کو پھر سے منظم کیا۔ ان کو فنون حرب بھی سکھلانا شروع کئے۔ یعنی کبھی تو خالی لمبے لمبے گشت کے دوروں پر اُن کو بھیجا۔ کبھی اُن کو دشمن پر چھاپے مارنے کا حکم دیا۔ انتظام نقل و حرکت کو بہتر بنایا۔ سامانِ رسد و حرب مناسب جگہوں پر جمع کیا۔ یہ وہی طریقے تھے۔ جو آنحضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سو برس قبل اپنے مجاہدین کو جنگِ بدر سے پہلے تیار کرنے میں استعمال کئے تھے۔

دفاعی تاریخ کا مطالعہ جرنل ایلبنی صاحب بصیرت اور بہت

عالم تھا۔ وہ ہر روز کئی گھنٹے فن حرب کی کتابوں کا میدانِ جنگ میں بھی مطالعہ کرتا تھا۔ لہٰذا کوئی تعجب نہیں ہے کہ اُس نے بھی نپولین کی طرح سے آنحضرتؐ کے دفاعی اصولوں پر کامیابی سے عمل کیا۔ ان نظامی اور تربیت کی کارروائیوں کے ساتھ اُس نے خود اُس ملک کا دورہ کیا۔ اور میدانِ جنگ کے فضائی حالات کا بالکل اُسی طرح سے معائنہ کیا جس طرح سے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جنگ بدر، اُحد، حدیبیہ یا فتح مکہ وغیرہ سے قبل کرتے رہے تھے۔

اس دورے اور معائنے کے بعد اُس نے اپنا دفاعی منصوبہ بنایا۔ اور اس میں بھی اس نے اچانک حملہ اور اچانک حملے کے مخصوصہ مقام پر زیادہ سے زیادہ فوج کا اجتماع اس طرح سے کیا۔ کہ اُس کے دشمن ترکوں کو اس کا علم تک نہ ہوا۔ ان گشتوں اور خارتگری سے ترکوں کو یہ اندازہ نہ ہو سکا۔ کہ جرنل ایلنبی کیا کرنا چاہتا ہے۔ جس طرح سے آنحضرت صلعم کی بدر کی طرف یورش کو قریش ان کے قافلے کو لوٹنے کا سبب سمجھے اور خود بخود آنحضرتؐ کے چُنے ہوئے میدان میں اپنے آپ کو تباہ و ہلاک کرنے آ گئے۔ اس طرح ترکوں نے کئی بار ایلنبی کی دفاعی چالوں میں پھنس کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا۔

برطانوی پراپیگنڈہ ایک امر جو کافی دلچسپی کا باعث ہے۔ وہ یہ ہے کہ برطانوی پراپیگنڈہ مشین نے بہت ہی قابلیت کا ثبوت دیا۔ کہا جاتا ہے کہ فلسطین میں ایک پرانی روایت

مشہور تھی۔ کہ اللہ تعالےٰ کے حکم سے ایک نبی پیدا ہوگا۔ جو دریائے نیل کا پانی فلسطین کے ملک میں لے آئے گا۔ اور اُس وقت فلسطین کو ترکی حکومت سے نجات مل جائے گی۔ لہٰذا جرنل ایلنبی کا عربی ترجمہ "اللہ آن نبی" یعنی اللہ کا نبی کیا گیا اور اس امر کو عربوں میں خوب مشہور کیا گیا۔ اور عربی زبان کے بہت فاضل انگریز تمام عرب علاقے میں بھیج دیئے گئے۔ تاکہ عربوں کو ترکوں کے خلاف جنگِ آزادی کے لیے تیار کریں۔ کرنل لارنس اُن میں سے ایک تھا۔ یہ بھی ایک پرانی چال تھی۔ جو اسلام کے مخالفین آنحضرتؐ کے زمانے سے اسلامی حکومت کے خلاف استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔

سپہ سالار کا محاذ پر رہنا لازمی ہے

چونکہ جرنل مری کے اُصول کے برخلاف جرنل ایلنبی محاذ پر خود موجود تھا۔ اور گشت لگا کر حالات کا خود اندازہ لگاتا رہا۔ لہٰذا ہر ایک کام بہت خوش اسلوبی اور پابندیٔ وقت سے پُورا ہوتا چلا گیا۔ سپہ سالار کی میدانِ جنگ میں موجودگی اور ہر قسم کے کام کی دلچسپی نے سپاہیوں کے دلوں میں نئی رُوح ڈال دی اور ان کا عزم و حوصلہ بہت بلند ہوگیا۔

جب ہم پاکستان کے برطانوی کمانڈر انچیف جرنل گریسی کے طرزِ عمل کا جرنل ایلنبی یا دیگر نامور سپہ سالاروں سے مقابلہ کرتے ہیں تو جرنل گریسی کے طرزِ عمل کو اس کے متضاد پاتے ہیں۔ مثلاً جب کشمیر

میں لڑائی شروع ہوئے دو سال ہو گئے تھے۔ پھر بھی یہ جرنل اور اس کا جرنل سٹاف راولپنڈی سے نکل کر دریائے جہلم کے پار تک نہ گیا۔ ایسی حالت میں کشمیر کے حالات کی خرابی تعجب خیز نہیں۔

ترکوں کی حالت ۱۹۱۷ء کے آغاز سے بہت خراب ہوتی چلی جا رہی تھی۔ ہم اس امر کا ذکر کر چکے ہیں۔ کہ ۱۹۱۶ء کے نصف سے ہی ترکی بچے کھچے اعلیٰ پیمانہ کے سپاہی جرمنی کے کہنے پر روس اور رومانیہ کے خلاف لڑائی لڑ رہے تھے۔ کوہ قاف کی سردی نے ترکی سپاہیوں کو بے حد نقصان پہنچایا کیونکہ نہ تو ان کے تن پر کپڑا تھا اور نہ ہی پیٹ بھر کر کھانے کے لیے روٹی۔ اس کے علاوہ اس محاذ پر سامانِ حرب حکام کی باہمی کشیدگی اور حسد کے باعث بہت بے قاعدگی کے ساتھ بھیجا گیا۔

عراق میں ترک اسی زمانے میں عراق میں ترکی فوج کو بہت بھاری شکستیں اٹھانی پڑیں۔ فلسطین میں بھی ترکی فوج پیچھے ہٹتی جا رہی تھی۔ حجاز میں ترکی فوج جو مکہ معظمہ کو دوبارہ فتح کرنے اور عربی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے گئی تھی۔ بالکل ناکام رہی۔ شاہ فیصل کی فوج آگے کی طرف پیش قدمی کر رہی تھی۔ یعنی مکہ معظمہ اور بغداد تو ترکی حکومت کے دشمنوں کے ہاتھ آ ہی چکے تھے۔ مدینہ انہی ایام میں محصور ہو چکا تھا اور یروشلم بہت خطرے میں تھا۔ گو مارچ ۱۹۱۷ء میں روسی زار کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

اور غازہ کا شہر فوری خطرے سے کسی قدر محفوظ تھا۔ مگر پھر بھی خلیفۃ المسلمین کے عہدے کو جو اس ترکی حکومت کے ہاتھ میں تھا۔ مقدس مقامات کے ترکوں کے ہاتھ سے چلے جانے یا بہت نازک حالات میں ہونے کے باعث سخت صدمہ پہنچا۔ اور ترکی حکومت کا وقار رعایا اور مسلمانوں کے دلوں میں کم ہو چکا تھا۔

تُرکی حکام میں ناچاقی

چونکہ ترکی حکام کے درمیان آپس میں بہت کش مکش تھی۔ اور ترکی حکام اور جرمنی مشن کی فوجی مشن میں بھی یکجہتی نہ تھی۔ اس پر طرفہ یہ کہ جرمنی کے سیاسی محکمۂ خارجہ اور جرمنی کے فوجی مشن میں بھی دوستی نہ تھی۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے جرمنی ہائی کمانڈ نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ ترکی محاذ کے حالات کو بہتر بنایا جائے۔ اگست ۱۹۱۶ء میں جبکہ جرمنی افواج کو ورڈون کے محاذ پر شکست ہوئی اور رومانیہ اور برطانیہ کے اتحادیوں کے ساتھ مل گیا۔ تو جرمنی کی حکومت نے اپنے سپہ سالار جرنل وان فالکہنن کو برطرف کر کے اس کی جگہ جرنل ہنڈنبرگ کو یورپی محاذ کی افواج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ لیکن بعد میں جرنل فالکہنن کو مشرقی محاذ پر بطور سپہ سالار مقرر کیا۔ تاکہ وہاں کے حالات کو درست کر کے برطانوی افواج کو ترکی ممالک میں سے نکال دے۔

تُرکی کا دفاعی منصوبہ

جرنل فالکہنن (VON FALKENHAYN) ایک مدبر اور بہت ہی قابل فوجی سالار تھا۔

جس نے میدان جنگ میں کئی برس برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کو شکستیں دی تھیں۔

یہ جرنل مئی ۱۹۱۷ء میں قسطنطنیہ پہنچا اور دفاعی منصوبہ بنانے سے پہلے اس نے عراق، شام اور فلسطین کا دورہ کیا۔ وہاں پر وہ مقامی سپہ سالاروں سے ملا اور ان سے تبادلہ خیالات کیا۔ پھر اس نے نیا دفاعی منصوبہ تیار کر کے برلن بھیجا۔ جسے کچھ معمولی تبدیلیوں کے بعد منظور کر لیا گیا۔ مگر یہ منصوبہ تیار کر کے برلن بھیجا۔ جسے کچھ معمولی تبدیلیوں کے بعد منظور کر لیا گیا۔ مگر یہ منصوبہ تیار کرتے وقت جرنل فالکنہن نے گو غازی انور پاشا کی منظوری تو لے لی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے اکثریت رکھنے والے ترکی افسروں پر پوری توجہ نہ دی اور ان کے احساسات کو ٹھیس لگاتے وقت اس نے یہ خیال نہ کیا۔ کہ وہ ترکی افسروں اور ترکی فوج کی سپہ سالاری کر رہا ہے۔ اور جرمنی کے معاونی دستے بہت ہی تھوڑی تعداد میں ہیں۔ اس غفلت کے نتیجے کا ہم بعد میں ذکر کریں گے۔

غازی انور پاشا نے اس دفاعی منصوبے کا نام ایلدرم (YILDERIM) یعنی بجلی رکھا۔ مگر یہ حالات کے بالکل برعکس تھا۔ بہ الفاظ دیگر برعکس نہند نام زنگی کافور۔ اور اس پر عمل شروع ہی ہوا تھا کہ اس منصوبے کی نقل برطانوی اتحادیوں کے ہاتھ مقامی غداروں کی مدد سے پڑ گئی۔ یہ قدرتی امر ہے کہ اس کا اثر تقریباً آغاز سے ہی زائل ہو گیا۔

اس ترکی منصوبہ کے تحت ایک نئی کمک تیار کی گئی جس کے عناصر یہ تھے:-

(ا) ترکی کے دو کور جو رومانیہ اور روس کے خلاف لڑ رہے تھے۔

(ب) جرمنی فوج کا امدادی دستہ۔ اس میں پلٹن۔ رسالہ۔ مشین گن بٹالین۔ توپ خانہ۔ ہوائی جہاز شکن توپیں اور ہوائی دستے بھی تھے یعنی یہ کافی زبردست کمکی دستہ تھا اور اس کا نام "پاشا ثانی" رکھا گیا۔

اس ملی جلی فوج کو ساتویں آرمی کا نام دیا گیا اور اس کی سپہ سالاری غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے سپرد کی گئی۔ مگر کمال پاشا نے چند ہی روز کے بعد اس عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ کیونکہ اس نے جرمنی فوج کی برتری اور اپنی فوج کی کمتری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ساتھ ہی اندرونی نظامی حالات کے ناخوشگوار ہونے نے بھی اس کے اس ارادے کو مستحکم کر دیا۔ کمال پاشا کی جگہ فوزی پاشا کو مقرر کیا گیا اور اس منصوبے کے تحت اس فوج کو ایلیپو (ALEPPO) یعنی حلب پر متعین کرنے کا فیصلہ ہوا۔ تاکہ یہ کمک عراق اور فلسطین کے محاذوں پر مناسب جنگی کارروائی کر سکے۔ اس منصوبے کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ اس فوج کا سپہ سالار برائے نام تھا۔ اور درحقیقت اس فوج کی جنگی کارروائی کا کرتا دھرتا جرمن سٹاف تھا۔ جو ترکی افسر اس آرمی کے ہیڈ کوارٹر سٹاف میں متعین ہوئے۔ وہ بہت ہی جونیئر اور ناتجربہ کار تھے۔ لہٰذا سب کارروائی جرمن افسروں کے ہاتھ میں تھی۔

جرنل فالکنہن اور انور پاشا کی کمزوری

ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے۔ کہ ترکی کے پاس ایک بہت واقف کار اور قابل جرمن فوجی مشن تھا اور اس کا رہبر جرنل وان سانڈرس تھا لیکن غازی انور پاشا اور جرنل فالکنہن نے اسے نہ تو پوچھا اور نہ ہی اس سے کوئی مشورہ لیا۔ جرمنی کا یہ فوجی مشن کئی سال سے ترکی میں تھا اور ملک کے نظام اور حالات سے خوب واقف تھا۔ لیکن ان کے تجربہ سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا گیا۔ مثلاً اس دفاعی منصوبے کی جان اور انحصار جرمنی کے نظامی طریقوں پر تھا۔ مگر یہ حالات اس ملک میں عنقا تھے۔ رشوت اور نااہلیت نے حکومت کی بنیاد کو کھوکھلا کر دیا تھا۔ دفاعی نقل و حرکت کے لیے تو کافی باربرداری ترکوں کے پاس تھی اور نہ ہی سڑکیں یا ریل گاڑیاں اس کام کی امداد کے لیے موجود تھیں

ترکی دفاعی منصوبے کا راز فاش ہو چکا تھا

بالفاظ دیگر جہاں برطانوی فوج کے سپہ سالار عراق اور فلسطین میں نہایت ہمت اور قابلیت سے اپنے منصوبوں سے عمل کر رہے تھے۔ وہاں پر ترکی کی افواج میں حالات ہر طرح سے غیر تسلی بخش تھے۔ مگر بحیثیت دفاعی منصوبہ جو کہ کاغذ پر تیار کیا گیا۔ وہ بہت اعلےٰ تھا اور اس پر کامیابی سے عمل ہو سکتا تھا۔ تو بہت ممکن تھا۔ کہ اگر برطانوی سپہ سالار کو شکست نہ بھی ہوتی۔ تو کم از کم جنگ کا فیصلہ بہت التوا میں پڑ جاتا۔ کیونکہ اب

برطانوی کما نڈر ریسی چال چلنے کی فکر میں تھا۔ جسے مات کرنے کی تجویز جنرل فالکنہن نے کرلی تھی۔ لیکن ترکی فوج اپنے دفاعی منصوبہ پر کامیابی سے اس لیے عمل نہ کرسکی۔ کیونکہ آغاز ہی سے اس ترکی منصوبہ کا راز فاش ہوگیا تھا۔ مگر ترکوں کو اس کا علم نہ تھا۔ ٹھیک اسی طرح جنرل گریسی نے کشمیری مجاہدین کے مقابلہ میں ان کی تمام مجاہدانہ اور دفاعی نقل و حرکت کو اپنے انگریز دوست جنرل بوشر (BOUCHER) پر فاش کرکے کشمیر کو بھارت کے قبضے سے نکلنے نہ دیا۔

ترکی منصوبہ پر عمل نئی ساتویں آرمی کو ایلیپو (ALEPPO) میں فوراً جمع ہونے کا حکم دیا گیا تھا تاکہ بغداد کو دوبارہ جلد سے جلد فتح کرلے۔ یہ فوج ستمبر میں حیدر شاہ ریلوے اسٹیشن کے پاس جمع ہوئی۔ اور نومبر تک وہیں ٹھہری رہی۔ اور جب وہاں پہنچی بھی تو آدھی اور کافی نہ تھی۔ کیونکہ اس فوج کے کافی اہم حصے ابھی اپنے اپنے پرانے ٹھکانوں پر تھے۔ ان حالات کی مشکلات نے جنرل فالکنہن کو بہت بے دل کردیا۔ اس پر طرہ یہ ہوا۔ کہ فلسطین سے ترکی فوج کی بے بسی اور ابتر حالات کی خبریں آنے لگیں اور جنرل فالکنہن کو شک پڑنے لگا۔ جہاں کی فوج برطانوی پیش قدمی کو نہ روک سکے گی۔ لہٰذا اس نے ان حالات میں مناسب یہی سمجھا۔ کہ بغداد کو دوبارہ فتح کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

اختلاف رائے وزیر دفاع غازی انور پاشا میدان جنگ کی افواج

کے سپہ سالار جمال پاشا اور فالکنہن سب کے سب مختلف رائے رکھتے تھے۔ مثلاً غازی انور پاشا بغداد کو فوراً دوبارہ فتح کرنا چاہتا تھا۔ اور اس مہم کو ارضی طور سے بھی التوا میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا مگر جمال پاشا فلسطین کے محاذ پر کسی قسم کی مداخلت کو گوارا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ گو وہ مزید کمک مانگ رہا تھا۔ لہٰذا وہ ایلدرم فوج اور جرمن جنرل سالار کے اُس محاذ پر آنے کے خلاف تھا۔

جرمن کی عظیم غلطی

ادھر فالکنہن مصر تھا کہ پہلے برطانوی فوج کو جو فلسطین میں ہے۔ تباہ کر دیا جائے اور پھر بغداد کی مہم کا خیال کیا جائے۔ لہٰذا اُس کا منصوبہ یہ تھا۔ کہ تمام ایلدرم فوج کو فلسطین فوراً بھیج کر برطانوی فوج پر جوابی حملہ کر کے اُسے فلسطین سے نکال دیا جائے۔ اس بار بھی جنرل فالکنہن نے اپنی پہلی غلطی یعنی ایلدرم فوج کو ایلیپو میں جمع کرنے کو دوہرایا۔ کیونکہ معلوم نہیں کیوں وہ اس امر کا صحیح اندازہ نہ لگا سکا۔ کہ وہ اُس ترکی علاقے میں ہے۔ جہاں سلسلۂ ذریعہ نقل و حرکت بہت ہی خراب ہے۔ اور وہاں پر یورپ کی طرح سے اعلےٰ پیمانے کی ریل سڑکیں اور موٹروں کی سڑکیں نہیں ہیں۔ بدقسمتی سے وہ یورپ کی لڑائی کے انتظامات کے خواب دیکھ رہا تھا۔ جہاں اُس کے حکم سے ہزارہا تعداد میں فوج مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کے محاذ پر ریل گاڑیوں کی مدد سے چند گھنٹوں کے عرصے میں جمع کی گئی تھی۔

اگر انور اور جرمن جرنل نے اس ملک کا دفاعی جغرافیہ پڑھا ہوتا۔ تو یہ دونوں اس قدر عظیم ترین دفاعی غلطی کر کے ترکی فوج کو برباد نہ کر دیتے۔

انور کی اخلاقی کمزوری

آخر کار غازی انور نے جرنل فالکنہین کا دفاعی منصوبہ مان لیا۔ مگر اس کی پیروی کرتے وقت انور نے بہت ہی اخلاقی کمزوری کا اظہار کیا۔

سیاست سے سٹریٹیجی کا تصادم

اگر ہم یہ مانتے ہیں۔ کہ اس کے سامنے بہت ہی پیچیدہ مسئلہ تھا یعنی ایک طرف تو وہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے دشمن کے خلاف قابل ترین سپہ سالار بھیجے۔ اور دوسری طرف سیاسی اور دیرینہ تعلقات اس تجویز کو عمل میں لانے کے سدراہ تھے۔ غازی انور پاشا مصطفےٰ کمال کو پہلے ناراض کر چکا تھا۔ جمال پاشا ترکی کی ینگ پارٹی کا بااثر ممبر تھا اور جمال مشرق بھی تھا۔ مگر جرنل فالکنہین کے مقابلے میں بہت ادنےٰ قسم کا سالار تھا۔ لہٰذا فیصلہ اگرچہ آسان تھا۔ مگر اس پر عمل کرنا بہت پیچیدہ تھا۔ غازی انور نے سیاسی حالات کو غلبہ پانے دیا۔ اور اس نے فلسطین کی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا یعنی وہ افواج جو فلسطین کے جنوبی حصے میں اور بحیرۂ مردار کے مشرب میں تھیں، یلدرم فوج کے ساتھ شامل کر دی گئیں یہ متفقہ فوج جرنل فالکنہین کے

کے ماتحت کر دی اور شام اور حجاز کے ممالک کی افواج کی سپہ سالاری جمال پاشا کے سپرد کر دی گئی۔

انور کا پس و پیش یہ فیصلہ اعتدال پسند اور صائب نہ تھا۔ کیونکہ ایلدرم فوج کا سلسلۂ آمد و رفت سب جمال پاشا کے علاقے میں سے تھا۔ اور اس فوج کے لیے کمک اور سامانِ حرب و رسد صرف اس علاقے میں سے ہی جا سکتا تھا۔ بدقسمتی سے جمال پاشا نے کینہ پروری سے کام لیا۔ اور ملک کے مفاد و حفاظت کو بھلا دیا۔ جمال پاشا کو رنج یہ تھا۔ کہ جرمن افسر کو اس کے سر پر لا کر بحیثیت سپہ سالار بٹھا دیا ہے۔ گو غازی انور پاشا نے اسے نہ صرف حجاز و شام کی فوجوں کا اعلےٰ سالار ہی مقرر کیا۔ بلکہ اسے گورنر کا عہدہ بھی عطا کیا۔ مگر یہ سلوک نہ تو جمال کے غصے کو ٹھنڈا کر سکا۔ اور نہ ہی قومی خطرے کے سامنے اس کے تکبر اور کینہ کو دور کر سکا۔ اس کے علاوہ وہ اس بات پر بہت ناراض تھا کہ غازی انور نے کرنل وان کرپس کریسنٹین کو آٹھویں آرمی کا اعلیٰ سالار مقرر کر دیا۔

رشوت پرستی اس تبر کی حکام کی رشوت پرستی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور یلدرم فوج کے بہت بڑے سامانِ حرب کے ذخیرے کو برطانوی جاسوسوں نے روپیہ کے لالچ سے حیدر پاشا شہر میں آگ لگوا کر برباد کر دیا!

ترکی نظم کی کمزوری

انہی انتظامات میں اگست کا سارا مہینہ گزر گیا اور وسط ستمبر میں ساتویں آرمی کو ایلیپو سے فلسطین کی طرف بھیجا گیا تاکہ وہ برشیبا کے پاس جمع ہو جائے۔ اور پھر اس آرمی کی مدد سے برطانوی فوج کے میمنہ پر حملہ کر کے اسے مصر کی طرف دھکیل دیا جائے۔ مگر ابھی ترکی آرمی ابھی راستے میں منزلیں طے کر رہی تھی کہ جرنل ایلنبی نے ترکی فوج کے سپہ سالار کے دفاعی منصوبے کو پیش قدمی کر کے خاک میں ملا دیا۔ اور اس طرح سے جرنل ایلنبی نے نہ صرف فلسطین کے محاذ کو محفوظ کر لیا۔ بلکہ اس دفاعی منصوبے کے باعث بغداد کسی قسم کی لڑائی کے بغیر خطرے سے نکل گیا۔ سیاسی پیچیدگیوں باہمی رنجشوں اور عدم اعتماد نے سب کام میں اس قدر التوا کر دیا۔ کہ ترکی فوج کا سپہ سالار اور اس کا سٹاف ابھی راستے کی منزلیں ہی طے کر رہا تھا۔ کہ اسے خبر ملی۔ کہ برطانوی فوج نے تلہ بول دیا ہے

جرمن جرنل سٹاف میدان جنگ سے دور

یہ واقعہ ہمارے اس بیان کی زبردست دلیل ہے کہ سپہ سالار کو محاذ کے قریب ترین ہونا چاہیئے۔ آپ کو یاد ہوگا۔ کہ جرنل ایلنبی نے کمانڈ لینے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا۔ کہ خود میدان جنگ کے قریب پہنچ گیا اور مصری محاذ کے تمام سٹاف کو قاہرہ کے آرام دہ ہوٹلوں میں سے نکال کر صحرا کے

ریگستان میں لے گیا۔ اس طرح سے نہ صرف وہ تمام حالات کا صحیح اندازہ لگا سکا۔ بلکہ اُس کا جرنل سٹاف موقع پر ہونے کی وجہ سے سب دشواریوں سے آگاہ تھا۔

جرنل فالکنہن نے صحیح طریقہ سے کام شروع کیا۔ یعنی دفاعی منصوبہ بنانے سے پہلے محاذ پر خود گیا۔ لیکن اس کے بعد مختلف وجوہات کے باعث استنبول میں ٹھہرا رہا۔ اس کے علاوہ جرنل فالکنہن نے اپنے ملک کے فوجی مشن کے لیڈر وان ڈرگالٹز سے کسی قسم کا اصلاح مشورہ لینا گوارا نہ کیا۔ اسی وجہ سے وہ اُن تمام دشواریوں کا صحیح اندازہ نہ لگا سکا جن کی وجہ سے پہلے جرنل وان ڈرگالٹز ناکام رہا تھا۔ لہٰذا اب اُسے بھی اپنی چال کے مات ہونے کا صدمہ اُٹھانا پڑا۔

ہم جرنل فالکنہن کو قسطنطنیہ میں ٹھہرنے کا مجرم قرار نہیں دیتے کیونکہ اس التوا کا باعث غازی انور پاشا تھا جس کی فن حرب کی کم نظری نے اُسے نازک موقع پر دھوکا دیا۔ کیونکہ اگر جرنل فالکنہن کے دفاعی منصوبے پر کچھ ہفتے پہلے عمل درآمد ہو جاتا۔ تو کم از کم یہ ضرور ہوتا۔ کہ جرنل ایلنبی کے دفاعی منصوبہ کو اگر مات نہ بھی ہوتی تو بھی اُس کی کامیابی اس قدر آسان اور فیصلہ کن نہ ہوتی۔

اب آپ کشمیر کے محاذ پر برطانوی جرنل گریسی اور دیگر برطانوی جرنلوں کے طرز عمل کو جانچ سکتے ہیں۔ کہ جرنل گریسی اور اس کے

برطانوی جنرل محاذ جنگ کی بجائے راولپنڈی کے آرام دہ بنگلوں اور ہوٹلوں میں مقیم تھے جبکہ وہ یہ خوب جانتے تھے کہ مجاہدین کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کے لیے رسل و رسائل کے سلسلے یعنی ٹیلیفون، وائرلیس اور سڑکیں تمام ہی مفقود تھے۔ خاصکر جب جرمن سپہ سالار اور جرمن جنرل سٹاف کا بیدار مغز برطانوی جنرل ایلنبی کے طرز عمل سے مقابلہ کرتے ہیں۔

جنرل ایلنبی اور اُس کے مشیر

جنرل ایلنبی نے کمانڈ لینے کے بعد برطانوی فوج کے قائم مقام سپہ سالار جنرل چٹیوڈ کے پیش قدمی کے دفاعی منصوبہ کو جانچا اور اُسے جب پسند کیا۔ تو اُس پر عمل کیا اور وہ منصوبہ یہ تھا۔ کہ ترکی محاذ کے میسرہ کو برشیبا کی طرف سے اُلٹ کر ایک قالین کی طرح سے غازہ کی طرف لپیٹتے ہوئے ساحل کی طرف لے جانا چاہیئے۔ اس طرح سے برشیبا کے حاصل ہونے سے اُس علاقے کے پانی کے تمام بڑے خزانے پر برطانوی فوج کا قبضہ ہو جائے گا۔

برشیبا پر برطانوی حملہ

تیسری بار ۳۱ اکتوبر کو برشیبا پر برطانوی فوج کے رسالے اور پیدل فوج نے دھاوا بول دیا۔ گو لڑائی سخت ہوئی۔ مگر ترکی فوج کو برشیبا اور غازہ سے پیچھے ہٹنا پڑا۔

وان کریسنیٹن اپنی سوانحعمری میں لکھتا ہے۔ کہ "ترکی فوج میں غذا

اور سامانِ حرب کی بہت کمی ہوگئی تھی۔ موسم کی خرابی کی وجہ سے انسانوں اور جانوروں میں بیماریاں پھیل گئی تھیں۔ اور باربرداری کے جانور اس قدر کم تھے۔ کہ توپوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ناممکن تھا۔ اسی وجہ سے برطانوی فوج کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا محال تھا۔" اور یہ سب حالات ترکی حاکموں کی باہمی کشیدگی کی وجہ سے تھے۔

جرنل ایلینبی کا دفاعی منصوبہ

پیدل فوج جرنل ایلینبی کا دفاعی منصوبہ یہ تھا۔ کہ برطانوی پیدل پلٹن کے دو ڈویژن تو شہر برشیبا کے جنوب مشرق کی طرف سے حملہ کریں۔ اور شتر سواروں کا بریگیڈ اونٹوں پر وادی صبا کی جانب سے ان کے میسرہ کی طرف آگے بڑھے۔ ایک ڈویژن پیدل کو صرف اس کام پر متعین کیا گیا۔ کہ برطانوی حملہ آور فوج کے میسرہ کی حفاظت کرے۔ اس طرح سے ترکوں کی فوج کی سب توجہ برطانوی پیدل فوج کی طرف کرکے برطانوی رسالے کے ڈویژن کو حکم دیا گیا تھا۔ کہ وہ برشیبا کی شمال مشرق کی طرف نشیب و فراز والی زمین کی آڑ سے فائدہ اٹھا کر شہر خالاسا (KHALASA) سے گزر کر وادی اسلوج (ASLUJ) میں سے ہوتے ہوئے جب تقریباً تیس میل آگے بڑھ جائیں۔ تو پھر بائیں جانب چکر لگا کر شہر برشیبا کے عقب میں حملہ

کر کے شہر کے تمام کنوؤں پر قابض ہو جائیں۔ یہ تیس میل کا کوچ
اُن کو رات بھر طے کرنا تھا تاکہ صبح کے وقت جب شہر کے لوگ
جاگیں۔ تو برطانوی رسالے والے اُن کا سواگت کریں۔ اس
دفاعی چال سے نہ صرف دشمن کے پانی کے خزانہ پر قبضہ کرنا
مقصود تھا۔ بلکہ دشمن کے عقب کا راستہ بند کرنا بھی تھا۔ تاکہ
ترکی فوج نہ تو ہبرون کی طرف بچ کر نکل سکے اور نہ ہی اُس کو کسی
قسم کی کمک سے مدد مل سکے۔

برطانوی رسالہ ایک مؤنٹڈ (MOUNTED) یعنی اسپ سوار
پلٹن (MOUNTED INFANTRY) برگیڈ
کو یہ کام سونپا گیا۔ کہ رسالے اور پلٹن کے خلا کے درمیان آگے بڑھے
تاکہ دشمن کی سوار فوج برطانوی فوج کے حصّوں کے درمیان میں
سے گذر کر حملہ نہ کر سکے۔ اور اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ باہمی
ملاپ کے قائم ہونے سے رسالہ اور پلٹن ایک دوسرے کی نقل و
حرکت سے باخبر رہ سکیں۔

شُتر سوار رسالہ اس کے ساتھ ساتھ برطانوی فوج کے معاون
عرب شُتر سواروں کو غارت گری کی غرض
سے برطانوی رسالے کے کہیں دُور آگے شمال کی طرف بھیجا۔ تاکہ
ہبرون (HEBRON) سڑک پر بئر شیبا کے عقب میں غارت گری
کر کے دہشت پھیلا دیں۔ اور اس طرح سے دشمن کی کمک کو یہ عربی

غارت گر اپنی طرف متوجہ کر کے اُن کو برشیبا کی طرف بڑھنے سے روک دیں۔ اس عربی شتر سوار دستے نے بہت نمایاں کام کیے۔ اور ترکی سپہ سالار کو نہایت ہی شش و پنج میں ڈال دیا یہ عرب شتر سوار وہ لوگ تھے جنہوں نے ترکی حکومت کے خلاف بغاوت (جسے وہ جہاد کے نام سے پکارتے) کر رکھی تھی۔ اس طرح سے جنرل ایلنبی نے معینہ مقام پر اپنے دشمن کے خلاف ہر قسم کا ملا جلا ایک بہت زبردست فوجی دستہ حملہ کرنے کے لیے جمع کر لیا۔ اور اس فوجی اجتماع کو اُس نے بہت ہی چالاکی اور عقلمندی سے چھپایا۔ یعنی جو دستے اُس نے غازہ کے محاذ سے برشیبا کے محاذ پر بھیجے۔ اُن کے خیمے وہیں کے وہیں نصب رہنے دئے۔ بلکہ اور نئے خیمے کھڑے کئے گئے۔ تاکہ ترکوں کے ہوائی جہازوں کو یہ خیال پیدا ہو۔ کہ اب تیسری بار جو غازہ پر حملہ ہونے والا ہے۔ وہ پہلے کی طرح سے ہوگا۔ لہٰذا نئی کمک وہاں بھیجنے کی جا رہی ہے۔

تُرکی کمک جو کمک قسطنطنیہ سے بھیجی گئی تھی۔ وہ راستے کی دشواریوں اور ترکی افسران کی نا اہلیت کی وجہ سے میدانِ جنگ تک نہ پہنچی اور راستے میں رُکی رہی اور ترکی سپہ سالار بذاتِ خود یکم نومبر کو یروشلم میں پہنچا۔ یعنی جبکہ میدانِ جنگ میں گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ اور وہ اس محاذ سے کہیں دُور تھا برعکس اس کے برطانوی سپہ سالار عین میدان میں خود موجود تھا۔

جرنل ایلنبی میدانِ جنگ میں

جرنل ایلنبی نے ظہر کے وقت یہ دیکھا۔ کہ برشیبا کے کنوؤں پر ابھی تک برطانوی فوج نے قبضہ نہیں کیا ہے۔ تو اُس نے فوراً یہ حکم دیا۔ کہ عام رواجی احتیاط برتی جائے یعنی لکیر کے فقیر بن کر لڑائی نہ لڑی جائے اور رسالے کے سالار کو خطرے کو مول لیتے ہوئے بیباکی اور دلیری سے آگے بڑھنا چاہیئے۔ لہٰذا اس حکم کی تعمیل میں رسالے کے افسر اعلےٰ نے رسالے کے سب بریگیڈوں نے ترکی مورچے پر سواری میں ہلّہ بولنے کا حکم دیا۔ ان رسالے کے بریگیڈوں نے ترکی مورچے پر چاروں طرف سے سواری حالت میں نہایت تیز رفتار اور پھیلاؤ کی صورت میں حملہ کیا۔ چونکہ یہ سوار بہت ہی تیز رفتاری سے گھوڑوں کو بھگا کر حملہ کر رہے تھے اور یہ پھیلے ہوئے تھے۔ لہٰذا ان پر ترکی کی گولیوں کا بہت کم اثر ہوا۔ اس کے ساتھ ہی یہ رسالے کے سوار لہروں میں تھے۔ اس طرح سے سواروں کے دستے کی ایک لہر دوسری لہر سے صرف چند سو گز پر تھی لہٰذا ترکی فوج کے سپاہی حیران رہ گئے۔ حملہ کے بعد ترکی سپاہیوں کی رائفلیں دیکھی گئیں۔ تو اُن پر آٹھ سو گز پر گولی مارنے کا سائٹ (SIGHT) تھا۔ یہ اور وجہ بھی تھی کہ اُن ترکی سپاہیوں کی گولیاں برطانوی شتر سواروں کے سر پر سے گذر گئیں۔ اس منصوبے پر عمل کرنے سے برطانوی فوج کے سپہ سالار نے ترکی فوج کو شکست دے دی۔

ترکی سپہ سالار اُلجھنوں میں

یہ حملہ چونکہ اچانک تھا۔ لہٰذا ترکی سپہ سالار یہ سوچتا رہا۔ کہ جرنل ایلبنی اب کیا کرے گا اور چونکہ وہ غازہ پر حملے کا منتظر تھا اور برشیبا کے حملے کو محض دھوکا سمجھ رہا تھا۔ لہٰذا برشیبا کے قرب حریرہ میں بھی ترکی فوج برشیبا کی مدد کو نہ آسکی۔ برشیبا کی ترکی فوج نہایت ہی بہادری اور جاں نثاری سے لڑی مگر لڑائی میں جیت کے لیے صرف خون بہانا اور دلیری سے جان دینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ اس دلیری اور بے باکی کو جب سالار کسی قابلیت اور دُور اندیشی سے چنی ہوئی چال سے استعمال کرتا ہے۔ تو کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نپولین جو ہماری رائے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قابل شاگردوں میں سے تھا۔ ہمیشہ یہ کہتا تھا کہ "میدانِ جنگ میں صرف ایک آدمی کی ضرورت ہے، بہت سے آدمیوں کی نہیں"۔ اس سے نپولین کی یہ مراد تھی کہ میدانِ جنگ میں فتح و نصرت کا انحصار بسا اوقات سپہ سالار کی قابلیت پر ہوتا ہے۔ غزوۂ بدر اس کی بہترین مثال ہے۔

ایلبنی نے برشیبا کے فتح کرنے میں وہی دفاعی اُصول اور چال برتی۔ جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مکہ معظمہ کے فتح کرتے وقت استعمال کی تھی۔ وہاں خالدین ولید رضی اللہ عنہ تھے اور یہاں پر ایلبنی کے رسالے کا سالار جرنل شیوبل (CHAUVEL) تھا۔ جرنل شیوبل نے خالدین ولیدؓ کی طرح سے شہ سواروں کے گھوڑوں کے ہولناک

گیلپ کی تیز رفتاری سے اپنے سواروں کی جانوں کو دشمن کی گولیوں سے محفوظ کر لیا۔ یعنی اُس وقت تیر تھے اور اب رائفل اور مشین کی گولیاں اور توپ خانے کے گولے۔ مگر دفاعی اُصول ایک تھا۔ یعنی دشمن کے مورچے پر کم سے کم جانی نقصان سے قبضہ کرنا تھا۔ لہٰذا تیز رفتاری سے دونوں موقعوں پر حملہ آوروں کی جان بچالی۔

لکیر کا فقیر جنرل ایلنبی جہاں دُور اندیش تھا۔ اُس کے ساتھ وہ لکیر کا فقیر نہ تھا۔ اور حملہ کے وقت بے باکی اور دلیری کو مناسب وقت اور جگہ پر استعمال کرنا جانتا تھا۔

سپہ سالار کا میدان جنگ سے دُور ٹھہرنے کا خمیازہ

ترکی سپہ سالار اور جنرل فالکنہن کا دفاعی منصوبہ ابھی تک نامکمل تھا اور برشیبا سے کہیں دُور بیٹھا ہوا تھا۔ برشیبا کا کمانڈر عسمت بے تھا اور اُس کی فوج میں زیادہ تر عرب سپاہی تھے۔ جو کہ نہ تو ترکی سپاہی کی طرح سے بہادر اور جنگجو تھے اور نہ ہی اُنہیں ترکی کے مفاد کی پروا تھی۔ لہٰذا اُن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔

حالات کا غلط اندازہ جیسے ہی برشیبا کی لڑائی کے بگڑنے کی خبر فالکنہن کو ملی۔ اُس نے ترکی ساتویں آرمی کو دوبارہ برشیبا فتح کرنے کے لیے حکم دیا۔ ان احکامات سے صاف ظاہر ہے کہ ترکی سپہ سالار صحیح حالات سے

آگاہ نہ تھا اور وہ ایسے احکامات جاری کر رہا تھا جن کی تعمیل ناممکن تھی۔ مگر تعجب خیز بات یہ تھی کہ ان احکامات کی تعمیل کرنل وان کریسنیٹین نے کرنے کی کوشش فوراً کی۔ کیونکہ وہ اپنے محفوظ ڈویژن کو لے کر اس برطانوی عربی شتر سوار دستے کی سرکوبی کے لیے نکلا۔ جو ہیرون کی سڑک کے قریب و جوار میں غارت گری اور دہشت پھیلا رہا تھا۔ یہ برطانوی عرب شتر سوار سو کے قریب تعداد میں تھے۔ اور انہوں نے نہایت عقلمندی اور بے باکی سے ترکی فوج کے کم از کم چھ بٹالینوں کو اپنے تعاقب میں بہت دنوں تک مصروف رکھا۔ اس طرح سے ترکی فوج کے شیرازہ کو بکھرے رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔

تجربہ کار اور ہوشمند سالار کی فتحیابی

علاوہ ازیں برطانوی سپہ سالار نے ترکی کی

ساتویں آرمی کور کو باقی ترکی فوج کے ذریعہ سے نازک و خطرناک حالات میں امداد دینے سے معذور کر دیا۔ کیونکہ وہ لارنس کے عربی رسالے کے تعاقب میں چلے گئے۔ وان کریسنٹین کی باقی فوج نے برطانوی رسالوں پر جوابی حملہ کیا اور ان کو آگے بڑھنے سے تھوڑے عرصہ کے لیے روک دیا۔ مگر یہاں بھی جنرل ایلنبی نے تجربہ کاری سے کام لیا۔ اور فوج کا کچھ حصہ تو اس جوابی حملے والی ترکی فوج کی روک تھام کے لیے بھیجا اور باقی برطانوی فوج کو اپنے اصلی مواقع پر مستعد رہنے کے لیے حکم دیا۔ اس طرح سے

برطانوی سپہ سالار بازی جیت گیا۔

ترکی فوج اگر ترکی فوج اپنے حال پر چھوڑ دی جاتی۔ تو بہت ممکن تھا۔ کہ ترکی کمانڈر عصمت بے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے پیچھے ہٹ کر جلد از جلد برطانوی فوج کی گرفت سے نکل جاتا اور اس طرح سے برطانوی سالار کی پیش قدمی کی دشواریوں کو بڑھا دیتا۔ مگر اسے اپنے سپہ سالار نے ڈٹ کر لڑنے کا حکم دیا تھا۔ اور یہ حکم اس سپہ سالار نے دیا تھا۔ جو محاذ سے کہیں دور تھا اور ان کو ان کو اصلی مقامی حالات سے آگاہی نہ تھی۔

ایک اور مثال ہٹلر نے ایسی غلطیاں بار بار ۱۹۳۹-۴۵ء کے جنگ میں کیں۔ ترکی فوج تعداد میں کم تھی اس کے پاس نقل و حرکت کے لیے بار برداری بہت کم تھی۔ ان حالات میں دفاعی سیاسی اصول صرف یہی مشورہ دے سکتا تھا۔ کہ ترکی فوج پیچھے ہٹ کر کسی مناسب جگہ پر برطانوی حملے کو اپنی زیادہ سے زیادہ فوج کو یکجا کر کے روکتی۔ مثلاً ترکی کی کئی ہزار فوج جو یروشلم کی ریلوے لائن کی حفاظت میں مصروف تھی۔ کسی اور مفید مصرف میں آسکتی تھی۔

ترکی فوج نے بہت چوڑے محاذ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی اس لیے وہ ہر جگہ کمزور تھے۔ چونکہ قدرتی رکاوٹوں سے بھرے ملک میں نقل و حرکت نہایت دشوار ہوتی ہے۔ لہٰذا فوج کا اتنا

پھیلاؤ کرنا دانشمندی سے بعید ہے۔

میدان جنگ میں سیاسی اور سٹریٹیجی کے وقت صحیح رویہ

یروشلم (بیت المقدس) مذہبی نقطۂ نگاہ سے اہمیت تو ضرور رکھتا ہے۔ مگر دفاعی نظریہ کے لحاظ سے اس کی وقعت بہت کم تھی خصوصاً اس وقت جبکہ ترکی کے فوجی حالات ٹھیک نہ تھے۔ اسی بنا پر باوجودیکہ جنرل ایلنبی برشیبا۔ غازہ وغیرہ کو فتح کرتے ہوئے بیت المقدس کے ریلوے اسٹیشن کو فتح کر چکا تھا۔ اُسے وار آفس کی دفاعی کونسل نے متنبہ کیا۔ کہ پیشقدمی کرنے سے پہلے اس بات کا صحیح اندازہ کرے۔ کہ اُس کی فوج بہت تو نہیں پھیل گئی اور اس کے سب حصے فوری طور سے ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں یا نہیں۔ ترکی اور برطانوی دُور رس دفاع کی قابلیت اور دُور اندیشی کا اندازہ اس طرز عمل سے بھی ہو سکتا ہے۔

بیان کے دلائل (۱) اپنے شکوک کو رفع کرنے کی غرض سے ہم بیت المقدس والی ریلوے لائن کی اہمیت کو بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ ترکی سپہ سالار کے سامنے اس جنگ کا مقصد یہ تھا کہ برطانوی فوج کو فلسطین سے نکال دے۔ اس غرض سے وہ اپنی فوجوں کا اجتماع کر رہا تھا مگر اُسے پہلے ہی اس بات کا اندازہ ہونا چاہیئے تھا۔ کہ اُس کے

پاس جو فوج موجود ہے۔ وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے ناکافی ہے۔ خصوصاً جبکہ بہت بڑے علاقے میں پھیلی ہوئی ہے اور عربستان کے عرب مسلم باشندے بہت بڑی تعداد میں اپنی ترکی حکومت کے خلاف ہیں۔

(۲) عیسائی اور یہودی عرب تو صدیوں کے عناد کو تازہ کر رہے تھے اور ترکی حکومت کا تختہ الٹنے کی فکر میں از حد کوشاں تھے۔ مگر مسلمان عرب زیادہ تر ذاتی عناد اور روپیہ کے لالچ کے غرض سے برطانوی افواج کے معاون و مددگار تھے۔ مگر دوسرے مذاہب کے عرب زر کے لالچ کے علاوہ بدلہ لینے کی فکر میں تھے تاکہ اسلامی حکومت سے اُن کو نجات ملے۔

(۳) اُس محاذ میں سلسلۂ آمد و رفت نہایت دقیانوسی اور خراب تھا۔ اس کے علاوہ یہ ریلوے جنگی محاذ کے متوازی ہونے کی وجہ سے خصوصاً جبکہ باشندگان علاقہ مخالف ہوں۔ بچاؤ کے لحاظ سے بہت ہی مہنگا سودا تھا۔ خصوصاً اُس صورت میں جبکہ اُس کے ایک فلینک (پہلو) کو برطانوی فوجوں نے توڑ پھوڑ کر پیچھے ہٹا دیا تھا۔ اس لیے بہتر یہ تھا کہ ترکی فوج کا سپہ سالار اس تقریباً 25 ہزار فوج کو پیچھے ہٹا کر اپنے قابو میں لے آتا اور اپنے عقب کے پہاڑی علاقے میں پہلے اپنے دشمن کے دانت کھٹے کرتا اور پھر جب اس کی ایلدرم فوج اور باقی کمک یکجا ہو جاتی۔ تو حملہ آور ہوتا۔ صحیح

حالات سے بے خبری، ناتجربہ کاری اور شخصی گھمنڈ نے فالکنہین کو ایسا نہ کرنے دیا۔

موشگافی کی وجہ مریض کے مرنے کے بعد اس کا پوسٹمارٹم یعنی چیر پھاڑ اس لیے کی جاتی ہے۔ تاکہ ڈاکٹر آئندہ ایسے مریضوں کی جان بچا سکیں۔ یہی کام ہم جیسے مورّخین کا ہوتا ہے۔ تاکہ ملّت کو تاریخی واقعات سے آگاہ کر کے ایسی غلطیوں کے شکار ہونے سے بچائیں۔ کیونکہ ہم پر خوب واضح ہے کہ جنگ کے اختتام پر فوج فوج کے سالاروں پر نکتہ چینی کرنا خصوصاً جب سب واقعات معلوم ہوں زیادہ مشکل نہیں ہے۔

برطانوی پیشقدمی برشیبا اور غازہ کی فتوحات کے دس دن کے اندر اندر برطانوی فوجوں نے پچاس میل سے زائد پیشقدمی کی اور برطانوی فوج کے رسالوں نے ان ایام میں ایک سو اسی میل سے زائد سفر کیا۔ برطانوی سپہ سالار نے جافہ (JAFFA) وغیرہ کو فتح کر کے ترکی سپاہ کو دو حصّوں میں اس طرح سے الگ کر دیا۔ کہ اب یہ دونوں ترکی فوجی حصّے ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکتے تھے۔ علاوہ ازیں اب ان ترکی فوجوں کو سامانِ رسد و حرب اور کمک بھیجنا از حد مشکل ہو گیا تھا۔

ایلنبی بیت المقدس کی طرف گو جنرل ایلنبی نے پہلے یہ طے کر لیا تھا۔ کہ جافہ پہنچ کر وہ اپنی

فوجوں کو جمع ہونے اور درستی کا موقع دے گا۔ گزرتوں کی اس بے کسی کے عالم کا اس نے پورا فائدہ اٹھانے کی سوچی اور اس نے اب بیت المقدس کو فوراً فتح کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

بیت المقدس کے گرد و نواح کا علاقہ بہت ہی سنگین اور دشوار گزار ہے۔ اور یہی وہ علاقہ ہے۔ جہاں ایرانی۔ رومی صلیبی فوجیں منہ کی کھا کر پیچھے ہٹی تھیں۔ یہ ایسا محاذ تھا۔ جہاں چند جانباز بہت بڑی فوج کے دانت کھٹے کر سکتے تھے۔ یہاں چھاپہ مارنا۔ شبخون۔ اچانک حملے کرنا آسان تھا۔ یہاں کی زمین اس قدر ناہموار اور پہاڑی وادیاں اس قدر تنگ تھیں۔ کہ بڑی تعداد کی فوجیں یہاں جمع نہ ہو سکتی تھیں۔ یہاں کا علاقہ پاکستان کے پہاڑی علاقے تیراہ یا وزیرستان کے وسطی علاقے کے مانند جہاں پر پھرتی، علاقے کی واقفیت، مشقت، عزم و استقلال اور جانبازی بہترین اور انمول ہتھیار ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ لندن سے وزیر دفاع نے ایلنبی کو آگے بڑھنے سے پہلے سب حالات کا نہایت گہرائی سے جائزہ لینے کے لیے تار بھیجا تھا۔ یہ حالات بھیانک تھے اور یہاں کی شکستوں کی یاد تو تاریخ کے بہترین مطالعہ کرنے والے کے لیے ہولناک ہو سکتی تھی۔ مگر جنرل ایلنبی اپنے عزم پر قائم رہا اور اس نے یہ طے کر لیا۔ کہ اسے دشمن پر ایسے وقت کاری ضرب لگانی چاہیئے۔ جبکہ وہ پہلی ضرب سے لہولہان ہو رہا ہو اور اسے ہوش و حواس کو برقرار رکھنے کا موقع نہ مل سکا ہو۔ بے باکی اور ہوشمندی ایسے حالات میں کامیابی

کا راز بنتی ہیں۔ لہٰذا جرنل ایلبنی نے خالد بن ولیدؓ کے دفاعی اصولوں کی تقلید کی۔ جو خالدؓ نے شام کی فتح کے وقت رومیوں کے خلاف کئے تھے۔

دفاعی منصوبے میں سادگی لہٰذا جرنل ایلبنی نے اپنی فوجوں کو ایک دن آراستگی و آرام کے لیے دیا اور ۱۸ نومبر کو آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔ جرنل کا منصوبہ سادہ تھا۔ اُس نے اپنی آمد و رفت کے سلسلہ کی حفاظت کے لیے رسالے کا مضبوط دستہ مقرر کیا اور اس کی مدد کے لیے ایک پیدل ڈویژن کو غازہ سے بُلوا بھیجا۔

پیدل فوج اُس نے پیدل فوجوں کو سڑک کے دائیں بائیں علاقے میں بڑھنے کا حکم دے دیا۔ اور رسالہ کے مضبوط دستوں سے اس پیدل فوج کے میمنہ و میسرہ کی حفاظت کی۔ علاوہ ازیں پیدل فوج کا ایک بڑا دستہ محفوظ فوج کے طور سے اپنے ہاتھ میں رکھا۔

اس حملہ آور فوج کو یہ حکم تھا۔ کہ جب اس پیدل فوج کا میمنہ بیرہ (BIRAH) کے قریب پہنچ جائے۔ تو باقی پیدل فوج اس کے میمنہ پر اس طرح سے دائیں طرف چکر لگائے۔ جیسے دروازہ اپنے قبضوں پر پھرتا ہے۔ اس طرح سے برطانوی فوج بیت المقدس کی محافظ ترکی فوج کے عقب میں پہنچ کر اُس کا نکل بھاگنے کا راستہ بند کر دے گی۔ جرنل ایلبنی کا قیاس تھا۔ کہ اس سلسلۂ آمد و رفت کے بند ہونے کے

خدشہ سے ترکی فوج بیت المقدس سے جلد سے جلد نکل بھاگے گی۔

غلط نقشے حرنل ایلنبی کی فوج کے پاس جو نقشے تھے۔ وہ صحیح نہ نکلے اور جب برطانوی فوج ۱۹ نومبر ۱۹۱۷ء کو بیت الرالطحا (BEITURELTAHA) پہنچی۔ تو وہ نہایت دشوار گذار پہاڑی پگڈنڈیوں پر سفر کرنے لگی۔ گو نقشے میں ان کو سڑکیں دکھلائی گئی تھیں اس لیے توپیں اور تمام گاڑیاں اس کے قرب و جوار میں چھوڑنی پڑیں۔ مشکلات کو بڑھانے کے لیے موسم نے یکدم کروٹ بدلی اور بارش کے ساتھ سردی نہایت ہی زیادہ بڑھ گئی۔ دشوار گذار پہاڑوں اور وادیوں کے باوجود برطانوی فوج آگے بڑھتی گئی اور جب وہ ساریس (SARIS) شہر کے قریب پہنچی۔ تو قدرت نے برطانوی فوج کی مدد کی اور اس پہاڑی علاقے میں ایسی دھند نمودار ہوئی۔ کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خود اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف سے فرانس کے محاذ کی مانند دھوئیں کا سکرین (SMOKE SCREEN) ترکی فوج کے آگے ڈال دیا ہے۔ اس دھند کے باعث برطانوی فوج بہت کم نقصان سے ترکی مورچہ میں پہنچ گئی۔ اور اس پر قبضہ کرلیا۔ گو یہاں پر اس کے گرد و نواح میں کئی دن تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ برطانوی فوج نے بنی سموئیل پہاڑی پر قبضہ کرلیا۔ اور یہ وہی پہاڑی مورچہ ہے۔ جسے جب صلیبی فوج کا سپہ سالار رچرڈ دی لائن ہارٹ فتح نہ کرسکا۔ تو اس نے شرم کے مارے اپنے ہاتھوں سے

اپنے منہ کو چھپا لیا تھا اور بیت المقدس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔
اس پہاڑی کو دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے ترکی فوج نے کئی بار جوابی حملے کئے مگر وہ کامیاب نہ ہوئے۔

۲۴ نومبر کو جنرل ایلنبی کو اندازہ ہو گیا کہ ترک جان توڑ کر مقابلہ کریں گے اور ان میں ابھی دم ہے۔ لہٰذا اس نے اپنی کمک کو بلا بھیجا اُدھر ترکی فوج جو بیت المقدس میں تھی۔ نہ تو اس کے پاس کمک پہنچی اور نہ ہی سامان حرب یا رسد پہنچا۔ مگر یہ ترکی فوج اپنی جگہ ڈٹی رہی۔ گو جوابی حملوں کی وجہ سے ان کو بہت ہی زیادہ جانی نقصان ہوا۔ مگر پھر بھی ترک اس مقدس شہر کی حفاظت کے لیے برابر جوابی حملے کرتے رہے اور کئی پہاڑی مورچوں نے کئی بار ہاتھ بدلے۔

ترک مذہب اسلام کا علمبردار ہے یہ حملے اس بیان کی تائید کرتے ہیں۔ کہ ترکی سپاہی مذہبی جذبات کی بنا پر نہایت ہی دلیری اور جانبازی سے لڑتا ہے اور موت کو بخوشی قبول کرتا ہے۔ کیونکہ اسے وہ شہادت کا درجہ گردانتا ہے۔

برطانوی جوابی حملہ جنرل ایلنبی نے جب مزید فوج جمع کر لی۔ تو ۸ دسمبر کو دوبارہ ہلہ بول دیا۔ بہت ہی گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں طرفین کی افواج نے نہایت بہادری کا ثبوت دیا۔

تُرکی شکست تُرکی فوج میدان ہار گئی۔ جس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان میں ایثار، بہادری یا جاں نثاری کا مادہ نہ تھا یا اُس نے ان جوہروں سے کام نہ لیا تھا۔ بلکہ اس شکست کی وجہ یہ تھی کہ اس بہادر فوج کو اعلےٰ دفاعی اُصولوں اور دفاعی انتظامات کی مدد سے نہ لڑایا گیا۔ علاوہ ازیں اُن کے پاس نہ تو گولہ بارود تھا۔ نہ اچھے اسلحہ اور نہ ہی رسد و خوراک۔

ایلنبی بیت المقدس میں ۱۱ دسمبر ۱۹۱۷ء کو جنرل ایلنبی بیت المقدس میں پیادہ پا اور ننگے سر یعنی اپنے گھوڑے کی باگ ہاتھ میں پکڑے ہوئے شہر میں داخل ہوا یعنی یہاں پر اُس نے حضرت عمرؓ کی تقلید کی۔ اس طرح سے کئی صدیوں کی اسلامی حکومت بیت المقدس کے شہر پر ختم ہوئی۔ جنرل ایلنبی کی کامیابی کے کئی راز تھے۔ وہ قابل جرنل تھا اور اُس میں فوجیں لڑانے کی صلاحیت تھی۔ ساتھ ہی اُس نے لارنس کی مدد سے مسلم عربوں کو روپیہ کے لالچ سے خرید لیا تھا اور عیسائیوں اور یہودیوں کو مذہبی اختلافات کی مدد سے اُس نے اپنا امین اور مددگار بنا کر ترکی حکومت اور نظام کی بنیاد کھوکھلی کرنے کے بعد ترکی کی بہادر فوج کو لاچار اور بیکار کر دیا۔ اس طرح سے اس نامور برطانوی سپہ سالار نے اپنی قوم کو کرسمس کا یہ بے بہا تحفہ دیا۔

یہودی اور عیسائی دُنیا میں اس فتح نے ایک نئی رُوح اور تازگی پیدا کردی۔ بیت المقدس کی فتح سے تمام مذاہب کے عرب اب کھلم کھلا ترکی حکومت کے خلاف بغاوت میں شامل ہوگئے اور اب یہ ناسور ترکی حکومت کے زخم کے لیے مہلک نظر آنے لگا۔ بغداد کو دوبارہ فتح کرنے کی اُمید اب ترکی حکومت سے بہت بعید ہوگئی۔ اور اُسے فلسطین کے بچاؤ کی سوجھی۔

سنہ ۱۹۱۸ء

بھیانک حالات | سنہ ۱۹۱۸ء کا آغاز ترکی حکومت کے لیے اور بھی بھیانک صورت میں نمودار ہوا۔ کیونکہ تمام اعلیٰ حکام میں جو اس ترکی حکومت میں تھے۔ اب ظاہری طور سے بھی یکجہتی نہ تھی۔ جرمن افسران خود سر اور مغرور تھے۔ اُن کو اپنے فن حرب کے کمال کا غرور و ناز تھا۔ ترکی افسر بدرم سلطان بوڈ کے زعم میں غرق تھے۔ مگر ترکی سپاہی پھر بھی بھوک پیاس سردی گرمی اور اپنے افسران کی بے پروائی اور نا قابلیت پر چشم پوشی کرتا ہوا اپنے ملک کے اور زمین کے ایک ایک ٹکڑے کے لیے بے دریغ خون بہا رہا تھا اور ایسی شاندار روایات کو دُہرا رہا تھا جس کے دیکھنے اور سننے سے اُس کا دشمن نہ صرف انگشت بدنداں تھا۔ بلکہ اُس کے دل میں ترکی سپاہی کے لیے پہلے سے کہیں زیادہ قدر و منزلت پیدا ہو چکی تھی اور ترکی سپاہی اپنے کارناموں کو

پتھر پر گہرے حروف سے کندہ کر رہا تھا۔ مصنف نے یہ واقعات اپنی آنکھ سے دیکھے اور اُن کئی برطانوی افسروں کی زبان سے بذاتِ خود حیرت انگیز تعریف کے کلمے سُنے اور یہ وہ افسر تھے۔ جو ترکی فوج کو کئی بار کئی معرکوں میں شکست دے چکے تھے۔ اُن سب کی ایک رائے تھی۔ کہ ترکی حکومت نے اپنے نالائق افسروں کی وجہ سے جنگ ہار دی۔ ورنہ ترکی سپاہی ایثار، حب الوطنی، جانبازی، بہادری کے لحاظ سے یکتا اور دُنیا کا بہترین سپاہی ہے۔

دفاعی مبصرین کی رائے ترکی کے مخالف برطانوی حکومت اور اتحادی بھی پریشان تھے۔ اُن میں سے بعض مبصرین تو یہ کہتے تھے۔ کہ ہم نے مانا کہ ترکی حکومت کو شکست دے کر جرمنی کے زبردست معاون کو مہلک ضرب لگائی گئی ہے۔ مگر فرانس کے میدان جنگ میں جہاں کی فتح و شکست فیصلہ کن ہوگی ابھی تک ہم جرمنی کو ہار نہیں منوا سکے۔ علاوہ ازیں ابھی برطانوی فوجیں قسطنطنیہ سے بہت دُور ہیں۔ لہٰذا ترکی کے محاذ پر اب بچاؤ کی لڑائی لڑی جائے۔ تاکہ ترکی اپنی فوجیں اپنے اتحادی جرمنی کی مدد کے لیے روانہ نہ کر سکے۔ اگر جرمنی ہار گیا۔ تو ترکی خود بخود بغیر مزید لڑائی لڑے ہتھیار ڈال دے گا۔ اس طرح سے اتحادیوں کا روپیہ اور ترکی بہادر فوج کے خلاف لڑ کر برطانوی فوج کی جانیں بیکار ضائع نہ ہوں گی۔ اس کے علاوہ اس خیال کے لوگ یہ بھی کہتے تھے۔ کہ ترکی پر حملہ محض

اس لیے کیا گیا تھا۔ کہ کسی نہ کسی طرح سے اپنے اتحادی رُوس کو کمک پہنچائی جائے۔ مگر اب یہ سوال ہی نہیں رہا۔ بلکہ اب تو ہمیں ترکوں کے الحاق سے بالشویکوں کو وہیں بند ہی رہنے دینا چاہیئے تاکہ یہ بالشویکی اصولوں کی وبا دُنیا کے باقی حصوں میں نہ پھیل جائے اُن لوگوں کا یہ کہنا تھا۔ کہ اس اُصول پر چلنے سے نہ صرف ہمارا روپیہ اور جانیں بچیں گی۔ بلکہ ہم اپنی تمام بحری اور بری بار برداری کو یورپی فوج کی کمک لانے میں صرف کر سکیں گے۔

اس کے خلاف دُوسری پارٹی برطانوی اتحادی گروپ میں تھی۔ جس کا لیڈر انگلستان کا وزیر اعظم لائڈ جارج تھا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ فرانس کے محاذ پر اور زیادہ فوجوں کا جھونک دینا دانش مندی نہیں ہے کیونکہ وہاں پر پہلے سے ہی کافی فوج موجود تھی۔ اور موت کے دیوتا پر انسانی قربانی محض عقیدت کی بنا پر چڑھانا عقلمندی سے بعید ہے اور اسی طرح سے سب جگہ محض گتھم گتھا ہو کر بچاؤ کی لڑائی لڑنا اپنی اخلاقی شکست کو مان لینا ہے۔ چاہے ہر محاذ پر بچاؤ کی اتحادی لڑائی محض عارضی طور پر ہی کیوں نہ لڑیں۔ مگر یہ کافوری اثر تمام اتحادی اقوام میں مایوسی کی لہر دوڑا دے گا۔

عالمگیر جنگ کی حالت

دو سال سے زائد ہو چکے تھے۔ اور جرمنوں کی فوج اپنے محاذ پر ڈٹی ہوئی تھی۔ امریکی فوج اب کمک کے لیے آنے ہی والی تھی۔ لہٰذا ضروری

یہ تھا۔ کہ فتحیابی کے اس جوش کو برقرار رکھا جائے اور دشمن کے ناسور سے خون بہاتے رہنا جاری رکھا جائے۔ خصوصاً جبکہ (برطانوی) فوجیں آگے ہی بڑھ رہی ہیں۔

یورپ کے محاذ کے متعلق ۱۹۱۸ء کے آغاز میں یہ بحث ہو رہی تھی۔ لائڈ جارج اپنی بات پر اڑا رہا۔ اس نے جنرل سمٹس (GENERAL SMUTS) کو فروری کے شروع میں جنرل ایلنبی سے مشورہ کرنے کے لیے بھیجا۔ تاکہ مین مقام پر پہنچ کر حالات کو بھی اپنی آنکھ سے دیکھے اور مقامی افسران سے تبادلہ خیالات کر کے اپنی رائے قائم کرے اور تمام حالات سے مسٹر لائڈ جارج کو آگاہ کرے اور جنرل ایلنبی کو یورپی مبصرین کے دونوں نظریے بتانے کے ساتھ برطانوی وزارت کے نظریہ کو بتا دے۔ کیونکہ مسٹر لائڈ جارج کا یہ خیال تھا۔ کہ جنرل ایلنبی اس علاقے کے سلسلۂ آمد و رفت اور مقامی مشکلات کو کسی قدر مبالغے سے اہمیت دے رہا تھا اور وزیر اعظم کے خیال کے بموجب جنرل ایلنبی کو موسم بہار ہی میں ترکی کو شکست فاش دے کر اس حکومت کو ختم کر دینا چاہیئے تھا۔ اس کام کے کرنے کے لیے جنرل ایلنبی کو کتنی کمک اور سامان حرب وغیرہ درکار ہوگا؟ اور اس کا دفاعی منصوبہ کیا ہوگا؟

جنرل سمٹس کی رپورٹ ساتھ ہی جنرل سمٹس (GENERAL SMUTS) نے برطانوی سپہ سالار کو یہ بتایا کہ

دفاع اُس کی کیا کیا امداد کس طرح سے کر سکتا ہے۔

فتح کے لیے اللنبی کا فیصلہ کن منصوبہ

جرنل ایلنبی نے جرنل سمٹس کو اپنا دفاعی منصوبہ جو بتایا وہ مختصراً یہ تھا:۔

(۱) ہمارا فوجی فوج جارڈن (JORDAN) وادی پر قبضہ کر کے اپنے میمنہ (رائٹ فلینک) کو دشمن کے حملوں سے محفوظ بنا لے۔

(۲) حجاز ریلوے کو شہر عمان تک تباہ و برباد کر دے۔ تاکہ وہ ترکی فوج جو مدینہ میں اٹک بند ہے۔ اُس کا باقی ترکی فوج سے تعلق منقطع ہو جائے۔ اس طرح سے عربوں کی بغاوت بہت زور پکڑ جائیگی۔

(۳) موسم برسات کے بعد یعنی جب موسم خشک ہو۔ تو پیش قدمی کر کے طبریس (TIBERIAS) اور حیفہ (HAIFA) کا درمیانی علاقہ فتح کر کے ان شہروں کے برابر چوڑا محاذ قائم کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ چوڑی ریلوے لائن حیفہ تک جلد سے جلد پہنچا دی جائے۔

(۴) اس کے بعد فوج کا بڑا حصہ ساحل کے ساتھ ساتھ ٹائیر (TYRE) سیدون (SIDON) سے ہوتا ہوا بیروت پہنچ جائے ریل برابر اس فوج کے پیچھے پیچھے جاتی جائے گی۔

اس بڑی فوج کا میمنہ (دایاں فلینک) تو پہاڑی علاقے اور عرب دستوں کی مدد سے محفوظ رہے گا۔ اور جو ترکی فوج کہ دمشق سے آگے بڑھ کر ہماری فوج پر حملہ کرنے کی کوشش کرے گی۔ اُس کے

(طینک) پہلو میں حملہ کر کے ہم اُسے پیچھے دھکیل سکتے ہیں۔ تریپولی (TRIPOLI) اور حمص (HOMS) کے علاقے میں ایسا کرنے کا انتظام بھی سوچ لیا گیا ہے۔

(۵) کچھ دستے یرموک دریا کی وادی (YARMUK) سے ہوران (HAURIN) اور طبریس جھیل کے شمالی طرف سے بڑھ کر دمشق کی سڑک کی طرف بڑھتے ہوئے دشمن کو مشغول رکھیں گے۔

اس دفاعی منصوبہ پر عملدرآمد کی رفتار کا انحصار اس ریلوے لائن کے بنانے پر منحصر ہوگا۔ کیونکہ اس ریلوے لائن کے بغیر ضروری سامانِ حرب اور رسد و خیرہ کا فوجوں کو پہنچانا تقریباً ناممکن ہے۔

اس منصوبے میں بھی ایلنبی نے ایسا معلوم ہوتا ہے، لارنس کے دفاعی منصوبوں کے مطالعے سے فائدہ اُٹھایا۔

سپریم وار کونسل کا اجلاس

جنرل سمٹس یہ دفاعی منصوبہ لے کر واپس چلا گیا اور اپنے

اتحادی مجلس دفاع اعلیٰ (SUPREME WAR COUNCIL) جو ورسائی (VERSAILLES) میں فروری ۱۹۱۸ء کے وسط میں جمع ہوئی۔ اس کے سامنے یہ منصوبہ پیش کیا گیا تاکہ ترکی کو کمزور کر کے جرمنی کے پہلو میں کی اور بلقان کے راستے سے ٹھوکر کاری زخم لگا کر جنگ کو ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ یورپ کے محاذ پر فریقین کی طاقتیں جانی قربانیاں دیتے دیتے تھک کر بیٹھ گئی تھیں اور ہر ایک طاقت

اس بات کی منتظر تھی۔ کہ اس کا مخالف حملہ کرے۔ تاکہ حملہ آوروں کے خون سے ہولی کھیلی جائے۔

مجلس کا فیصلہ اس مجلس دفاع اعلیٰ نے یہ طے کیا۔ کہ عارضی طور سے (یعنی امریکی کمک آنے تک) یورپ کے محاذ پر بچاؤ کی لڑائی لڑی جائے۔ مگر فلسطین میں جرنل ایلنبی کے منصوبے کو منظور کر کے اُسے مناسب کمک دیکر اور ترکی کو شکست فاش دے کر میدان جنگ سے نکال دیا جائے البتہ فرانس کی حکومت نے یہ شرط لگا دی۔ کہ فرانس کے محاذ سے برطانیہ کوئی خالص انگریزی فوج نہ نکال سکے گا۔ بلکہ ہندوستانی فوجیں فلسطین میں بطور کمک بھیج سکتا ہے۔

برطانوی وار کونسل اب جرنل سمٹس سے یہ تجاویز لے کر برطانوی مجلس دفاع کے سامنے پیش کر دیں۔ جسے انہوں نے کچھ معمولی سی انتظامی معاملات میں ردّ و بدل کر کے منظور کر لیا اور جرنل ایلنبی کو اطلاع دے دی۔

دفاعی منصوبے پر عمل جرنل ایلنبی نے اپنے دفاعی منصوبے پر ۱۹ فروری ۱۹۱۸ء سے عمل کرنا شروع کر دیا اور برطانوی فوج آگے بڑھتی چلی گئی۔ چونکہ ترکی فوج نے قدم قدم پر بہت ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ضرور ہوا۔ کہ برطانوی پیش قدمی کی رفتار بہت سست تھی۔

انور نے اپنی غلطی کا تدارک کیا

اب جبکہ پانی سر سے گذر گیا۔ تو غازی انور پاشا خواب غفلت سے کسی قدر بیدار ہوا۔ اور اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کہ ملت کی مرضی کے خلاف احکامات کامیابی کی بجائے ناکامی اور ذلت لاتے ہیں۔ لہٰذا یکم مارچ ۱۹۱۸ء کو اُس نے جرمل فالکنہن کو برطرف کر کے جرمل پسمان وان سانڈرس کو سپہ سالار بنا دیا۔

جرمل وان سانڈرس بحیثیت سپہ سالار

پسمان وان سانڈرس نے سب سے پہلا کام یہ کیا۔ کہ یلدرم فوج کے سٹاف میں جرمن افسروں کی بجائے ترکی سینیئر افسروں کو مقرر کر کے بہت بڑی خلش کو دُور کیا۔ علاوہ ازیں فیوضی (FEZVI) پاشا نے علالت کے بہانے سے ساتویں ترکی آرمی کی کمانڈ سے استعفیٰ دے دیا اور یہاں پر مصطفےٰ کمال پاشا مقرر ہوئے۔

بالفاظ دیگر اب ترکی محکمۂ دفاع نے کمال پاشا کے مشورہ کو تسلیم کر لیا۔

ترکی فوج کی نئی ترتیب

جرمل سانڈرس نے ترکی فوج کو نئی ترتیب یہ دی:۔

۱۔ ساتویں آرمی:۔ (کمانڈر مصطفےٰ کمال پاشا)

۲۔ آٹھویں آرمی:۔ (کمانڈر جاوید پاشا) جس نے کریسن وان

کریسنیٹن سے چارج لیا۔

۳- ان دونوں ترکی آرمیز کو جارڈن دریا کے مغربی محاذ پر متعین کیا۔ اور دریائے جارڈن کے مشرقی محاذ پر چوتھی آرمی (کمانڈر جمال پاشا کوچک) کو مقرر کیا۔ (یہی جمال پاشا کوچک بعد ازاں شاہ فیصل کا وزیر اعظم بنا اور جسے انگریزوں نے ان خدمات کے صلے میں K.C.M.G. کا خطاب دیا تھا)

۴- ان افواج کا سپہ سالار جرنل وان ساندرس تھا۔ جس کا ہیڈ کوارٹر ندر بتھ (NAZARETH) میں تھا۔

لیکن ترکی حکومت یا یوں کہیے۔ غازی انور پاشا وسعتِ نظر نہیں رکھتا تھا۔ اُس وقت جبکہ اس کا دشمن اُس کے گھر کے اندر گھس کر آگے ہی آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ عین اُس وقت بھی بجائے گھر کی حفاظت کے اُسے اپنے پرانے حریف ہمسایہ سے بدلہ لینے کی پھر سوجھی۔ یعنی جیسے رُوس کمزور ہوتا گیا اور بالشویک طاقت پکڑتے گئے۔ تو ترکی حکومت نے باطوم۔ کرس۔ طفلس اور آذر بائیجان اور باکو کو جنہیں رُوس نے ترکی سے چھین لیا تھا۔ اب دوبارہ لینے کی سوچی اور اس ملک کو جو نہایت دشوار گذار ہے۔ اور جس علاقے کے باشندے ترکوں کے سخت خلاف تھے اور جن کی سازش اور بغاوت سے ترکی حکومت کو رُوسی فوج کے سامنے ہزیمت اُٹھانی پڑی تھی۔

چند سوالات

ایسے سیاسی اور دفاعی حالات میں فتح کرنے کا منصوبہ بنانا عقلمندی سے بعید معلوم ہوتا ہے۔

کیا یہ اچھا نہ ہوتا۔ کہ ترکی حکومت اس فوج کو جو کہ چیدہ چیدہ افسروں اور سپاہیوں پر مبنی تھی۔ پہلے اپنے گھر میں گھسے ہوئے دشمن کے نکالنے میں استعمال کی جاتی؟

کیا ترکی حکومت اور وزیر دفاع کو اپنے دفاعی انتظامات مثلاً سامانِ حرب اور رسد کی کمی اور اسی کمی کو بڑھانے کے اثرات یعنی ذریعہ باربرداری مثلاً ریل، موٹر گاڑی وغیرہ کی خامیوں اور قلت کا علم نہ تھا؟

کیا حکومت کے ارکان اور ترکی وزیر دفاع یہ نہیں دیکھتے تھے۔ کہ ترکی سپاہی کے تن پر نہ تو کپڑا ہے اور نہ ہی پیٹ بھرنے کو غذا ہے۔ ان حالات میں سرد پہاڑی علاقے میں محاذ قائم کرنا کہاں تک ٹھیک ہے؟

کیا اُن کی باربرداری کے اُونٹوں اور خچروں کی خوراک کی کمی کی وجہ سے ہڈیاں نہیں نکلی ہوئی تھیں۔ اور ریل گاڑی کے لیے کوئلہ اور لکڑی تک موجود نہ تھی؟

انور پاشا کو آخر کار محسوس ہوا۔ کہ ترکی اور جرمن افسروں اور

سپاہیوں میں عداوت و رنجش بہت بڑھ گئی ہے۔ مگر پھر بھی اس نے دانشمندی سے کام نہ لیا۔ کیونکہ جب ترکی افسر کمانڈ اور سٹاف پر لگائے گئے۔ تو جرمن افسروں کو جن میں بعض بہت قابل تھے۔ مثلاً وان کریسٹین کیجا کر کے روسی محاذ پر بھیج دیا گیا۔ ایلدرم فوج کے فلسطین سے چلے جانے کی وجہ سے باربرداری کے انتظامات اور بھی خراب ہو گئے۔ یہ ایسے واقعات ہیں جن پر ہر ہوشمند انسان کو بہت ٹھنڈے دل سے غور کرنا اور سوچنا چاہیئے۔

پاکستان اس المناک داستان سے کیا سبق سیکھ سکتا ہے

(i) ایسے حالات سے بہت سے ملکوں اور قوموں کو گزرنا پڑتا ہے اور بہت سے ملک ان حالات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کہیں امدادی اسلحہ اور ہتھیار مل رہے ہیں۔ کہیں روپیہ اور مشورہ۔ امن کے زمانے میں ان مختلف قسم کی امدادی سکیموں کے اثرات کچھ ہوتے ہیں۔ مگر جنگ کے زمانے میں اس قسم کی امدادی سکیموں کے کیا اثرات ہو سکتے ہیں۔ وہ فلسطین کی اس جنگ سے عیاں ہیں۔

(ii) برطانیہ کا ہندوستان اور مصر کے باشندوں کے ساتھ دوران جنگ میں کیا سلوک تھا اور کیسے کیسے وعدے کئے گئے۔ زمانۂ جنگ میں اُن پر کیسا عمل ہوا اور جنگ کے بعد زمانۂ امن میں اُن کے کیا اثرات باقی رہ گئے تھے۔ بیان کے محتاج نہیں ہیں۔

(iii) ترکی نے جرمنی کا معاون بن کر کیا حاصل کیا۔ یہ ہیں وہ اثرات جن پر ہمیں ہر وقت غور کرنا چاہیئے۔ ملت افراد کی یکجہتی سے بنتی ہے اور ملت کی رائے عامہ سے حکومت بنتی ہے جس کے ہاتھ میں اس ملت کا سیاہ و سفید ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر فرد کو سب حالات گہری نظر سے دیکھنے چاہئیں۔

چند فیلڈ مارشلوں کی رائیں

(۱۲) جنرل وان سانڈرس کی لکھی ہوئی کتاب کے پڑھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ غازی انور کو تقریباً راضی کر لیا گیا تھا کہ سب جرمن فوجوں کو فلسطین سے نکال کر کوہ قاف کے محاذ پر بھیج دیا جائے۔ اگر ایسا ہو جاتا۔ تو جنرل ایلنبی کی فتوحات کا کام اور بھی سہل ہو جاتا۔ ان حالات کو پڑھتے ہوئے یقیناً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کیا وجہ ہے کہ جنرل ایلنبی کی اس مہم کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے۔ جبکہ ترکی فوج اس قدر خراب حالت میں تھی۔ اس کے جواب میں ہم دو برطانوی فیلڈ مارشلوں کے بیانات قلمبند کرتے ہیں۔ ایک جو مصنف نے فیلڈ مارشل لارڈ برڈ وڈ کی زبانی خود سنے جس میں انہوں نے گیلی پولی کی ایک تقریب پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ کہ "اگر آپ مجھے انگریز افسر دے دیں اور ترکی سپاہی تو میں تمام دنیا کو فتح کر سکتا ہوں"۔

دوسرے فیلڈ مارشل ویول جو نہ صرف اعلیٰ پیمانے کے جرنل تھے بلکہ سیاستدان بھی اور ایک زبردست مصنف بھی فلسطین کی لڑائی پر

اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔ کہ "ترکی سپاہی نہایت ہی خراب اور بدتر حالت میں بھی نہایت جانبازی اور دلیری سے لڑتا ہے"۔ یعنی اس سوال کا جواب یہ ہو سکتا ہے۔ کہ اگر ترکی کو سستانے کا موقع مل جاتا تو پھر اُسے فتح کرنا بہت ہی مشکل کام ہوتا۔

(۱۸) جرنل ایلنبی نے بھی اپنے حریف کو خالدؓ بن ولید کی طرح سے دریائے یرموک کی وادی کی پیچیدگیوں سے فائدہ اُٹھا کر شکست دینے کی ٹھان لی تھی۔ ایلنبی نے اپنی فوج کو ایسے پہاڑی علاقے میں گذار کر لے جانے کا منصوبہ تیار کیا تھا جس کو ترکی جرنل ناقابل گذر سمجھتے تھے۔ ایسا کرنے سے وہ حریف کے سلسلۂ آمد و رفت پر اسی طرح سے حاوی ہو جانا چاہتا تھا۔ یعنی جس طرح سے خالدؓ بن ولید نے بار بار رومانی فوجوں کو بے بس اور لاچار بنا دیا تھا۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر ترکی جرنل اسلامی دفاعی تاریخ سے آشنا ہوتے۔

(۱۷) (۱۸) حربی اُصولوں کے استعمال میں جدّت

دوسری بار جرنل ایلنبی نے بر شیبا۔ غازہ کے محاذ کو سر کرنے کے منصوبہ کے طریقے کو اُلٹے طریقے سے استعمال کیا یعنی پہلی بار اُس نے ترکوں کے میسرہ کو اُلٹ کر پیچھے ہٹا دیا تھا لیکن اس بار وہ ترکوں کے میمنہ کو پسپا کر کے اُس رُخ سے پیش قدمی کرنا چاہتا تھا۔ اس دفاعی منصوبے کو کامیاب بنانے کے لیے اُس نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

(ب) سب سے پہلے ساحلی علاقے پر حملہ کرنے کے لیے اُس نے برطانوی فوج کا بڑا اجتماع وہاں پر کرنا مقصود تھا اور اس میں اس کی دانشمندی تھی۔ کہ دشمن یہی سمجھے کہ وہ اپنی پہلی دفاعی چال کو دُہرائیگا۔ یعنی ایلنبی کا لشکر جارڈن دریا کی وادی سے آگے بڑھ گیا۔ دشمن کو اس غلط فہمی میں ڈالنے کے لیے اُس نے کئی چالیں چلیں۔ مثلاً برطانوی شتر سوار فوج کو اس نے امان (AMAN) کی طرف فیصل کی فوجوں کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ ترک یہ سمجھیں کہ اُن پر حملہ اس طرف سے ہونے والا ہے۔ بعد ازاں جب اس نے اپنے رسالے اور ان شتر سواروں کو جارڈن دریا کی طرف سے واپس بُلایا۔ تو اُن کے کیمپ وہیں رہنے دیئے اور ان میں بھوسے سے بھرے ہوئے ٹاٹ کے بنے ہوئے جانور کھڑے کر دیئے۔ تاکہ ترکی ہوائی جہاز یہ سمجھیں۔ کہ جانور وہیں پر ہیں۔ اس بات کو مزید چھپانے کے لیے خچروں کے پیچھے درختوں کی ٹہنیاں باندھ کر کھنچوایا۔ تاکہ اُس طریقے سے جب گرد اُڑے تو ایسا معلوم ہو کہ جانوروں کے اِدھر اُدھر جانے سے یہ گرد اُٹھ رہی ہے۔

(ج) دن کے وقت پیدل پلٹن جارڈن کی طرف پیدل آئی تھی اور رات کے وقت اس کو لاریوں میں بھر کر واپس لے جاتے اور دوسرے دن پھر وہی کوچ دُہرایا جاتا۔ اس طرح سے دشمن کے ہوا باز روز نئی کمک اس جانب آتے دیکھتے اور اس اجتماع کی خبر ترکی ہیڈ کوارٹر کو پہنچاتے۔ اس دھوکے کو مزید تقویت دینے کے لیے لارنس نے بیت المقدس

میں ایک بڑا ہوٹل کرایہ پر لے کر اس میں بجلی وغیرہ لگوائی۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ برطانوی سپہ سالار اب اسی محاذ پر آ رہا ہے۔ لہٰذا یہ انتظام کیا جا رہا ہے۔ اس طرح سے لارنس نے بہت سے ٹھیکیداروں سے گھاس، دانہ اور خوراک کے لیے ٹینڈر منگائے۔ علاوہ ازیں اس نے باغی عربوں سے اس محاذ پر غارت گری کی سرگرمی بہت تیز کروا دی۔

(ر) جب جرنل ایلنبی نے یہ سمجھا۔ کہ اس نے اپنے دشمن کو پراپیگنڈے کی مدد سے کافی یقین دلایا ہے کہ وہ جارڈن دریا کی وادی کی طرف سے آگے بڑھے گا۔ تو اُس نے مناسب یہ سمجھا۔ کہ اب اس خبر کو درجۂ تحقیق تک پہنچائے۔ لہٰذا اُس نے لارنس کو تاکید کی۔ کہ امیر فیصل کے عربوں کی مدد سے جہاں تک ہو سکتا ہے۔ ترکی فوج کے عقب میں ریلوے لائن کے اسٹیشنوں پر مسلسل حملے کر کے اُن کو تباہ کرے اور اس طرح سے ترکی فوج کی رسد اور کمک کی نقل و حرکت میں رخنہ اندازی پیدا کر دے۔

(ص) لارنس نے کبھی بھی ترکی فوج کو موقعہ نہ دیا۔ کہ ان عربوں کو ڈٹ کر لڑنے کی ترغیب دے سکے۔ جیسے ہی ترکی فوج کسی مقام کے نزدیک پہنچتی اور حملے کے لیے تیار ہوتی۔ تو عرب پیچھے ہٹ کر کسی اور جگہ چلے جاتے۔ اس طرح سے ترکی فوج ہوا میں حملہ کرتی۔ درحقیقت لارنس کا اصلی مقصد غارتگری اور پریشان کرنا تھا۔ اور اس میں وہ بہت کامیاب رہا۔ کیونکہ عربوں کو قدرتاً

اس فن حرب میں کمال حاصل تھا۔

(۴) اس کے علاوہ جرنل ایلبنی نے اپنی باقاعدہ فوج کو امان کی طرف دھاوا بولنے کا حکم دیا۔ تاکہ ترک یہ سمجھیں۔ کہ واقعی برطانوی فوج اس سمت سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے گی۔ اس حملے سے پہلے برطانوی جاسوسوں کے ذریعے ایک برطانوی افسر کی نوٹ بک جس میں تمام احکامات درج تھے۔ ترکی حکومت تک پہنچا دی گئی۔ چنانچہ ہر طریقے سے ترکوں کو جرنل ایلبنی نے اپنی نے اپنی اصلی دفاعی چال سے آگاہ نہ ہونے دیا۔ اور ان کو گمراہ کرتا رہا۔

(۵) ساحل کی طرف کے ترکی کمانڈر رفعت بے نے جرنل وان سانڈرس سے کہا۔ کہ اُسے ڈر ہے کہ برطانوی حملہ ساحل کی جانب سے ہوگا اور اُس کی حصول شدہ خبریں صحیح ہیں۔ مگر ترکی سپہ سالار نے اس بات کو نہ مانا۔ رفعت بے نے یہ بھی تجویز پیش کی۔ کہ مناسب یہ ہوگا کہ اُس کی فوج پیچھے ہٹ کر پہاڑی علاقے میں نیا مورچہ بنائے۔ تاکہ برطانوی توپ خانہ جس کی گولہ باری کی رفتار روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ ہوا میں گولے برساتا رہے اور جب اُن کی افواج ان خالی مورچوں سے آگے بڑھیں۔ تب وہ اچانک اُن کا گولیوں کی آگ سے سواگت کرے۔ اس طرح سے وہ اپنی فوج کو نقصان سے بچا سکے گا اور دشمن کے حملے کو کامیابی سے روک

سکے گا۔ مگر یہاں جرمن قوم کے سپہ سالار کو قومی برتری کے خیال نے اپنے قابل افسر کی رائے پر عمل کرنے سے منع کر دیا اور رفعت پے کو جرنل وان سانڈرس نے حکم دیا کہ اُس کی فوجیں ایک انچ بھی اپنی جگہ سے پیچھے نہ ہٹیں۔ البتہ وان سانڈرس نے اپنا ہیڈ کوارٹر اب (TYRE) میں بدل دیا۔ یعنی وہ جنگ کے محاذ سے اور بھی دُور چلا گیا۔

(۱۸) ۱۸ ستمبر کو ترکوں کے میسرہ پر برطانوی فوج کے ایک ڈویژن نے دریائے جارڈن کی طرف پیشقدمی کر کے ایک اہم پہاڑی مورچہ ترکوں سے چھین لیا۔ لہٰذا ترکوں کو اور بھی یقین ہو گیا۔ کہ بڑا حملہ اسی طرف سے ہوگا۔ مگر ۱۹ ستمبر صبح کے ساڑھے چار بجے جرنل ایلنبی نے اپنے آخری حملے کا آغاز کیا اور جیسے ہی توپوں کے گولوں کا طوفان ختم ہوا۔ اُس کی پلٹن بڑے سیلاب کی مانند آگے بڑھی۔ وہاں ترکی مورچہ گہرائی میں کم تھا۔ اس کے صرف دو مورچے تھے اور ان میں خاردار تار بھی کم لگائے تھے۔ لہٰذا برطانوی فوج نے اس مورچے کو سر کر کے اپنی فوج کے رسالے کے لیے دروازہ کھول دیا جس میں سے کئی ہزار کی تعداد میں رسالے کے جوان آگے بڑھے اور نہایت ہی سرعت کے ساتھ یرموک دریا کی وادی کے پہاڑی علاقے کو طے کرتے ہوئے ترکی فوج کے عقب میں پہنچ گئے۔ پلٹن اپنے رسالے کے پیچھے پیچھے نہایت سرعت سے بڑھتی گئی اور موٹر لاریوں کا استعمال

کیا جاتا رہا۔ تاکہ پلٹن کے سپاہی اُن پر سوار ہو کر لمبے فاصلے طے کر کے اپنے رسالوں کے نزدیک پہنچ کر اُن کی بروقت مدد کر سکیں انہی لاریوں پر سامان حرب و رسد بھی بھیجا گیا۔

(ل) امیر فیصل کے عربوں نے بھی ۱۶ ستمبر سے کارروائی شروع کر دی تھی اور انہوں نے دیرعہ (DERAA) اسٹیشن اور امان کے اسٹیشنوں کی درمیانی ریلوے لائنوں کو تباہ کر دیا۔ برطانوی ہوائی جہازوں نے تمام ترکی ٹیلیفون اور تار کے بڑے بڑے مرکزوں پر نہایت کامیابی سے بم برسا کر اُن کو تباہ کر دیا تھا۔ اور یہ تباہی عربوں کی مدد سے اس قدر مکمل تھی۔ کہ ترکی محاذ پر کوئی تار یا ٹیلیفون کام نہیں کر رہا تھا حتّٰی کہ جرنل سانڈرس کو بھی معلوم نہ تھا۔ کہ برطانوی فوج کا سیلاب نہایت سُرعت سے اُس کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ محض اتفاق سے برطانوی رسالے دستے سے بچ کر نکل گیا۔ اگر چند لمحے اور وہ وہیں رہ جاتا۔ تو پکڑا جاتا۔

(K) ترکی فوج عجب بے کسی کی حالت میں تھی۔ اُن کے عقب میں عرب غارت گری کر رہے تھے اور اُوپر سے برطانوی ہوائی جہاز آگ برسا رہے تھے اور اُس کے ساتھ برطانوی رسالہ اور پلٹن ترکوں کے فلینکوں سے بڑھ کر پیچھے ہٹنے کے راستے روکے ہوئے تھے۔ یہ خُدا کی شان تھی۔ کہ اسی وادی یرموک میں خالدؓ بن ولید نے عیسائی حکومت رُوما کی فوج کا خاتمہ کیا تھا اور اب ترکی حکومت جو سب سے بڑی اسلامی

سلطنت اور خلیفۃ المسلمین کی حکومت تھی۔ برطانوی حکومت کے سامنے سرنگوں تھی اور خلافت اور جہاد آخری دم لے رہے تھے۔

ترکی نے ہتھیار ڈال دیئے

ان حالات سے متاثر ہو کر ۳۱ر اکتوبر ۱۹۱۸ء کو ترکی نے ہتھیار ڈال دیئے۔ گو اس وقت (البتہ) دشمن کی فوجیں اپنی کمک کی انتظار میں قسطنطنیہ سے کہیں دور منتظر تھیں۔ درحقیقت ترکی حکومت ذہنی شکست کھا چکی تھی جس کا اثر خون سے لبریز شکست سے کہیں زیادہ زود اثر اور بیکس کرنے والا ہوتا ہے۔ تاریخ واقعات کو دہراتی ہے۔ کس قدر صحیح مقولہ ہے۔ اور بالآخر ۱۱ر نومبر ۱۹۱۸ء کو جرمنی نے بھی صلح کے لیے درخواست کی۔

اسباق عبرت

اس سے پیشتر کہ ہم اس المناک باب یعنی ترکی حکومت کی شکست کو بند کر کے اس اسلامی حکومت کے دوبارہ ہوش میں آنے کے حالات قلمبند کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ فلسطین کی جنگ کے چند عبرت آموز اسباق آپ کے سامنے پیش کریں۔ تاکہ ہم اور ہماری آئندہ آنے والی نسلیں اُن پر غور کریں اور اُن غلطیوں سے گریز کریں۔ جن کے باعث نہ صرف ترکی حکومت سرنگوں ہوئی۔ بلکہ خلافت اسلامی مٹ گئی اور جہاد بدنام و ذلیل و خوار ہوا۔ اسلامی اُخوت کا وقار جاتا

رہا یعنی مسلمان برسر بازار رسوا ہوئے۔

دفاعی سیاسی اصول کے لحاظ سے ترکی حکومت نے بار بار غلطیاں کیں۔

(i) اگر ترکی حکومت روس پر حملہ کرنے کی بجائے (خصوصاً جبکہ شاہ زار کی حکومت ختم ہو چکی تھی) حکومت برطانیہ کے خلاف عراق میں ایک زبردست فوج بھیج کر وہاں کے تیل کے چشموں پر قبضہ کر لیتی۔ تو برطانوی حکومت کے خلاف یہ زخم کاری ثابت ہوتا۔

(ii) چونکہ ۱۹۱۵ء میں برطانیہ اور فرانس مل کر درۂ دانیال میں منہ کی کھا چکے تھے۔ لہٰذا اب ترکی حکومت کو اپنے حریف کی دوسری چالوں پر نظر رکھنی چاہیئے تھی۔ کہ اتحادی اب کہاں اور کب حملہ کریں گے۔ اُن کی بحری طاقت کے استعمال کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے تھا۔

(iii) ترکی حکومت بار بار اپنے دوست اور معاون چننے میں غلطیاں کر چکی تھی۔ پہلی لڑائیوں میں اُس کے دوستوں نے اُس کا ہاتھ پکڑے رکھا۔ اور اس طرح سے اُس کے دشمنوں کو آزادانہ وار کرنے دیا۔ جب ترکی حکومت کا قدم یورپ کے علاقے سے نکالنے کے منصوبے پر عمل کیا گیا۔ تو ترکی حکومت نے مددگار تلاش کیا لیکن خود اُس کا معاون اس کے لیے ایک مہنگے سودے کے برابر ثابت ہوا یعنی ترکی سلطنت، جرمنی حکومت کی لڑائیاں لڑتے لڑتے اپنی فوج، سامانِ حرب اور روپیہ بھی ختم کر بیٹھی۔ ممکن ہے بعض احباب، ترکی حکومت کے اس رویّہ کو اس بنا پر سراہیں کہ مسلمان کے لیے

عہد و پیمان کا ایفا کرنا لازم ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جرمنی کے رویّہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ رویّہ کس قدر صائب تھا۔ مگر سب سے قابل اعتراض یہ امر تھا۔ کہ ترکی حکومت جرمن حکومت کی معاون تھی۔ لہٰذا اپنے آپ کو کمتر و کمتر سمجھنے کے کیا معنی؟ مثلاً برطانیہ اور فرانس اتحادی تھے اور انہوں نے ایام جنگ میں بہت ہی تعاون اور یکجہتی سے کام لیا۔ مگر دونوں نے بار بار نہ صرف اپنے مفاد کا اظہار ہی کیا۔ بلکہ اس کے حصول کے لیے برابر کوشش بھی کرتے رہے۔

زیادہ دور کیوں جائیں۔ جب فروری ۱۹۱۸ء میں مجلس دفاع اعلیٰ کے سامنے جنرل سمٹس نے جنرل ایلنبی کی سکیم رکھی۔ تو فرانس نے صاف صاف کہہ دیا۔ کہ برطانوی سفید نژاد فوج فرانس سے نہ جائے گی۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی۔ کہ انڈین آرمی یا دیگر فوجیں تو فرانس سے باہر جا سکتی ہیں۔ کیونکہ فرانس کو خوب معلوم تھا۔ کہ ان ہندی افواج کے پاس دوسرے درجے کے ہتھیار ہیں۔ گو بہادری اور اولوالعزمی میں وہ کسی سفید رنگ کی قوم کی فوج سے کم نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بیان بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس نازک حالت میں بھی سفید نژاد قوموں نے اپنی برتری کے خیالات و زعم کو نہ چھوڑا۔ (۱۲) مگر ان حالات میں ترکی حکومت نے نہ صرف جرمنی کے جائز و ناجائز حکم کو بلا تامل مانا۔ بلکہ اپنی تمام ملت کی خودداری کے احساسات کی بھی پروا نہ کی۔ گو ترک افسروں اور سپاہیوں میں خودداری موجود

تھی۔ مگر پھر بھی وہ انتہائی صبر سے ان حکام کی طرف دیکھتے رہے جن کے ہاتھ میں انہوں نے اپنے جان و مال، عزت و ننگ کی باگ دے دی تھی۔ اگر ترکی حکومت پہلے جرمن فوجی مشن اور پھر جرمن کمک لیتے وقت اپنی قوم کی خود داری کے احساسات قیصر جرمنی اور اُس کے مشیروں کو بتا دیتی اور آنکھ بند کر کے کمتری کے دریا میں نہ کود پڑتی۔ تو جنگ کے اثرات ترکی کے خلاف اس قدر المناک نہ ہوتے۔

(ب) ایک اور سیاسی اور دفاعی سیاسی اُصول جس کو ترکی حکومت نے پامال کیا وہ یہ تھا کہ ترکی حکومت نے عملاً اُس زبردست سیاسی ہتھیار کا امن کے زمانے میں اور بعد ازاں جنگ کے زمانے میں بھی استعمال نہ کیا۔ اور وہ تھا اپنی رعایا کی خوشنودی کا حصول اور اپنی رعایا کی مدد اور اُن کی ہمدردی!

(ج/۱) ترکی حکومت کا بادشاہ خلیفۃ المسلمین تھا۔ مگر وہ اور اُس کے مشیر اسلامی روایات اور اُصولوں سے بہت ہی دُور تھے وہ سب مسئلہ جہاد سے نابلد تھے۔ اُنہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں مقدس مقامات کی عزت، اسلامی روایات خصوصاً اسلامی دفاعی عزت و روایات بہت کمتر کر دی تھیں اور رشوت، عیش پسندی و آرام طلبی کو اُنہوں نے اپنا رفیق بنا لیا تھا۔

(ج/۲) اُنہوں نے عرب، یمنی، ترک وغیرہ کو الگ الگ قبائل بنا کر

اُن فرقوں میں حسد و بُغض پیدا کر کے اُخوتِ اسلامی کو ختم کر دیا تھا۔

(viii) دوسری طرف جنرل ایلبنی کو دیکھئے۔ اُس نے اور اُس کے جنرل سٹاف نے اسلامی دفاعی تاریخ کے تمام جنگ جو مجاہدین کا جو عیسائیوں یا دوسری حکومتوں سے لڑے تھے بار بار مطالعہ کیا تھا۔

جنرل ایلبنی کے قریب ترین سٹاف افسروں کا بیان ہے کہ جنرل ایلبنی ان جنگوں پر لکھی ہوئی کتابوں اور نقشوں کا برابر ہر روز مطالعہ کرتا تھا اور مصروف سے مصروف دن بھی وہ اس کام کو ناغہ نہ کرتا تھا۔

(x i) جنرل ایلبنی نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلم فاتحین کی جنگوں سے بہت کچھ حاصل کیا۔ یعنی اُس نے اپنی فوج کو حالات کے مطابق تربیت بھی دی اور ترتیب بھی اس کے ساتھ ایلبنی نے اپنے افسروں سپاہیوں اور جانوروں کو مشق دے کر مجاہدین کی طرح سے سخت جان بنا دیا۔

(x) ایلبنی نے زرِ کثیر دے کر تمام مسلم عربوں کو ترکوں کا دشمن بنایا۔ اور اُن کو یقین دلایا۔ کہ ترک فاسق، غیر مسلم اور ظالم حاکم ہیں اور برطانیہ اُن کو ترکوں سے نجات دلا کر آزادی دلائے گا۔ یہ جنرل ایلبنی کی قابلیت تھی اور ہم اُس کی داد دیتے ہیں۔

(x i) ایلبنی نے تیز رفتاری کے حربی اُصول کے استعمال کو صحیح

سمجھا۔ اُس نے رسالوں کے بہت بڑے دستے نہایت بے باکی اور دلیری سے دشمن کے خلاف استعمال کئے۔ مثلاً اُس نے ترکی پلٹن کے مورچوں پر رسالوں سے حملہ کرکے اُن کو شکست دے کر خالدؓ کی دفاعی روایات کو تازہ کیا۔ مگر ترکی اسلامی دفاعی تاریخ سے نابلد تھے۔ خالد کے رسالوں کے حملوں کی طرح سے ترکی سپاہی برطانوی رسالے کے شتر سواروں کی سرعت اور تیز رفتاری کے باعث مات کھا گئے۔

(xii) کبھی ایلنبی نے لاریوں اور زرہ بکتر موٹر گاڑیوں سے ترکی فوج کو ہراساں کیا۔ اور کبھی شتر سواروں اور رسالے کے ذریعے بالفاظِ دیگر ایلنبی نے خالدؓ کی لڑائیوں کی اسی سرزمین پر جو اُس نے رومیوں کے خلاف لڑی تھیں۔ قابلیت سے نقل کی۔ دفاعی اصول وہی تھے یعنی برق انداز رفتار سے اچانک حملے مگر ہر بار نئی طرز میں۔ غور سے دیکھا جائے تو ان اصولوں کو خالدؓ کے مانند ایلنبی نے استعمال کیا۔

(xiii) جرنل ایلنبی نے لارنس جیسے عربی زبان دان اور ہوشیار افسر چن کر اُن کو عربی باغی فوج کے ساتھ کیا اور اُن کی مدد سے عربی شتر سواروں کو اُن کے اپنے رنگ میں دشمن سے لڑایا۔ عربی لشکر جم کر نہیں لڑتے وہ دشمن کے مختلف اڈوں سلسلۂ آمد و رفت وغیرہ پر دھاوے

بول کر اُسے پریشان کرنے میں یکتائی رکھتے ہیں۔ لارنس نے ترکی فوج کو کبھی موقع نہ دیا۔ کہ وہ عربی فیصل کی فوج کو کسی جگہ روک کر لڑائی لڑنے پر مجبور کر سکے۔ اس طرح سے ترکی فوج پریشان ہوگئی اور جنرل ایلنبی اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔

(۱۸×) جب مصریوں نے برطانوی فوج میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ تو ایلنبی نے اُن پر جبر نہ کیا۔ جیسے تُرکوں نے عربوں پر کیا۔ بلکہ اُن کو روپیہ کا لالچ دے کر کہا۔ کہ تم مسلمان بھائیوں کے خلاف مت لڑو۔ مگر بے کار رہنے سے کیا فائدہ اور ان کو بطور قلی اس محاذ پر لے آیا۔ یہ کام اُس کے لیئے بہت ہی اہم تھا۔ کیونکہ ان مزدوروں کی ہمت سے ریلوے لائن اور سڑکیں۔ ہوائی اڈے وغیرہ بنے۔ جن کی مدد سے جنرل ایلنبی کی فوج ہر طرف ہر جگہ آسانی سے نقل و حرکت کر سکی۔ اور برطانوی ہوائی جہازوں نے ترکی کے سلسلۂ آمد و رفت اور مراسلات کو درہم برہم کر دیا۔

(۱۹×) جس دن آرمسٹس یعنی جہاں اعلانِ صلح ہوا۔ مصنف عین میدانِ جنگ میں موجود تھا۔ لہٰذا اُس نے کم از کم اُس محاذ کے سپاہیوں کے احساسات کا اندازہ لگایا۔ اور ہماری رائے میں یہ احساسات ہر جگہ یکساں تھے۔ یعنی وہ لوگ جو محکمۂ دفاع میں شامل ہو کر مصنف کی طرح سے کئی برس سے گھروں سے دُور مصائب جنگ اُٹھا چکے تھے۔ ان کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ وہ مدت سے اپنوں سے

بچھڑے ہوئے تھے۔ اپنے عزیز و اقارب سے ملاقات اور جلا وطن کی واپسی کی اُمید کی جو یہ خبر اُن کے لیے آئی بہت ہی مبارک تھی۔ اس کے ساتھ ہی اُن سپاہیوں کے دلوں میں اپنے ان عزیزوں اور دوستوں کی جُدائی کا احساس دوبارہ تازہ ہو گیا۔ یعنی وہ لوگ جو ان کے ساتھ مل کر شانہ بہ شانہ لڑے تھے اور آخر دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔ اُن کو انہی مقامات کے قرب و جوار میں سُپردِ خاک کر دیا گیا تھا۔ جہاں وہ گرے تھے! فاتح فوجوں کے کیمپوں میں اپنی کامیابی پر فخر و ناز کے اظہار عیاں تھے۔ اور شکست خوردہ افواج کے قیدی گذشتہ واقعات پر غصّہ و غضب سے تبصرہ کرتے تھے۔

چند اہم سوالات

جُوں جُوں وقت گذرتا گیا۔ یہ ۱۱ نومبر کا دن اور اُس کی رسومات کچھ تو رسمی ہو گئیں۔ اور اب کچھ عرصہ بعد یہ برسی تمام دُنیا کو یہ احساس دلانے لگی۔ کہ فاتحین نے کیا پایا اور شکست خوردہ قوموں نے کیا کھویا؟ ——— کیا انصاف کی رُو سے ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ اور آئندہ کے لیے کیا ہم ایسی جنگوں کے وقوع ہونے سے روک

سکتے ہیں؟ ـــــ یہ قدرتی امر ہے۔ کہ اکثر یہ سوال اُٹھتا تھا۔ کہ آخر کیا وجہ تھی۔ کہ جرمنی نے ہتھیار ڈال دئے۔ جب کہ اُس کی فوجیں میدان جنگ میں تباہ و برباد نہیں ہوئی تھیں۔ اور ابھی تک وہ دشمن کے علاقے پر قابض تھیں؟ ـــــ کیا ان حالات میں جرمنی کے حکام کا شکست ماننا ایک معمہ نہیں تھا؟ ـــــ اور اس معمے کا حل کیا تھا؟ ـــــ اس معمے کے حل کا سمجھنا دراصل بہت آسان ہے۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے وقت کیا ہوا۔ کیا مسلمانوں نے صلح حدیبیہ جسے اللہ تعالےٰ نے "فتح مبین" سے قرآن مجید میں فرمایا ہے، سمجھنے کی کوشش کی ہے؟ ـــــ مصنف کی رائے میں کم از کم بہت کم مورخین نے تاریخ اسلام میں اسے اس شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہاں امریکی جنگ آزادی (U.S.A.) میں جرنل شرمن کے کارناموں کو مغربی مورخوں نے بہت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ جو اصل تو نہیں ہو سکتا۔ ہاں نقل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ صلح حدیبیہ اس جنگ کے کئی سو برس پہلے وقوع پذیر ہوئی تھی۔ درحقیقت قوم کی بے کسی و بے چارگی اُسے نا اُمیدی اور مایوسی دکھلا کر اُس قوم کے حوصلے پست کر دیتی ہے۔ اور قوم کی پستی کا اثر اس ملک کی افواج کی طاقت کو زائل کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے جرمنی فوج ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئی۔ جرمن نہ تو خود سمجھ سکتے ہیں۔ کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔

اور اُن کے افسر بھی اس عقدہ کو حل کرنے سے قاصر تھے۔
تاریخ واقعات کو گو بار بار دُہراتی ہے۔ پھر بھی خلق اُسے بہت جلد بھول جاتی ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ کے وقت قریش قوم تو شکست خوردہ اور بے چارگی کے عالم میں تھی۔ مگر اسی قوم کے لشکر کے کچھ افراد ان حالات کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ یہی امریکہ میں ہوا اور یہی ۱۹۱۸ء میں جرمنی میں ہوا۔ اور پھر یہی واقعات یورپ اور ایشیا میں ۱۹۴۵ — ۱۹۳۹ء میں دُہرائے گئے۔

دُنیا بھر کی قومیں جرمنی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ترکی زخمی اور مجبوری کی حالت میں تھا۔ عیسائی دُنیا نے فیصلہ کیا۔ کہ اس مسلم حکومت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔ تاکہ نہ تو خلیفۃ المسلمین کے دوبارہ پیدا ہونے کا امکان رہے اور نہ ہی جہاد کا خدشہ باقی رہے۔ سب فاتحین اتحادیوں نے یہی سوچا۔ کہ پہلے جرمنی کو بے دست و پا کر دیا جائے۔ اور پھر ترکی کے حصے بخرے کر لیے جائیں۔ کیوں کہ وہ بہت گھائل ہو گیا ہے۔

جب یہ بڑی طاقتیں یورپ میں اہم فیصلے کر رہی تھیں۔ اُس وقت برطانوی فوج کے ایک بڑے دستے نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا۔ کچھ فرانسیسی فوج بھی درۂ دانیال میں اُتری۔

انہی ایام میں بلقانی گیدڑوں نے اس ہلکارن شیر کو مُردہ سمجھ کر
اس کے جسم کی بوٹیاں نوچنی شروع کیں۔ پھر کیا ہوا؟—
کتاب کے اگلے حصے "بیسویں صدی کا مجاہد" میں دیکھئے۔